
تم ایسی شرارت مت کرنا
سباس گل

انتساب!

بہت پیاری
سہیلیوں
فردوس، نوشی، ثوبیہ
اور منزہ ہاشمی
کے نام!

پیش لفظ

شروع کرتی ہوں اس پاک، بابرکت، رحمت ونعمت والی ذات کریم کے نام سے جس نے جن وانس کو خلق کیا۔ کائنات کی بنا ڈالی۔ جو حی و قیوم ہے۔ عزیز بھی ہے معز بھی ہے جو رؤف بھی ہے غفور و رحیم بھی ہے جس کے اختیار میں ہر ابتدا ہے ہر انتہا ہے۔ جو آغاز و انجام کا مالک ہے جو آفتاب و مہتاب کا خالق ہے۔ جو ہر ذی روح کا رازق ہے جو اندھیرے سے روشنی اور روشنی سے رنگ بکھیرتا ہے جو بے رنگ پانی سے رنگ رنگ اور قسم قسم کے پھول پودے اگاتا ہے جو پتھر میں کیڑے کو رزق پہنچاتا ہے اور گُل میں سُباس کا لمس بناتا ہے اور گُل کی خوشبو کو گلشن گلشن قریہ بہ قریہ پھیلاتا ہے۔ آج اسی گُل کی خوشبو اک نئے لمسِ احساس کے ساتھ آپ کے روبرو ہے یہ خوشبو آپ کو مسحور کرتی ہے یا گُل سے دور کرتی ہے اس کا فیصلہ آپ قارئین کے ذوق مطالعہ پر منحصر ہے۔

''تم ایسی شرارت مت کرنا''

میری پہلی کتابی کاوش ہے۔ لکھنے کا آغاز تو پہلی جماعت سے ہی کر دیا تھا کہ ابتدا الف ''اللہ'' سے ہوئی تھی کہانیاں بننے کی عادت سکول کے زمانے میں ہی پڑ چکی تھی۔ ہر شعر کی پیروڈی لکھنا اور ہر کردار کی نقل اتارنا جیسے گھٹی میں پڑا تھا۔ کہانیاں اسکول، کالج کی کاپیوں اور فائلوں میں لکھتی رہتی اشعار سے ہر کورے کاغذ کا دامن بھرتی رہتی تھی۔ اسکول، کالج میں ڈرامے لکھنا ایکٹ اور ڈائریکٹ کرنا جاری رہا داد بھی ملتی تھی۔ سب سہیلیاں بھی حوصلہ افزائی کرتی تھیں اساتذہ کرام بھی سراہتے تھے۔ چھپنے کی ابتدا اخبار جنگ اور اس کے بعد ''بچوں کے گلشن'' رسالے اور مقامی اخبارات سے ہوئی پہلا افسانہ ماہنامہ ''جناب عرض'' میں شائع ہوا جس کا نام تھا ''سوکھے ٹکڑے'' دوسرا افسانہ ''اللہ صاحب'' تھا ان دونوں افسانوں کی اشاعت پر سینئر ادیبوں کی

تعریف و توصیف مجھ تک پہنچی تین ماہ کے اس مختصر ساتھ کے بعد ماہنامہ ''کومل'' سے باقاعدہ لکھنے کا آغاز کیا۔ ''کومل'' کے مدیر اعلیٰ محترم کاوش صدیقی صاحب اور بہت مہربان مدیرہ اپیا! سمیرا حق صاحبہ! نے مجھے بہت محبت اور عزت سے نوازا اور میری ہر تحریر کو ناول، افسانے، تبصرے اور شاعری کو ترجیحی بنیادوں پر شائع کیا۔ ''کومل'' کے ایک ڈیڑھ برس کے اس ساتھ میں مجھے بے شمار قارئین کی پسندیدگی اور محبتیں میسر آئیں سب سے بڑھ کر ''سُباس گل'' کو ڈائجسٹوں کی دنیا میں محترم جناب کاوش صدیقی صاحب اور پیاری سمیرا حق صاحبہ نے ہی متعارف کرایا۔ میں آج بھی ان مہربان اور پُرخلوص ہستیوں کی تہہ دل سے ممنون ہوں اور ان کیلئے ہمیشہ دعا گو رہتی ہوں کہ یہ پیاری ہستیاں جہاں کہیں بھی ہوں خوش اور آباد ہوں، تندرست اور پرسکون زندگی بسر کر رہی ہوں آمین!

فروری 2002ء سے میرا ناطہ ماہنامہ ''حنا'' سے جڑ گیا۔ ''حنا'' کے مدیر اعلیٰ محترم شفیق انکل سردار محمود، آنٹی بلقیس بھٹی صاحبہ! اور پیاری مدیرہ خصوصی محترمہ فوزیہ شفیق صاحبہ کی محبتوں نے مجھے کھلے دل سے خوش آمدید کہا انکل سردار محمود کا بارعب مگر محبت و شفقت بھرا لہجہ ہمیشہ اپنائیت کا احساس دلاتا ہے اور فوزیہ شفیق آپی تو اتنی شفیق ہیں کہ میری جائز ناجائز تنقید، جرح اور جلی کٹی باتیں تک بڑی خوش دلی سے سن لیتی ہیں اور ہنستے ہوئے کہتی ہیں کہ سُباس! آپ کا حق ہے ہم پر، شکوے گلے اپنوں سے ہی کیے جاتے ہیں غیروں سے تھوڑی کیے جاتے ہیں۔

ان سب کی محبتیں میرا مان ہیں پھر مارچ 2004ء میں ماہنامہ ''آنچل'' سے وابستہ ہوئی جہاں ایک استاد اور ماں کے سے لب و لہجے والی بہت محترم اور پیاری مدیرہ جنہیں میں آنی خالہ! کہتی ہوں محترمہ فرحت آراء صاحبہ نے مجھے اپنے ''آنچل'' میں جگہ دی اور میں آج بھی ان کی رہنمائی میں اپنے قلمی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہوں۔ ''حنا'' سے میری چھ سال کی وابستگی ہے جو انشاء اللہ تادم مرگ جاری رہے گی۔ ادارہ شہزادہ عالمگیر گروپ آف پبلی کیشنز'' سے اس دوران ایک سال کی رفاقت رہی جہاں پیاری مدیرہ محترمہ شہلا عالمگیر کی محبت اور قارئین کی بے انتہا پسندیدگی کا ثمر سمیٹا اس کے بعد ستمبر 2005ء میں مجھے ماہنامہ ''صدرنگ'' سے وابستہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا جہاں مدیرہ محترمہ ثمینہ بخاری صاحبہ اور اے پی این ایس ایوارڈ یافتہ بہترین فیچر رائٹر مدیر اعلیٰ ''صدرنگ'' محترم جناب خالد ارشاد صوفی صاحب! اور بہت نفیس شفیق اور انتہائی ذمہ دار ہستی ڈپٹی ایڈیٹر ''صدرنگ'' محترم جناب محمد رفیق بٹ صاحب نے مجھے اپنے ماہنامے کی مرکزی مصنفہ کی حیثیت دیتے ہوئے میری ہر تحریر کو بہت محبت سے شائع کیا۔ خاص کر بھائی محمد

رفیق بٹ صاحب کی محبت و شفقت اور خلوص سے کی گئی محنت ناقابل فراموش ہے اللہ انہیں ہمیشہ سکھی رکھے۔ آمین!

قلمی سفر کچھ اور آگے بڑھا تو جولائی 2006ء میں ''ردا'' ڈائجسٹ سے شناسائی ہوئی جس نے نگاہوں کو خیرہ کیا دل و دماغ کو بھلا لگا تو فوراً ''ردا'' کے دامن میں چلے آئے جہاں معروف افسانہ و ناول نگار، شاعرہ اور کالم نویس مدیر اعلیٰ محترمہ صالحہ محمود صاحبہ نے محبت و اپنائیت سے مجھے خوش آمدید کہا جن کے دل اور ڈائجسٹ کے دروازے ہمیشہ نئے آنے والوں کیلئے وا رہتے ہیں وہ ہمیشہ نئے لکھنے والوں کو خوش آمدید کہتی ہیں انہیں اپنی محبت و شفقت بھری ''ردا'' میں جگہ دیتی ہیں اور ان کی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیتی ہیں۔ نئے لکھنے والوں کیلئے ''ردا ڈائجسٹ'' ایک بہترین پلیٹ فارم ہے جو کہ خوبصورت، معیاری اور عمدہ تخلیقات اپنے قارئین تک پہنچاتا ہے۔ صالحہ آپی! کی محبت و شفقت کے طفیل ''ردا'' کے ساتھ میرا قلمی سفر جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ ''تم ایسی شرارت مت کرنا'' ''ردا ڈائجسٹ'' میں شائع ہونے والا ناول ہے جو صالحہ آپی اور قارئین نے بے حد پسند کیا تھا۔ قارئین کی خواہش و فرمائش کے علاوہ دوستوں کا بھی بے حد اصرار تھا کہ یہ ناول کتابی شکل میں شائع کراؤ۔ بے حد پیاری شاعرہ اور ناول نگار دوست نازیہ کنول نازی نے بارہا کتاب شائع کرانے کی بات کہی اور ادارہ علم و عرفان پبلیشرز سے رجوع کرنے کیلئے کہا مگر میں اپنی سستی اور کچھ مصروفیت کے باعث ٹالتی رہی کہ جانے کیا مسائل ہوں کتاب شائع کرانے کے، مگر آپی صالحہ محمود صاحبہ! نے خاص محبت و شفقت فرماتے ہوئے ادارہ علم و عرفان پبلیشرز تک میری رہنمائی فرمائی اور مجھے کتاب شائع کرانے پر پل بھر میں آمادہ کرلیا تھینک یو صالحہ آپی! میں بھائی گلفراز احمد صاحب کی بھی تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے کتاب شائع کرانے کے عمل کو اتنا سہل بنا دیا کہ مجھے کوئی مشکل اور پریشانی نہیں ہوئی اور ان کے ادارے علم و عرفان پبلیشرز نے بہت خوبصورتی، عمدگی اور سلیقے سے میری کتاب شائع کی۔ میں ان تمام دوستوں کی بھی بے حد شکرگزار ہوں جنہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی جن میں فردوس نعیم، نوشی مصطفیٰ کمال پاشا اور ثوبیہ نعیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان تینوں کی پرخلوص محبت، دعائیں اور دوستی میرا سرمایہ ہیں۔ میری پیاری سکول ٹیچر مس ثریا غوری (مرحومہ) جنہوں نے مجھے اشعار کو سمجھنے میں مدد دی۔ پیاری دوست فرزانہ مختار (مرحومہ) جسے پورا یقین تھا کہ سُباس ایک دن بہت بڑی رائٹر بن جائے گی۔ میری کہانیاں پڑھے بغیر ہی اسے اتنا یقین تھا بہت جلدی کی اس نے جانے میں ان دونوں کی محبتیں دعائیں اور پیار بھری ڈانٹیں مجھے ہمیشہ یاد رہیں گی۔ دیگر دوستوں

میں سویٹ نازیہ کنول نازی، ہردم ہنستی مسکراتی منزہ ہاشمی، ثمینہ ناصر، فرح ذوالفقار، بشریٰ امتیاز، رابعہ اسحاق، ناصرہ فریاد، آپی فریدہ جاوید فری، عائشہ سحر مرتضیٰ شامل ہیں ان سب کی پسندیدگی، ہمت افزائی اور خلوص بھی میری حیات میں شامل ہیں۔

مجھے شعاع کی امت الصبور صاحبہ جنہیں ہم سب پیار سے امتل آپا کہتے ہیں بھی یاد آرہی ہیں جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''آپ میں لکھنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے کوشش کر کے دوبارہ لکھیں'' ''کرن'' کی مدیرہ پیاری ریحانہ علی احمد اور ریحانہ آفتاب کی محبت و اپنائیت، ''دلکش'' کی مدیرہ پیاری آپی محترمہ نزہت اصغر صاحبہ، یمنیٰ احمد جی، باجی عذرا رسول صاحبہ کی محبتیں بھی کم نہیں ہیں۔ ''نازنین'' کی مدیرہ پیاری شمع زیدی صاحبہ جن کی ہنسی زندگی کا احساس دلاتی ہے۔ میں ان سب کی بے حد ممنون ہوں اور پیاری بہنا مسز فاطمہ شکیل کی دعاؤں اور محبتوں کا قرض ہے مجھ پر اور آخر میں ذکر ہو جائے ان عظیم ہستیوں کا جنہوں نے اللہ کے فضل و کرم کے بعد ''سباس گُل'' کو صحیح معنوں میں ''سباس گُل'' بنایا ہے جی ہاں میرے پیارے ابو جان اور پیاری امی جان جن کی محبتوں، محنتوں اور دعاؤں نے مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے میرے والد محترم ایک معروف شاعر ہیں ان کا ادبی و شعری ذوق مجھے ورثے میں ملا ہے۔ ابو جان! نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا ہے! والدین جو کچھ اپنی اولاد کو دیتے ہیں ان میں سب سے بہتر اچھی تعلیم اور تربیت ہے'' الحمدللہ میرے والدین نے اپنا یہ فرض بخوبی ادا کیا ہے والد صاحب کی سپورٹ کے بغیر میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ ان کا یہ احسان ہے میری ذات پر کہ انہوں نے مجھے تعلیم دلوائی پڑھنا لکھنا سکھایا اور قلم سے کہانیاں بننے کے فن تک مجھے لا پہنچایا شدید تکلیف اور بیماری میں بھی والد صاحب مجھے کالج چھوڑنے اور پِک لینے جایا کرتے تھے انہوں نے اپنی اولاد سے محبت ہی نہیں کی بلکہ ان کے لئے مشقت بھی کی ہے اور میری پیاری امی جان! جنہوں نے شب و روز اولاد کی خدمت کرتے ان کی کامیابیوں کی دعائیں کرتے ان کے سکھ چین کا خیال رکھتے گزارے ہیں جن کا نہ کوئی بدل ہے۔

نہ سباس گُل اس قابل ہے کہ ان کا ذرہ برابر بھی حق ادا کر سکے۔

امی جان کو میرا لکھنا کبھی بھی پسند نہیں رہا لیکن جب بھی میں نے انہیں اپنی کوئی مقبول عام تحریر دکھائی ہے انہیں خوشی ضرور ہوئی ہے اور اولاد کی کامیابی پر حقیقی خوشی صرف ماں باپ کو ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے ماں باپ کو صحت و عزت کے ساتھ سلامت رکھے آمین!

میں نے ہمیشہ یہ دعا کی ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایسا کوئی کام ضرور کر جاؤں جو

میرے مرنے کے بعد زیادہ نہ سہی مگر اتنے عرصے کیلئے تو میری یاد ضرور دلاتا رہے جتنا عرصہ میں زندگی جی کر جاؤں۔ جتنا جیوان جھیلا ہو لوگ اتنے برس تو یاد رکھیں۔ آخر میں باجی فاطمہ شکیل کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنہوں نے مجھے ہمیشہ سراہا، چاہا اور دعاؤں سے نوازا، خدا انہیں زندگی کی ساری راحتیں اور مسرتیں بخشے۔ ''تم ایسی شرارت مت کرنا'' کیلئے تمام قارئین کی آراء کی منتظر رہوں گی۔ ان تمام معزز، محترم شخصیات کا بے حد شکریہ جنہوں نے مجھ ناچیز کو اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صحت، عزت، مسرت اور راحت کے ساتھ سلامت اور کامران رکھے۔ آمین!

آپ سب کیلئے دعا گو!

اور دعاؤں کی طالب

سُباس گُل

ٹرسٹ کالونی

رحیم یار خان

محبت، آرزوئیں، خواہشات اور خواب

بے ترتیب زندگی کے کئی رنگ ہوتے ہیں۔ صبح کا رنگ، کجلائی ہوئی شام میں ڈھلتا ہے پھر یہ شام اُجالوں میں بدل جاتی ہے۔ اس طرح روز وشب میں وقوع پذیر ہوتے حالات کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے، جو کبھی شوخ اور کبھی مدھم پڑ جاتا ہے۔ تخلیق کار اس زندگی سے رنگ سمیٹ کر قرطاس پر قلم سے بکھیر دیتا ہے، اور پھر ایک نئی تصویر اُبھر آتی ہے۔ سُباس گُل بھی ایک ایسی ہی تخلیق کار ہے۔ جس کے جہانِ زندگی کے کئی روپ ہیں۔ وہ معاشرے کے بیشتر پہلوؤں کو بڑی خوبصورتی سے رقم کرتی ہیں۔ اس کی تحریروں میں محبت، آرزوئیں، خواہشات اور خواب بڑے خوبصورت انداز میں جنم لیتے ہیں۔ وہ ماحول کی عکاسی بڑی خوبصورتی سے کرتی ہیں، کہ سانس لیتے کردار حقیقی زندگی سے ربط جوڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔

زیرِ نظر ''تم ایسی شرارت مت کرنا'' میں یہ خصوصیات نمایاں نظر آتی ہیں۔

(فوزیہ شفیق)

مدیرہ خصوصی، ماہنامہ حنا، لاہور

تم ایسی شرارت مت کرنا

''میں عمر میں اس شخص کی پوتی کے برابر ہوں۔ جس سے آپ مجھے بیاہنے چلے ہیں۔'' کرن نے ہراساں ہو کر کہا۔

''مرد کی عمر نہیں دیکھی جاتی۔ اس کی آمدنی دیکھی جاتی ہے، اور صائم رحمٰن ایک ارب پتی بوڑھا ہے۔ ارے! عیش کرو گی عیش! یہاں کیا رکھا ہے؟ جہیز نہ ہونے کی وجہ سے بھائی کی دہلیز پر بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جاؤ گی۔ اتنا اچھا بر تو نصیبوں سے ملتا ہے۔ صائم رحمٰن کون سا زیادہ جیئے گا۔ بیمار اور بوڑھا ہے۔ اس کی بیوہ ہو کر بھی تم گھاٹے میں نہیں رہو گی۔'' عظمیٰ بھابھی نے سپاٹ اور تیز لہجے میں کہا۔

''خدا کے لئے بھابھی! رحم کریں میرے حال پر۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''رحم تم کیوں نہیں کرتی ہو ہمارے حال پر؟ سات ہزار ماہوار تنخواہ ہے تمہارے بھائی جان کی۔ میری بھی دو بیٹیاں ہیں بیٹا ہے۔ ان کی تعلیم، خوراک اور دوسرے اخراجات رو رو کر پورے کرتی ہوں۔ گھر کے سو خرچے ہیں۔ کل کو بیٹیاں جوان ہوں گی، تو ان کی شادی بیاہ کی فکر لاحق ہو جائے گی۔ مہنگائی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ ایسے ہی تمہارے بھائی جان تین تین لڑکیوں کا جہیز کس طرح تیار کریں گے؟ کبھی سوچا ہے تم نے؟'' عظمیٰ بھابھی نے غصے سے کہا۔

''تو آپ مجھے کیش کرانا چاہتی ہیں۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔

''دیکھو کرن! ہم نے اپنے منہ سے کچھ نہیں مانگا۔ وہ تو صائم رحمٰن نے خود ہی ہمیں شادی کی تیاری کے لئے پانچ لاکھ روپے دے دیئے اور تمہارے بھائی جان کو اپنی فیکٹری میں پندرہ ہزار ماہوار تنخواہ پر ملازم رکھنے کا وعدہ کیا ہے اور گھر اور گاڑی بھی ملے گی۔ بیس لاکھ روپے صائم رحمٰن نے

ہمارے بچوں کی شادیوں کے لئے تعلیمی اخراجات کے لئے دیئے ہیں۔ اب بتاؤ ہم کبھی اتنی بڑی رقم کا سوچ سکتے تھے؟ اب شکر کرو کہ اللہ نے تمہیں غریب گھر میں پیدا کر کے صورت حوروں جیسی عطا کر دی، اور تم صائم رحمٰن کو پسند آ گئیں۔ ورنہ اچھی صورت کو بغیر جہیز کے کوئی قبول نہیں کرتا۔'' عظمیٰ بھابھی نے ساری بات بتانے کے بعد اسے اس کے حسن اور غربت کا احساس دلایا۔

''لوگ کیا کہیں گے اور صائم رحمٰن کے گھر والے، اس کے بیوی بچے؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''بیٹا! صائم رحمٰن کنوارہ ہے۔ اب تک اس نے شادی نہیں کی تھی۔'' نعیم بھائی نے اپنی خاموشی کا قفل توڑتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''دولت مندوں کو شادی کی ضرورت بھی کیا ہوتی ہے۔ بغیر شادی کے ہی.....!'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر لب کاٹنے لگی۔

''کرن بیٹا! میں بھائی ہوں تمہارا۔ کوئی دشمن تو نہیں ہوں، میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ رشتہ قبول کیا ہے۔''

''رشتہ یا پیسہ؟'' وہ سلگ کر بولی۔

''تمہارے وسیلے سے اگر ہمارے دکھ دور ہو رہے ہیں، تو تمہیں تو خوشی ہونی چاہئے۔ آخر اس گھر کی بہن، بیٹی ہو۔ کچھ تمہارا بھی تو فرض بنتا ہے۔ میرے بھائی غفار کے رشتے سے تم نے انکار کر دیا۔ اب اس ارب پتی کے رشتے سے انکار کر رہی ہو۔ مجھے تو کوئی اور ہی چکر لگتا ہے۔ یہ کوئی تیسرا تو بیچ میں نہیں ہے؟'' عظمیٰ بھابھی نے طنزیہ اور مشکوک لہجے میں کہا تو وہ تڑپ کر بولی۔

''پلیز بھابھی! مجھ پر تہمت مت لگائیں۔ آپ کا بھائی جس قماش کا آدمی ہے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں، اور صائم رحمٰن کے رشتے سے انکار میں صرف اس کی زیادہ عمر کی وجہ سے کر رہی ہوں، اور ایک عمر رسیدہ دولت مند مرد اگر کسی نوجوان لڑکی سے شادی کرتا ہے، تو اس کے پیچھے ضرور کوئی گڑبڑ ہوتی ہے۔''

''کرن بیٹا! صائم رحمٰن انتہائی شریف النفس انسان ہیں۔ میں کئی بار ان سے مل چکا ہوں۔ سب ان کی تعریفیں کرتے ہیں۔ تم ان کے ساتھ خوش رہو گی۔'' نعیم بھائی نے نرمی سے سمجھایا، تو عظمیٰ بھابھی نے تلخ اور تیز لہجے میں کہا۔

''ناشکرے پن کا تو کوئی علاج نہیں ہے، اور نعیم! یہ آپ اس سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ ہم ہاں کر چکے ہیں۔ اس جمعے اس کا سادگی سے نکاح ہوگا، اور ساتھ ہی رخصتی ہو جائے گی۔ آپ

بڑے ہیں اس گھر کے، اس کے باپ کی جگہ پر ہیں۔ اسے آپ کا حکم بلا جھجک ماننا چاہئے۔ آخر ایک دن تو اسے بیاہنا ہی ہے۔ کب تک یہ ہمارے سینے پر مونگ دلتی رہے گی؟''

''عظمیٰ! یہ بچی ہے۔ تم پیار سے نہیں سمجھا سکتیں؟'' نعیم بھائی نے انہیں ڈپٹا۔

''آپ کے لاڈ پیار نے پہلے ہی اسے بہت سر چڑھا دیا ہے۔ اب کیا رشتے سے انکار کر کے ناک کٹوائیں گے؟'' عظمیٰ بھابھی نے اسی لہجے میں کہا۔

''بھابھی پلیز! آپ دونوں آپس میں مت جھگڑیں۔ آپ میرے بڑے ہیں اگر آپ اس رشتے سے خوش ہیں، تو مجھے آپ کی خوشی قبول ہے۔ آپ شادی کی تیاری کریں۔'' کرن نے ہمت کر کے بھیگتے لہجے میں کہا، تو وہ دونوں خوشی سے مسکرا دیئے۔ ''جیتی رہو!'' نعیم بھائی نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔

''دیکھنا! تم بہت خوش رہو گی۔ راج کرو گی صائم رحمٰن کے دل پر، اور اس کے محل نما گھر پر۔ بس کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب تیاری کر لوں گی، اور جانتی ہو صائم رحمٰن نے تمہارا حق مہر پانچ کروڑ مقرر کیا ہے۔ اپنی خوشی سے ہم نے کچھ نہیں کہا تھا۔'' عظمیٰ بھابھی اس کی ہاں سنتے ہی خوشگوار لہجے میں بولیں اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''یہ مجھے نہیں اس دولت کو چوما جا رہا ہے۔ جو میرے طفیل اس گھر میں آ رہی ہے۔ آپ لوگوں نے 25 لاکھ میں میرا سودا کر دیا؟'' کرن نے دل میں کہا۔

''کرن! تم منفی انداز میں کیوں سوچ رہی ہو؟ تم مثبت بھی تو سوچ سکتی ہو کہ تمہاری اس قربانی سے تمہارے بھائی جان کے سر سے معاشی بوجھ کم ہو جائے گا۔ ان کے بچے اعلیٰ اداروں میں تعلیم حاصل کریں گے اور اچھے گھروں میں ان کی بیٹیاں بیاہی جائیں گی۔ ان کے رہن، سہن میں بھی خوشحالی اور بے فکری آ جائے گی۔ اچھا گھر اور گاڑی مل جائے گی اور تمہارے امیر رشتے دار جو اب تمہارے گھر کا رخ نہیں کرتے، وہ بھی تم لوگوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔ ایک قربانی، بس ایک قربانی اور خوشی اپنی ذات کی، اپنے من کی خوشی مار کر تم یہ سب آسائشیں، سہولتیں، آسانیاں اور وقار اپنے بھائی، بھابھی اور ان کے بچوں کو دلوا سکتی ہو، اور زندگی تو ہے ہی دوسروں کے لئے اپنی خواہش، خوشی اور پسند کو تج دینے کا نام۔ یہ تو پھر تمہارے اپنے ہیں اپنوں کے لئے اپنی خوشی کو ختم کر کے تم خسارے میں ہرگز نہیں رہو گی۔'' کرن کے دماغ۔ نے اسے دلیلوں سے سمجھایا، تو وہ کچھ دیر کرسی کی پشت سے سر ٹکائے سکون سے بیٹھی رہی۔ پھر یکا یک اس کے دماغ میں شک، وہم اور اندیشے کیڑوں کی طرح رینگنے لگے۔

"ایک عمر رسیدہ اور بیمار امیرزادہ مجھ سے کس لئے شادی کر رہا ہے؟ اسے میری صورت نے متاثر کیا ہے، یا وہ مجھے اپنے بزنس کا پرزہ بنانا چاہتا ہے۔ یا وہ شوقین مزاج شخص ہے؟ ان بوڑھے امراء کو یوں بھی نئی نئی شادیاں رچانے کا شوق ہوتا ہے۔ دولت کی فراوانی انہیں عیش وطرب میں مبتلا کئے رکھتی ہے۔ مرد کے پاس دولت ہو تو وہ خوبصورت عورت کے حصول کے لئے سب سے پہلے کوشش کرتا ہے، اور جب صائم رحمٰن بیمار ہے تو وہ شادی کیوں کرنا چاہتا ہے؟ اللہ توبہ! مگر مرد، عورت کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ خواہ عمر کا کوئی پہر ہی کیوں نہ ہو، اسے اپنی خدمت گزاری، تابعداری اور دلداری کے لئے ایک عورت ہمیشہ درکار ہوتی ہے۔ میں صائم رحمٰن کے لئے کیا ہوں گی؟ اس کی دولت سے خریدا ہوا ایک ڈیکوریشن پیس یا وہ مجھے واقعی اپنی بیوی کا مقام اور احترام دے گا؟ کہیں وہ مجھے کسی غلط مقصد کے لئے تو استعمال نہیں کرے گا؟ اوہ خدایا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ سوچتے سوچتے وہموں، اندیشوں میں گھری بستر پر لیٹ گئی۔ دماغ تھکن سے چور ہو گیا تو اسے نیند نے آ دبوچا۔

☆......☆......☆

عظیم اور کلثوم بیگم کے دو ہی بچے تھے۔ نعیم احمد اور ان سے نو برس چھوٹی کرن عظیم۔ عظیم احمد محکمہ ڈاک میں ہیڈ کلرک تھے۔ انہوں نے اور کلثوم بیگم نے اپنے پانچ مرلے کے گھر میں رہ کر اپنی قلیل تنخواہ میں دونوں بچوں کو تعلیم دلوائی۔ نعیم احمد نے ریاضی میں ماسٹر کیا تھا اور بڑی تگ و دو کے بعد انہیں ایک مقامی بینک میں ملازمت مل گئی تھی۔ ملازمت ملنے کے ایک سال بعد عظیم احمد اور کلثوم بیگم نے ان کی شادی عظمیٰ افتخار سے کر دی۔ جو کلثوم بیگم کے بھائی افتخار الدین کی بیٹی تھیں۔ ان کے ہاں شادی کے پہلے سال دو جڑواں بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک کا نام انہوں نے آمنہ رکھا اور دوسری کا آصفہ۔ دوسرے سال ان کے ہاں ندیم کی آمد ہوئی اور ان کی فیملی مکمل ہو گئی۔ کرن چونکہ عظیم احمد اور کلثوم بیگم کی اکلوتی بیٹی تھی، اور نعیم احمد کی چھوٹی بہن تھی، اس لئے سب کی لاڈلی اور چہیتی تھی۔ وہ بہت لائق اور ذہین تھی۔ عظمیٰ بھابھی مزاج کی تیز تھیں۔ اس لئے اس سے زیادہ پیار یا لگاوٹ کا مظاہرہ نہیں کرتی تھیں۔ نعیم احمد تو کرن کو بھی اپنے بچوں کی طرح چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عظیم احمد اور کلثوم بیگم کے انتقال کے بعد انہوں نے اسے باپ کی شفقت اور ماں کی محبت کا احساس اپنے رویے سے دلایا تھا۔ آمنہ اور آصفہ دونوں اسکول جانے لگی تھیں اور دونوں ہی کلاس ون میں تھیں۔ کرن نے ان دنوں ایم اے انگلش کا امتحان دیا تھا اور گھر میں اس کی شادی کا ذکر چل نکلا تھا۔ عظمیٰ بھابھی اپنے بھائی غفار سے اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ غفار انڈر میٹرک تھا۔ سارا سارا دن آوارہ دوستوں کے ساتھ موٹر بائیک پر اڑا پھرتا، راہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑتا، سگریٹ اور

شراب پینا اس کے معمول کا حصہ تھا۔ ایک بار وہ کسی لڑکی کا پرس چھیننے کے الزام میں جیل بھی جا چکا تھا۔ عظمیٰ بھابھی اور ان کے والد کا خیال تھا کہ شادی کے بعد وہ "اچھا بچہ" بن جائے گا۔ اسی لئے آئے دن اس کی شادی کرنے کی بات وہ نعیم بھائی سے کیا کرتیں اور کرن دل ہی دل میں ہولا کرتی۔ غفار اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ مگر ہر دوسرے روز درشن کرانے آ جاتا تھا اور اسے کمرے میں بند ہونا پڑتا تھا۔ یہ معاملہ ابھی کسی کنارے نہیں لگا تھا کہ ایک دن نعیم احمد نے گھر آ کر عظمیٰ بھابھی کو صائم رحمٰن کے رشتے کے متعلق بتایا، اور جب انہیں 25 لاکھ روپے، گھر، گاڑی نظر آئے تو وہ فوراً اس رشتے کے لئے راضی ہو گئیں۔ اپنی آسائشوں کا سامان ہوتے دیکھ کر انہیں اپنے آوارہ بھائی میں خامیاں بھی نظر آنے لگی تھیں اور انہوں نے خود ہی اپنی امی کو یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔ کرن کے رشتے کے لئے کہ۔

"امی! میں آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتی۔ غفار بیکار اور بے روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ آوارہ اور لاپرواہ بھی ہے۔ سب جانتے ہیں اس کی حرکتوں کو۔ نعیم اور ان کے مرحوم ماں، باپ نے کرن کو پیار محبت سے پروان چڑھایا ہے۔ بڑے ناز اٹھائے ہیں اس کے، وہ بھلا کرن کو غفار سے کیوں بیاہنے لگے؟ بالفرض اگر کرن کی شادی غفار سے ہو بھی جاتی ہے، تو غفار تو اپنی حرکتوں کی وجہ سے کرن کا جینا حرام کر دے گا، اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ نعیم میرا جینا دوبھر کر دیں گے۔ یہ وٹے سٹے کا چکر چل کر میرا بسا بسایا گھر بھی برباد کر دے گا، اور کرن کی زندگی بھی برباد کر دے گا اور لوگ الگ باتیں بنائیں گے کہ بھاوج نے نند سے دشمنی نبھائی ہے۔ اپنے آوارہ بھائی سے بیاہ کر ایک معصوم لڑکی کی زندگی خراب کر دی ہے۔ اسی لئے میری طرف سے تو آپ انکار ہی سمجھیں اور نعیم بھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں سننا چاہتے۔ کرن کے تو کئی بہت اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں۔ اب دیکھیں نعیم کس کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں۔ آپ غفار کو سمجھائیں۔ اپنی حرکتوں سے باز آ جائے۔ کوئی کام دھندہ کرے، ایسے آوارہ اور بے کار شخص کو تو ساری زندگی کوئی باپ اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں دے گا۔" اور عظمیٰ بھابھی کی والدہ ان کی باتیں سن کر قائل ہو گئیں، اور چپ کر گئیں کیونکہ انہیں عظمیٰ بھابھی کا گھر تو بہر حال ہنستے بستے آباد ہی دیکھنا تھا، اور کرن کا صائم رحمٰن کے رشتے کو قبول کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ غفار جیسے غلط عادات وحرکات کے مالک شخص سے بچنا چاہتی تھی۔

صائم رحمٰن نے شادی بہت سادگی سے کرنے کا کہا تھا۔ کیونکہ اسے اپنی عمر کا بھی احساس اور لوگوں کی باتوں کی بھی پرواہ تھی۔ نعیم بھائی نے صرف عظمیٰ بھابھی کے گھر والوں کو اس شادی کی تقریب نکاح میں مدعو کیا تھا۔ غفار کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس لئے وہ نہیں آ سکا تھا، اور نہ ہی اسے

کرن کی شادی کا علم تھا۔ عظمیٰ بھابھی نے اپنے امی، ابو اور چھوٹے بھائی ابرار کو ساری بات بتا دی تھی کہ صائم رحمٰن انہیں اس شادی کے بدلے میں گھر، گاڑی، پر کشش تنخواہ والی ملازمت اور کیش رقم دے رہا تھا۔ لہٰذا اس شادی پر صائم رحمٰن کی زیادہ عمر پر کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ ان کے گھر کی بیٹی نے ہی عیش کرنی تھی۔ وہ تو یہ سن کر الٹا خوش ہوئے تھے۔

جمعے کی شام صائم رحمٰن اپنے چند دوستوں اور ان کی بیگمات کے ساتھ آئے۔ دلہن کے روپ میں غضب ڈھاتی کرن کو نکاح کر کے اپنے ہمراہ ''صائم ولا'' لے گئے۔

''صائم ولا'' کسی محل سے کم خوبصورت نہیں تھا۔ صائم کے دوست کی بیگم نے کرن کو صائم کے کمرے میں پہنچا دیا۔ کمرہ کیا تھا، جدید اور خوبصورت آسائش کی ہر چیز سے مزین ایک جنت کا ٹکڑا تھا۔ جہازی سائز کا خوبصورت بیڈ، اس سے ہم آہنگ وارڈ روب اور ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ ایک طرف جدید طرز کا چھوٹا صوفہ سیٹ رکھا تھا۔ ٹی۔وی، ڈیک، جدید اور نئے ڈیزائن کی سجاوٹی اشیاء، خوبصورت پردے، قالین ایسا کہ پاؤں اندر دھنستے چلے جائیں۔ کرن تو حیرت سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

''گھر اور کمرہ تو بہت شاندار ہے۔ اللہ کرے کہ میرا شوہر نامدار بزرگوار بھی سراپا پیار اور شاندار ہی ہو۔ پتہ نہیں بڑے میاں ابھی تک آئے کیوں نہیں؟'' کرن نے اپنے دل میں کہا۔

''اوں......ہوں......کرن! بڑے میاں نہیں، میرے میاں کہو۔ وہ جیسے بھی ہیں۔ اب تمہارے شوہر ہیں، اور تم بیوی ہو ان کی اور ان کا احترام تم پر لازم ہے۔'' اس کے دماغ نے اسے سرزنش کر کے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے دل میں بولی۔

''یہ تو انہیں دیکھ کر ہی طے ہوگا کہ ان کا کتنا احترام مجھ پر لازم ہے؟'' کمرے کا دروازہ کھلنے کی آہٹ پر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ دل کو خوامخواہ ایف سولہ کی رفتار سے بھاگنے کا شوق چرا رہا تھا، اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا دل پسلیوں کی سرحد عبور کرتا ہوا دشمن کے علاقے میں جا گرے گا۔ کس دشمن کے؟ یہ اسے خود بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں تو اپنے شوہر بزرگوار کے کھانسنے کی آواز آ رہی تھی۔

''لو جی! بڑے میاں! آئے کھانسی ساتھ لائے۔'' اس نے دل میں کہا۔

''تم......! تھک تو نہیں گئیں کرن!'' کانپتی، لرزتی، بوڑھی آواز اس کے کان میں پڑی تو اس نے دل میں جواب دیا۔

''بڑے میاں! میری نہیں اپنی فکر کریں۔ تھکن سے آپ کی حالت یہ ہو رہی ہے کہ بس

ابھی ڈھیر ہوئے۔''

''دراصل! موسم سرد ہو گیا ہے ناں۔ اسی لئے مجھے کھانسی ہونے لگی ہے۔'' وہ اپنی کھانسی کو موسم کے سر منڈتے ہوئے بولے۔ تو اس نے بمشکل اپنی ہنسی اور مسکراہٹ ضبط کی، اور ذرا سی نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا سفید شلوار اور شیروانی میں ہاتھ میں اسٹک پکڑے سفید اور سرمئی داڑھی مونچھوں اور سر کے گھنے سرمئی مائل سفید بالوں میں صائم رحمٰن آنکھوں پر گولڈن فریم کا چشمہ لگائے اسے گریس فل۔ مگر ماہر نفسیات کے پروفیسر دکھائی دیئے۔ اس نے ان کا جائزہ لینے کے بعد نگاہ جھکا لی۔

''تو یہ ہیں ارب پتی صائم رحمٰن! میری زندگی کے ساتھی۔ چلو یوں ہی سہی ایک بزرگ کی خدمت کرنے کا ثواب تو مل ہی جائے گا مجھے۔'' کرن نے دل میں کہا اس کے دل میں کوئی لطیف جذبہ یا احساس نہیں جاگا تھا۔ دل جو دھڑک دھڑک کر بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ صائم رحمٰن کو دیکھنے کے بعد وہ بھی اپنی حد میں واپس آ گیا۔

''جس شخص کا اپنا دل بند ہونے کے قریب ہو۔ اسے دیکھ کر کسی کا دل کیا خاک دھڑکنا سیکھے گا؟'' کرن نے دل میں کہا۔ مگر زبان مسلسل بند تھی۔

''تم گونگی تو نہیں ہو؟'' صائم رحمٰن نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے ہانپتی، کانپتی آواز سے کہا، تو اس نے ایک دم سے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے وضاحت کرنے لگے۔

''بھئی! تم بول جو نہیں رہیں۔ اس لئے مجھے شبہ ہوا۔''

''آپ کھانستا بند کریں گے تو میں کچھ بولوں گی ناں۔'' کرن نے دل میں ہی کہا۔ زبان کھلتے کھلتے رہ گئی تھی۔

''میں ذرا اپنی دوا لے لوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولے اور کھانستے ہوئے چلے گئے۔

''لو بیٹھے ہی کیوں تھے؟ اب دس سال اٹھنے میں لگا دیں گے بڑے میاں!'' دل کی آواز سن سکتے تو ابھی سے برتن کھڑکنے شروع ہو جاتے۔

''اپنا کمرہ پسند آیا تمہیں؟'' صائم رحمٰن نے کھڑے ہو کر اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''اپنا کمرہ یا دولہا!'' اس نے دل میں سوال کیا۔

''کمرہ برا بھی ہو تو خیر ہے۔ کمرے کا مکین اچھا ہونا چاہئے۔'' کرن نے پہلی بار اپنی دلکش آواز کا جادو ان کے سامنے جگایا۔ تو وہ دھیرے سے ہنس دیئے۔

''ٹھیک کہا تم نے، میں عمر کے اس حصے میں ہوں۔ جہاں انسان کو بہت توجہ، پیار اور

اپنائیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں شاید تمہاری عمر کا ساتھ نہ دے سکوں، لیکن تم میرا ساتھ ضرور دینا۔''

''جی!'' اس نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

''یہ مجھے اپنے ساتھ اللہ میاں کے پاس لے جانے کی تمنا تو نہیں کر رہے؟'' اس نے دل میں سوچا۔

''میرا مطلب ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں، میرا ساتھ نبھانا۔''

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ میں آپ سے پہلے زندگی کا ساتھ چھوڑ جاؤں۔'' کرن نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے اپنے دلکش مدھم لہجے میں کہا۔

''نہیں! نہیں! ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے؟'' وہ سر ہلا کر بولے، اور دراز کھولنے لگے۔

''اور کیا دیکھنے کو باقی ہے۔ آپ کو نظر اٹھا کر دیکھ لیا۔'' اس نے شعر کو اپنی طرف سے ردو بدل کر کے پڑھا۔ تو وہ ہنسنے لگے اور ہنستے ہنستے کھانسنے لگے۔

''تم کو ابھی بہت جینا ہے کرن ڈارلنگ!'' وہ کھانستے ہوئے بولے۔

''بوڑھے منہ سے ڈارلنگ خاصا ڈراؤنا لگتا ہے۔ اب انہیں کون سمجھائے؟'' کرن نے دل میں کہا اور سنجیدگی سے بولی۔

''دادا کے سامنے جوان پوتا اور باپ کے سامنے بیٹا مر جاتا ہے۔ یہ تو تقدیر کا لکھا ہوتا ہے۔ اس میں عمر کی کمی یا زیادتی نہیں دیکھی جاتی۔ موت کا جب جس پر دل آ جاتا ہے۔ اسے وہ اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔''

''بس! یہ تم اس عمر میں ایسی مرنے کی باتیں مت کرو۔'' وہ کھانستے ہوئے بولے۔ گولی کھانے کے لئے پانی کا گلاس اٹھایا تو وہ ان کے لرزتے ہاتھوں سے پھسل کر دراز سے ٹکرا کر کارپٹ پر جا گرا۔ پانی ان کی شیروانی اور قالین کو بھگو گیا۔ کرن نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ بری طرح کانپ رہے تھے۔ چھڑی بھی گر چکی تھی۔

''یہ سردی سے کانپ رہے ہیں۔ یا کھانسی اور عمر رسیدگی ہے؟'' اس نے سوچا اس وقت صائم رحمٰن دھڑام سے دراز پر جا گرے۔

''ہائے اللہ!'' کرن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ نئی نویلی دلہن تھی۔ بھاری بھرکم عروسی جوڑے اور زیورات سے لدی پھدی وہ اس استقبال پر حیران تھی۔

''اٹھو کرن بی بی! اب تو تمہیں ہی اس بیمار کو سنبھالنا ہے۔ کون سی دلہن اور کیسی دلہن؟ یہ

ہے تمہاری سہاگ رات۔ جس میں تمہارا شوہر تمہاری دلداری نہیں کرے گا۔ بلکہ تم سے اپنی تیمارداری کرائے گا۔ چلو جو قسمت جو نصیب۔'' کرن نے دل میں کہا اور اپنا بھاری شرارہ سنبھالتی ہوئی بیڈ سے نیچے اتر آئی، اور اوندھے منہ گرے ہوئے صائم رحمٰن کے بازوؤں کو پکڑ کر انہیں اٹھانے لگی۔

''اٹھیئے! بیڈ پر بیٹھیں میں آپ کو دوا دیتی ہوں۔'' اس نے آہستگی سے کہا، تو وہ اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو پھیلا کر اٹھنے لگے، اور کرن کو لگا کہ ان کے اٹھنے سے وہ بیٹھ جائے گی۔ ان کا وزن اچھا خاصا تھا۔ وہ بمشکل تمام انہیں بیڈ پر بٹھا سکی تھی۔ اس کا تو اپنا سانس پھول گیا تھا۔

''میری شیروانی اتارو!'' وہ ہانپتے ہوئے بولے۔

''کھال نہ اتاروں!'' کرن نے دل میں کہا۔

''دم گھٹ رہا ہے اس شیروانی میں۔'' صائم رحمٰن نے کہا۔

''آکسیجن لگوا لینی تھی۔'' اس کی زبان سے پھسلا۔

''ہوں......!'' وہ چونکے پھر ہنسنے لگے۔

''کھانسی کا ساتھ تھا تو ضرورت کیا تھی شیروانی میں پیک ہونے کی؟'' وہ شیروانی اتارتے ہوئے دل میں بولی، اور شیروانی اتار کر کرسی پر رکھ دی۔ اتنی دیر میں وہ لیٹ گئے جوتوں سمیت۔

''چل کرن بی بی! شادی کی پہلی رات ہی شوہر کے جوتے اتار اور مار اپنے سر پر۔'' اس نے خود سے گفتگو جاری رکھی اور ان کے جوتے، جرابیں اتار کر بیڈ کے نیچے رکھ دیئے۔ واش روم اور ڈریسنگ روم کا راستہ صائم رحمٰن کے دوست کی بیگم رخسانہ اسے دکھا ہی گئی تھیں۔ سو وہ پہلے واش روم میں گئی۔ ہاتھ دھوئے پھر ڈریسنگ روم میں چلی آئی۔

''کرن صائم رحمٰن! تمہارے دولہا میاں کو تمہارے اس رنگ روپ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بوجھ اپنے بدن سے اتار کر ہلکی پھلکی ہو جاؤ۔'' کرن نے آئینے میں اپنا حسین سراپا دیکھتے ہوئے خود سے کہا اور اپنے سوٹ کیس میں ایک سادہ سا شلوار قمیض دوپٹہ نکالا اور زیورات اور لباس اتار کر پہن لیا۔ بالوں میں سے پنیں نکال کر برش پھیرا۔ ہاتھوں کو دیکھ کر خود ہی ہنس پڑی۔ کیسا گہرا سرخ رنگ چڑھا تھا اس کے ہاتھوں پر حنا کا۔ اس نے سنا تھا کہ جس لڑکی کے ہاتھوں پر سہاگ کی مہندی کا رنگ گہرا سرخ چڑھتا ہے۔ اسے سسرال بہت اچھا ملتا ہے، اور اس کا شوہر اسے دل و جان سے چاہتا ہے۔ کرن کو اس وقت یہ بات محض مبالغہ آرائی اور لطیفہ لگی۔ وہ واپس کمرے میں آئی تو صائم رحمٰن کو بے سدھ و بے حس و حرکت لیٹا دیکھ کر گھبرا گئی، اور تیزی سے بیڈ کی اسی جانب آئی جہاں وہ لیٹے ہوئے تھے۔

''سنیئے! صائم! پلیز! آنکھیں کھولیں۔'' اب کی بار اس نے ان کا شانہ پکڑ کر ہلایا تو انہوں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور اسے دیکھ کر بولے۔

''ہاں! کہو......!''

''آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟''

''ہاں! ہاں میں ٹھیک ہوں۔ مجھے نیند آ رہی ہے، تم سو جاؤ۔''

''نیند خود کو آ رہی ہے اور سو میں جاؤں۔ میری تو نیندیں اڑا دی ہیں بڑے میاں نے۔'' اس نے دل میں کہا۔

''لیٹنے سے پہلے لائٹ آف کر دینا۔'' صائم نے مدھم آواز میں کہا۔

''مجھے اندھیرے میں ڈر لگے گا۔'' اس نے بہانہ بنایا۔

''ڈر کیسا بھئی! میں ہوں نا تمہارے پاس۔''

''تم سے ہی تو ڈر لگے گا۔'' کرن نے دل میں کہا اور خاموشی سے بیڈ کے دوسری سائیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''ارے بھئی! لائٹ آف کر دو کرن! تمہارے وجود کی روشنی ہی بہت ہو گی اس اندھیرے میں۔'' صائم رحمٰن نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''ارادے کیا ہیں بڑے میاں؟'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور بٹن بورڈ ڈھونڈنے کے بعد لائٹ کا بٹن آف کر دیا، اور بے پاؤں جگہ پہ آئی، آہستگی سے اپنا تکیہ اور کمبل اٹھایا اور صوفے پر سونے کے لئے چلی آئی۔

''اب بڑے میاں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں ماریں گے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سوچا اور صوفے پر تکیہ رکھ کر لیٹ گئی۔ کمبل اچھی طرح اپنے اوپر اوڑھ لیا۔

''تو کرن عظیم! یہ تھی تمہاری شادی کی پہلی رات۔ جس میں نہ کوئی رنگ بکھرا، نہ خوشبو نے پر پھیلائے، نہ دھڑکنوں میں انتشار برپا ہوا، نہ حیا کی سرخی نے تمہارے چہرے کا احاطہ کیا، نہ چوڑیوں کی کھنک نے کسی کے دل میں جذبوں کی کھنک پیدا کی اور نہ ہی تمہارے اس حسین و دلکش وجود پر کسی کی نگاہ التفات گئی۔ یہ تھی تمہاری شادی کی پہلی رات، بناء کسی رومینس کے جو تمہاری زندگی میں آئی اور تمہاری حالت پہ ہنستی ہوئی رخصت ہو گئی۔ آغاز یہ ہے تو انجام خدا جانے۔ چلو میں جس بھی حال میں رہوں۔ بھائی اور بھابھی خوشی سے نہال اور دولت سے مالا مال ہو گئے ناں۔'' کرن نے دل میں سوچا اور آنکھیں موند لیں۔

اس عجیب شب کی صبح بھی عام سی تھی۔ کرن فجر کی نماز ادا کر کے کچھ دیر بستر میں لیٹی رہی۔ صائم رحمٰن ابھی تک بے خبر سو رہے تھے۔ اس نے بھی انہیں جگانا ضروری نہیں سمجھا، اور جب وال کلاک نے ساڑھے سات بجائے تو وہ اٹھی اور کمبل اور تکیہ بیڈ پر رکھ کر باہر نکل آئی۔ عالیشان ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے اسے یوں لگا جیسے وہ کسی بادشاہ کے شاہی محل میں چہل قدمی کر رہی ہو۔ باہر بہت خوبصورت لان تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی باہر آ گئی اور پھولوں کلیوں کو دیکھ کر خوش ہونے لگی۔ سورج اپنی نرم گرم کرنیں زمین پر بکھیر رہا تھا۔ وہ باغ میں کافی دیر سیر کرنے کے بعد اندر چلی آئی۔ ایک جانب سے اسے کھڑ کھڑ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ آوازوں کے تعاقب میں چلتی ہوئی جس جگہ پہنچی وہ باورچی خانہ تھا۔ جہاں کک اور ملازمہ ناشتے کی تیاری میں مصروف نظر آ رہے تھے، اور باورچی خانہ انتہائی وسیع اور جدید طرز کا بنا ہوا تھا۔ کرن تو اتنا شاندار کچن دیکھ کر ہی حیران ہو رہی تھی۔ حیران تو وہ واش روم دیکھ کر بھی ہوئی تھی۔ جس میں قیمتی ٹائلز اور جدید اور قیمتی سینیٹری کا سامان لگا ہوا تھا، اور اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ۔

''اتنا خوبصورت واش روم دیکھ کر تو استعمال کرنے کو ہی جی نہیں چاہے کہ کہیں یہ میلا نہ ہو جائے۔''

''السلام وعلیکم! بیگم صاحبہ!'' ملازمہ نے اسے باورچی خانے میں دیکھ کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیا نام ہے تمہارا؟'' کرن نے درمیانی عمر کی سانولی اور صحت مند عورت کو دیکھتے ہوئے پوچھا، تو اس نے اپنا نام بتانے کے ساتھ ہی کک کا تعارف بھی کرایا۔

''کبریٰ! نام ہے جی میرا، اور یہ میرا خاوند ہے اسلم!''

''سلام بیگم صاحبہ!'' اسلم نے بھی اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم والسلام! اچھا یہ بتاؤ کہ صاحب ناشتے اور کھانے میں کیا چیز شوق سے کھاتے ہیں؟''

''وہ تو جی سبھی کچھ شوق سے کھاتے ہیں۔ کبھی کبھی فرمائش کر کے کچھ پکوا لیتے ہیں۔ ورنہ جو ہم پکا دیں وہ خوشی خوشی کھا لیتے ہیں۔'' کبریٰ نے بتایا۔ ساتھ ساتھ وہ انڈا پھینٹ رہی تھی۔

''پرہیز نہیں کرتے؟''

''کہاں؟ بیگم صاحبہ! وہ کہتے ہیں کہ مرتو پرہیز کر کے بھی جانا ہے۔ پھر کیوں نہ سب کچھ کھایا جائے۔'' کبریٰ نے ہنس کر جواب دیا۔

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟''

''ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہمارا بڑا ہی چٹورا مریض ہے۔ جسے اپنی صحت سے زیادہ کھانے کی

فکر رہتی ہے، اور صاحب جی کہتے ہیں کہ میں کس کے لئے احتیاط اور پرہیز کروں؟ میرا کون سا کوئی اپنا ہے؟ جو میرے مرنے پر آنسو بہائے گا؟ میں ڈاکٹروں سے اس لئے معائنہ کرالیتا ہوں کہ ان کی روزی روٹی بھی چلتی رہے اور خود ان کے مشورے اور نسخے پر اس لئے عمل نہیں کرتا کہ میری بھی سانس چلتی رہے۔'' اسلم نے تفصیل سے بتایا۔

''انٹرسٹنگ!'' وہ مسکرا دی۔

''ویسے بیگم صاحبہ! اب تو آپ آ گئی ہیں۔ اس گھر میں آپ ہی صاحب کو سمجھائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی بات مان لیں اور اپنا خیال رکھنے لگیں۔'' کبریٰ نے کہا تو وہ سر ہلا کر بولی۔

''ہوں......! وہ اب میری ذمہ داری ہیں۔ تم بتاؤ ناشتے میں کیا دیر ہے؟''

''نہیں جی! ناشتہ تو تیار ہے۔ آپ چلیں صاحب بھی جاگ گئے ہوں گے۔ میں ناشتہ آپ کے کمرے میں ہی پہنچا دوں گی۔''

کبریٰ نے چائے کی کیتلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ وہاں سے بیڈروم میں آئی تو صائم رحمٰن کو واش روم سے نکلتے دیکھا، وہ دیوار کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آ رہے تھے۔ اس پر نظر پڑی تو بولے۔

''کرن! میری چھڑی پکڑا دو ذرا، رات نجانے کدھر گری تھی مجھے ملی نہیں۔''

''چھڑی چھوڑیں! آپ میرا ہاتھ پکڑ لیں۔ آئیں!'' اس نے کچھ سوچ کر ان کے پاس آتے ہوئے کہا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میں نے اسٹک کا کہا تھا۔''

''میرے ہوتے ہوئے آپ کو اسٹک کی کیا ضرورت ہے؟''

''تم میری بیساکھی یا چھڑی نہیں ہو۔ جو سہارا دیتی ہے، تم میری بیوی ہو۔'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے صوفے کی جانب بڑھنے لگے۔

''اور میاں، بیوی ہی ایک دوسرے کا اصل سہارا ہوتے ہیں۔ بیٹھیے!'' اس نے انہیں صوفے کے قریب لا کر بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔

''تم نے نئے کپڑے اور زیور نہیں پہنے؟ بھئی! تمہاری شادی کا پہلا دن ہے آج، اور ایک دن کی دلہن ہو یا ایک ماہ کی۔ وہ تو ہر روز دلہن کی طرح تیار ہوتی ہے۔ چلو تیار ہو کر آؤ۔'' صائم رحمٰن نے اس کے سادہ مگر بے حد پرکشش سراپے پر نگاہ جما کر اسے دیکھتے ہوئے کہا، تو وہ دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''تیار بھی ہو جاؤں گی۔ پہلے ناشتہ تو کر لوں، کون سا ہم نے کہیں جانا ہے۔''

''تم اپنے بھائی کے گھر جانا چاہو، تو ڈرائیور کے ساتھ جا کر مل آؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' صائم رحمٰن نے اسے دیکھتے ہوئے کھانس کر کہا۔

''مگر مجھے اعتراض ہے۔'' اس نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کبریٰ دروازے پر دستک دے کر اجازت ملنے پر ناشتے کے لوازمات سے سجی ٹرالی کھینچتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو وہ خاموش ہو گئی۔

''تمہیں کس بات پر اعتراض ہے؟'' کبریٰ کے جانے کے بعد انہوں نے خود ہی پوچھ لیا۔

''اس بات پر کہ آپ مجھے ڈرائیور کے ساتھ میکے بھیج رہے ہیں۔ حالانکہ آپ کو خود میرے ساتھ جانا چاہئے۔'' اس نے آملیٹ ان کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میں تمہارے ساتھ گھر سے باہر جاؤں گا تو لوگ تمہیں میری بیوی نہیں بیٹی سمجھیں گے، اور طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ میری تو خیر ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ تمہیں لوگوں کی فضول باتیں سننا پڑیں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ بات تو آپ کو مجھ سے شادی کرنے سے پہلے سوچنا چاہئے تھی۔'' کرن نے ایک نظر انہیں دیکھ کر اپنے لئے سلائس اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں مگر تم نے تو میری سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ہی سلب کر لی تھیں۔ پھر دل کی بے قراری نے تمہیں اپنا لینے کی جو ضد باندھ لی تھی۔ اس نے ایسا کچھ سوچنے ہی نہیں دیا۔'' وہ ناشتے کے لئے پلیٹ پر جھکتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ نے مجھے کہاں دیکھا تھا؟'' یہ سوال جو اس کے دماغ میں کب سے کلبلا رہا تھا اس کی زبان پر آ ہی گیا۔

''کمرۂ امتحان میں! تمہارے حال ہی میں پیپرز ختم ہوئے ہیں ناں! میں وہاں اپنے ایک دوست کے ساتھ گیا تھا۔ وہ انسپکشن کے لئے وہاں گیا تھا۔ تو مجھے بھی ساتھ لے گیا۔ وہیں میں نے تمہیں پیپر حل کرتے دیکھا تھا اور بس دیکھتا رہ گیا تھا۔ تمہارا سادہ مگر حسین، معصوم چہرہ اور مصروف انداز بجلی کی سی تیزی سے میرے اندر اترتا چلا گیا تھا۔ جب تم اپنے حاضری کے پیپر پر دستخط کر رہی تھیں۔ تب میں تمہارے پیچھے ہی کھڑا تھا اور میں نے تمہارا نام، رول نمبر اور ولدیت نوٹ کر لی تھی، اور اسی وقت تمہارا ایڈریس بھی معلوم کر لیا تھا۔ پھر میں نے تمہارے بھائی سے رابطہ کیا اور یہ سارا سلسلہ طے پا گیا۔'' صائم رحمٰن نے ناشتہ کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر اسے ساری تفصیل سے آگاہ کیا۔

''آپ نے بھائی جان کو اتنی مراعات کیوں دیں؟ پچیس لاکھ روپے کیوں دیئے؟ آپ ان سب چیزوں کے بغیر بھی تو میرا رشتہ مانگ سکتے تھے۔'' کرن نے نوالہ منہ میں رکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

''اس طرح مجھے تمہارا رشتہ ملتا نہیں۔ کیونکہ میری معلومات اور تمہارے بھائی جان کی باتوں کے مطابق تمہاری اکھڑ مزاج بھابھی اپنے آوارہ بھائی سے تمہاری شادی کرنا چاہتی تھیں۔ ایسے میں میری دال نہیں گلنی تھی۔ سو میں نے تمہیں اس غفار سے بچانے کے لئے بھابھی کا منہ بند کرنے کے لئے یہ سب کچھ تمہارے گھر والوں کو آفر کیا تھا۔ اس طرح تمہاری بھابھی کا منہ بھی بند ہو گا۔ گھر میں ہر وقت کی تو تو میں میں کا امکان بھی نہ رہا اور تمہیں بھی......!'' وہ کھانسنے کے لئے رکے اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔

''اس آوارہ غفار سے نجات مل گئی۔ تمہارے بھائی جان تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ اس رشتے کے لئے بڑی مشکل سے راضی ہوئے تھے۔ میں نے انہیں قائل کر ہی لیا تھا اور تمہارے گھر والے تنگی کی زندگی بسر کریں یہ بھی مجھے گوارہ نہیں تھا۔ سو اس لئے بھی یہ سب کرنا پڑا۔''

''آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟'' کرن نے ان کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''کی تو ہے...... تم سے۔''

''آئی مین! اپنی جوانی کی عمر میں شادی کیوں نہیں کی؟''

''پیسہ کمانے سے فرصت ہی نہیں ملی۔''

''آپ کو تو پیسہ خرچ کرنے کی فرصت بھی نہیں ملی شاید۔'' کرن نے کہا تو وہ ہنسنے لگے۔

''اب تم تو آگئی ہو ناں! تم دل کھول کر پیسہ خرچ کرنا۔ یہ سب کچھ اب تمہارا ہی تو ہے۔''

''مجھے اس سب کچھ سے نہیں آپ سے غرض ہے۔ کہ آپ میرے ہیں یا نہیں؟'' کرن نے جوس پیتے ہوئے کہا۔

''اب تو میں تمہارا ہی ہوں۔'' وہ ہنس کر بولے۔

''میرے ہیں تو میری بات بھی مانیں اور وہ یہ کہ ڈاکٹرز کے مشورے پر عمل کریں اور پرہیز کریں۔''

''او کم آن بے بی! مجھے ان چیزوں سے سخت الجھن ہوتی ہے، اور اب تو تم میرے پاس آ گئی ہو۔ اب تو مجھے کسی دوا اور پرہیز کی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' صائم رحمٰن نے اسے بہت گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ لو اس میں بیس ہزار روپے ہیں رکھ لو تمہارے کام آئیں گے۔'' صائم رحمٰن نے اپنے بریف کیس میں سے ایک لفافہ نکال کر اس کی جانب بڑھا کر کہا۔ اس نے خاموشی سے وہ لفافہ لے کر سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دیا۔

''تم اگر میکے جانا چاہو تو......''

''میں آپ کے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ ناشتے کے برتن سمیٹتے ہوئے ان کی بات کاٹ کر بولی، اور انہیں حیرت میں ڈال کر ٹرالی گھسیٹتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ دن جیسے تمام ہوا۔ صائم رحمٰن نے اسے ''صائم ولا'' کا گوشہ گوشہ دکھایا۔ ملازموں کا تعارف کرایا۔ اپنے خاندان کے متعلق بتایا۔ جس کے مطابق وہ اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھے۔ شادی کی نہیں تھی سو تنہا تھے۔ ان کا بزنس وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔ فیکٹریاں، زمینیں، ملٹی نیشنل کمپنی میں شیئرز، فارم ہاؤسز وغیرہ اور ایک فلاحی مرکز بھی انہوں نے اپنی مرحومہ ماں فاطمہ کے نام پر کھول رکھا تھا۔ جہاں بے سہارا خواتین کو باعزت روزگار دینے کے علاوہ یہ ادارہ خواتین اور بچے، بچیوں کے مفت علاج کا بندوبست بھی کرتا تھا۔ صائم رحمٰن کی ذات کا یہ پہلو کرن کو بہت پسند آیا۔ وہ ان کی انسان دوستی سے بہت متاثر ہوئی اور خود انہوں نے اس کے گھر والوں کو جو رقم جو مراعات دی تھیں، اور جس عقلمندی سے عظمیٰ بھابھی کا فیصلہ بدلہ تھا۔ ان کے اور نعیم بھائی کے سکون کا خیال رکھا تھا۔ یہ جان کر اس کے دل میں ان کے لئے عزت و احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اور اب سب کچھ سن کر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ صائم رحمٰن کے ساتھ ایک اچھی اور خدمت گزار، وفا شعار بیوی بن کر رہے گی۔ وہ صائم رحمٰن جو کل تک اس کے لئے اجنبی تھے۔ مگر نکاح کے تین بول اسے ان کے ساتھ ایک بہت مضبوط رشتے میں باندھ کر اس اجنبیت کو ختم کرنے کی راہ ہموار کر گئے تھے۔ وہ عصر کی نماز ادا کر کے ڈرائنگ روم میں آئی، تو دروازے سے ایک اونچا لمبا نوجوان داخل ہوا۔ تھری پیس سوٹ پہنے ہونٹوں پر عجیب پُراسراری مسکراہٹ سجائے۔ وہ اسے تیس بتیس سے زیادہ کا نہ لگا۔

''ہائے!'' آنے والے نے کرن کو دیکھتے ہی کہا۔

''السلام وعلیکم!'' کرن نے مہذب انداز میں سلام کیا۔

''او...... دیسی اسٹائل!'' وہ ہنسا۔

''دیسی نہیں! اسلامی اسٹائل!''

''خوب...... بہت خوب! تو آپ ہیں مسز کرن صائم رحمٰن!'' وہ مسکراتا ہوا چلتے چلتے اس کے سامنے آ کر رکتے ہوئے بولا۔

"جی...... ! آپ کی تعریف؟"

"آپ کریں گی تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"میں بھلا آپ کی تعریف کیوں کروں گی؟ جبکہ میں آپ کو جانتی تک نہیں ہوں۔"

"تو اب جان لیجئے۔ مجھے وقاص عرف وکی کہتے ہیں۔ میں صائم انکل کے بزنس کو لک آفٹر کرتا ہوں۔ لیجئے تعارف میں نے کروا دیا ہے۔ اب تعریف آپ کر دیجئے!" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس تعارف میں کوئی قابل تعریف بات تو نہیں بتائی آپ نے، اور تعریف کے لئے نام کا نہیں اچھے اور اعلیٰ کام کا ہونا اور جاننا ضروری ہوتا ہے مسٹر!" کرن نے اسے دیکھتے ہوئے بہت پراعتماد لہجے میں کہا۔

"وکی!"

"وہ آپ دوسروں کے لئے ہوں گے۔ میرے لئے تو صرف آپ ایک اجنبی ہیں، اور میرے شوہر کے ملازم ہیں۔" کرن نے صوفے پر بیٹھ کر میگزین اٹھاتے ہوئے کہا۔

"واہ! صاحب واہ! خوب ہاتھ مارا ہے۔ صائم انکل! نے میں تو سمجھا تھا کہ صائم انکل اپنے لئے کسی مطلقہ یا بیوہ کا انتخاب کریں گے۔ مگر انہوں نے تو ہم جوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ ہمیں اس جوانی میں آپ جیسی حور شمائل اور پری پیکر لڑکیاں کیا ایک لڑکی تک نہیں ملی، اور انکل نے اپنی عمر کے آخری پہر میں آپ کو نجانے کس حسینوں کے دیس سے برآمد کر لیا ہے۔ کہاں آپ حسن و جمال کا پیکر اور کہاں صائم رحمٰن بیمار اور لاغر۔ آپ کا اور ان کا کوئی جوڑ نہیں بنتا، یہ تو ایسے ہی ہے۔ جیسے حور کے پہلو میں لنگور اور وہ بھی بوڑھا۔" وکی نے اس کے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے طنز کیا۔

"جسٹ شٹ اپ!" وہ غصے سے بولتی کھڑی ہوگئی۔

"شرم نہیں آتی آپ کو؟ ایک طرف تو آپ صائم کو انکل کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف ان کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ وہ جیسے بھی ہیں میرے شوہر ہیں اور جب وہ مجھے دل سے قبول ہیں، تو آپ کون ہوتے ہیں ہمارے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے والے؟"

"میں نے کون سا غلط کہا ہے؟ آپ ذرا اپنے بڑے میاں کے ساتھ گھر سے باہر نکل کر دیکھیں۔ لوگ آپ کو صائم رحمٰن کی بیوی نہیں بیٹی یا پوتی سمجھیں گے، اور اگر آپ اپنا اور صائم انکل کا رشتہ لوگوں پر ظاہر کریں گی، تو لوگ آپ کا مذاق اڑائیں گے اور وہی کچھ کہیں گے جو ابھی میں نے

کہا ہے۔ بلکہ لوگ تو اس سے بھی زیادہ کہیں گے، کہ دولت کے لالچ میں بوڑھے بیمار شخص سے بیاہ رچا لیا خوبصورت حسینہ نے۔"

"وہ لوگ بھی یقیناً آپ کی طرح عامیانہ اور سطحی سوچ کے مالک ہوں گے۔" کرن نے غصے سے کہا۔

"دیکھئے میں!" اس نے غصے سے انگلی اٹھا کر کچھ کہنا چاہا۔ مگر کرن نے اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

"آپ اپنی زبان منہ میں بند ہی رکھیں تو بہتر ہے۔ صائم سے ملاقات کی خواہش ہے تو چپ چاپ بیٹھ جائیے۔ میں انہیں اطلاع کر دیتی ہوں۔"

"اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صائم انکل! خود ہی آ گئے ہیں۔" وکی نے سامنے اس کے عین پیچھے دروازے سے اندر آتے صائم رحمٰن کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

"آؤ وکی! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ صائم رحمٰن نے اسے دیکھتے ہوئے اسٹک کے سہارے صوفے تک آتے ہوئے کہا۔

"انکل! آپ تو چھپے رستم نکلے ہیں۔ ہمارے لئے آپ نے آنٹی تو بہت ینگ، پریٹی اور اسمارٹ تلاش کی ہے۔" وکی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیئے، اور کرن کا خون کھولنے لگا، اس کا دل چاہا کہ اس شخص کا منہ نوچ لے۔

"تم جانتے ہو برخوردار! کہ صائم رحمٰن نے کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"کیا...... سودا؟ آپ نے میرا سودا کیا ہے صائم؟" کرن کو ایسا لگا۔ جیسے انہوں نے بھرے بازار سے اس کے سر سے چادر کھینچ لی ہو۔ اس نے تڑپ کر ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بھئی! جو چیز پیسے دے کر، قیمت چکا کر حاصل کی جائے۔ وہ ایک طرح سے سودا ہی ہوتا ہے ناں؟ اب تمہیں میں نے 25 لاکھ روپے کے عوض حاصل کیا ہے۔" صائم رحمٰن نے بے مروتی اور سنگدلی سے جواب دیا۔

"مجھے حاصل کرنا آپ کی ذاتی خواہش اور ضرورت تھی۔ آپ اپنی ضرورت کے تحت مجھے یہاں لائے ہیں۔ میری چاہت کے تحت نہیں۔ آپ نے اپنی خواہش اور ضرورت کی قیمت ادا کی ہے میری نہیں۔ کیونکہ میں کوئی "چیز" نہیں ایک جیتی جاگتی، سانس لیتی انسان ہوں۔ سمجھے آپ؟"

کرن نے اپنے دکھ کو چھپاتے ہوئے تیز لہجے میں کہا اور وہاں سے تیزی سے باہر نکل گئی۔

''انکل! آنٹی تو بہت شارپ اور ایموشنل (جذباتی) ہیں۔'' وکی نے صائم رحمٰن کو دیکھتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ خیر تم سناؤ! آج بزنس کی کیا صورتحال رہی ہے؟ مجھے تفصیل سے بتاؤ!'' صائم رحمٰن نے دھیرے سے ہنس کر کہا، تو وہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھ کر انہیں آج کی بزنس رپورٹ دینے لگا۔

''اب یہ مجھے دوسروں کے سامنے ایک خریدی ہوئی لڑکی ظاہر کر کے ذلیل کریں گے۔ ساری زندگی مجھے اس بات کا طعنہ دیں گے کہ میں 25 لاکھ کے عوض انہیں ملی ہوں۔ کیسے کہہ رہے تھے کہ مجھے حاصل کرنے کے لئے میرے گھر والوں کے حالات سنوارنے کے لئے مجھے غفار سے بچانے کے لئے یہ چکر چلایا تھا، اور اب اپنے ایک ملازم کے سامنے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔ یہ دولت مند ایسے ہی ہوتے ہیں۔ شاید کسی کا کوئی کام کر دیں یا کسی پر ذرا برابر بھی احسان کر دیں تو سارے عالم میں اس کا چرچا کرتے پھرتے ہیں۔ اپنی دولت کی نمائش اور واہ واہ کے لئے دوسرے کی عزت نفس اور انا سے کھیلتے ہیں، تو صائم رحمٰن! آپ بھی عام امراء کی طرح کم ظرف ہی نکلے۔ میں تو آپ سے وفاداری نبھانے کا عہد کر چکی تھی۔ خیر یہ عہد تو مجھے اب بھی نبھانا ہی ہے۔ چاہے جیسے بھی سہی آپ نے میرے میکے والوں کو خوشحال تو کر ہی دیا ہے ناں۔ تو اس خوشحالی کی قیمت میں میری انا اور عزت نفس کی قربانی چاہی ہے آپ نے۔ دیکھیں میں کب تک یہ سودا برداشت کر سکتی ہوں۔ بس جس دن یہ بات میری آن تک آ گئی اور ضبط کی حد پار کر گئی اس دن میں آپ کے اس محل نما بنگلے کی حد پار کر جاؤں گی۔'' کرن کمرے میں ٹہلتے ہوئے دل میں ان سے مخاطب تھی۔

اسے صائم رحمٰن کے رویے نے بہت دکھ سے دو چار کیا تھا۔ صائم رحمٰن رات آٹھ بجے کمرے میں آئے، تو کرن کو کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے باہر تکتے دیکھ کر حیرانگی سے اس کے قریب چلے آئے۔

''کرن! کھڑکی بند کر دو۔ کافی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔'' انہوں نے نرمی سے کہا۔

''لیکن مجھے تو ٹھنڈ نہیں لگ رہی۔'' کرن نے اس پوزیشن میں کھڑے کھڑے جواب دیا۔

''ہیں......! وہ کیوں؟''

''آپ کی دی ہوئی آگ جو میرے اندر سلگ رہی ہے۔''

''آگ......! میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''اچھا! اتنے ناسمجھ ہیں آپ!'' اب کے اس نے مڑ کر ان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''اوہو......اب سمجھا! تم وکی کے سامنے کہی گئی اس بات پر ناراض ہو۔''

''تو کیا مجھے اپنی اس تذلیل پر خوش ہونا چاہئے؟ جو آپ نے ایک غیر شخص کے سامنے کی ہے؟ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اس قدر غلط رویہ شو کریں گے۔ وہ بھی اپنی بیوی کے لئے۔'' وہ تاسف اور دکھ سے بولی۔

''یار معاف کر دو۔ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔''

''مذاق؟ اچھا مذاق کیا ہے آپ نے میرے ساتھ، اور اب آپ ساری زندگی مجھے اسی طرح مذاق کا نشانہ بناتے رہیں گے۔'' وہ چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آ کر رک گئی۔ صائم رحمٰن اسٹک کے سہارے چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئے۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر حساس ہو۔''

''مسٹر صائم رحمٰن! ہر انسان اپنی آن، انا اور خودداری کے معاملے میں اتنا ہی حساس ہوتا ہے۔ میں آپ کی بیوی ہوں۔ آپ مجھے اس گھر میں بیاہ کر لائے ہیں۔ بھگا کر یا اٹھا کر نہیں لائے کہ آپ کو مجھے دوسروں کے سامنے ذلیل کرنے کا حق حاصل ہو جائے۔ بیوی عزت ہوتی ہے۔ اگر آپ کو اپنی عزت کی پرواہ نہیں ہے، تو پھر آپ سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے۔'' کرن نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''دیکھو! تم خوامخواہ بات کو بڑھا رہی ہو۔ کہا ناں! غلطی ہو گئی اب ختم کرو اس قصے کو اور کھانا لگواؤ۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' صائم رحمٰن نے کھانس کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

''ان سے سر پھوڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ رہنا تو مجھے یہیں ہے اور انہیں کے ساتھ رہنا ہے۔'' کرن نے زیر لب کہا اور خود بھی کھانے کے لئے ڈائننگ ہال میں آ گئی۔ دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ گئے۔ کرن عشاء کی نماز ادا کر کے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''اگر آج بھی صوفے پر سونے کا ارادہ ہو، تو میرا بستر بھی صوفے پر ہی لگا دو۔'' صائم رحمٰن نے اپنے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ ٹپٹا گئی، اور صوفے سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ گھنٹے بعد جو کمرے میں آئی تو صائم رحمٰن کو صوفے پر لیٹے دیکھ کر شرمندہ اور پریشان سی ہو گئی۔

''کیا کروں میں؟ صوفے پر جناب کی ہڈیاں اکڑ جائیں گی تو لگ پتہ جائے گا۔'' کرن نے دل میں کہا اور پھر ہمت کر کے صوفے کے قریب آ کر رک گئی۔

''صائم! آپ یہاں کیوں لیٹے ہیں؟''

''یہ چیک کرنے کے لئے کہ صوفہ بستر کی نسبت کتنا آرام دہ ہے؟''

"پلیز! اٹھیئے بیڈ پر لیٹ جائیں۔" اس نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"بیڈ پر تم لیٹ جاؤ۔"

"پلیز اٹھیئے۔ آپ کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں؟" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"میں تو صرف تمہیں یہ احساس دلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تمہاری اصل جگہ کہاں ہے؟" وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر بولے۔

"آپ اگر مجھے رات ہی بتا دیتے تو مجھے صوفے پر سونے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اب اٹھیئے یہاں سے۔ بیڈ پر لیٹیں!"

"تم بہت اچھی ہو کرن، میں نے تمہارا استقبال تمہارے شایانِ شان نہیں کیا ناں؟" صائم رحمٰن بولے۔

تو وہ تلخی سے بولی۔

"25 لاکھ کے عوض حاصل کی گئی لڑکی کا استقبال ایسا ہی ہو سکتا تھا۔"

"ابھی تک ناراض ہو؟"

"نہیں آپ آئیں۔" وہ اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ تک آئی، اور بیڈ پر آرام سے لٹا کر کمبل ان پر پھیلا دیا۔

"مجھ سے اگر ڈر لگ رہا ہو، تو بے شک لائٹ آن رہنے دینا۔"

"پلیز! آپ طنز کرنے کے موڈ میں ہیں، تو میں دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔" وہ زچ ہو کر بولی تو وہ ہنس پڑے۔

"جو تمہاری جگہ ہے اسے پر کرو۔" صائم نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ لائٹ آف کر کے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ کمبل سر تک تان کر کروٹ بدل لی۔

"کرن! صائم رحمٰن تمہارے شوہر ہیں۔ وہ بڑے طریقے سے تم پر اپنا حق جتا رہے ہیں؟" اس کے دل نے سمجھایا۔

"جتایا کریں، میں کیوں ان کے سامنے بچھی چلی جاؤں؟ پل پل تو موصوف کا موڈ بدلتا ہے۔ حق استعمال کرنے کی ہمت ہے تو کر کے دکھائیں۔ آئے بڑے، بڑے میاں! نئی نویلی دلہنوں کی طرح جناب کے نخرے تو مجھے اٹھانے پڑ رہے ہیں۔ یہ تھا میرا پہلا دن اس گھر میں آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟" اس کے دل نے کہا اور تھک کر آیت الکرسی پڑھی اور سونے کی کوشش کرنے

لگی۔ دوسری جانب کا سکون بتا رہا تھا کہ صائم رحمٰن سو چکے ہیں۔ کرن نے سکون کا سانس لیا تھا۔

☆......☆......☆

"ہائے......!" وہ لان میں ٹہل رہی تھی کہ وکی صبح صبح ہی ادھر آ نکلا۔

"تکلیف کیا ہے آپ کو؟ جب بھی آتے ہیں ہائے ہائے ہی کرتے آتے ہیں۔" کرن نے اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے طنز سے پوچھا۔

"تکلیف یہ ہے کہ حسین لڑکی! کہ تم مجھے کیوں نہیں ملیں؟" وہ ہنس کر بولا۔

"مسٹر وقاص! مجھ سے فضول گفتگو کرنے سے بہتر ہے کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"دل تو کہتا ہے کہ تم کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔ تمہاری قدر تو میں جانتا ہوں۔ صائم انکل! کو کیا معلوم کہ اس عمر اور رشتے کے کیا تقاضے ہوتے ہیں؟ میری مانو! انہیں پار لگا دو۔" وہ رازداری سے بولا۔

"کیا......؟" کرن نے سہم کر اسے دیکھا۔

"ہاں تو اور کیا، وہ بیمار بوڑھا مرے گا، تو کسی کو شک بھی نہیں گزرے گا کہ وہ طبعی موت مرا ہے، یا مارا گیا ہے۔ دوا میں تمہیں لا دوں گا۔ تم اس کی بیوہ کی حیثیت سے اس کی اربوں کی جائیداد کی اکلوتی وارث ہو گی اور پھر ہم دونوں شادی کر لیں گے۔ میں تو جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔ دل بے قابو ہونے لگتا ہے۔ کرن! تم صائم رحمٰن کے لائق نہیں ہو۔ تمہیں تو میرے جیسے ہینڈسم اور اسمارٹ شخص کے ساتھ رہنا چاہیئے۔" وہ کمینگی سے بولا۔

"ختم ہو گئی تمہاری بکواس! تو اب دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔ لالچی، حریص، بدنظر، آستین کے سانپ چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں پولیس کو تمہاری اس سازش کے متعلق بتا دوں گی، اور پھر صائم کو یا مجھے کوئی نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔ ناؤ گیٹ لاسٹ۔" وہ غصیلے لہجے میں درشتگی سے بولی۔

"سوچ لو میں دوبارہ آ جاؤں گا۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔

"تم سو بار بھی مجھے یہ مشورہ دو گے۔ تب بھی میرا یہی جواب ہو گا۔ صائم میرے شوہر ہیں، میں ان کے ساتھ بے وفائی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ ہاں! اگر تم نے انہیں دھوکا دینے یا نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو سب سے پہلے میں تمہیں ہتھکڑی لگواؤں گی۔ اب دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔" کرن نے اس غصے اور درشتگی سے کہا تو وہ اسے غصے سے گھورتا منہ بسورتا واپس چلا گیا اور وہ غصے میں بھری اندر آ گئی۔ جہاں صائم رحمٰن صوفے پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ وہ ان کے پاس آ

کر بولی۔

''صائم! آپ وقاص سے کہہ دیں کہ یہاں نہ آیا کرے۔''

''کیوں نہ آیا کرے؟''

''وہ انتہائی فضول باتیں کرتا ہے۔ آپ منع کریں اسے کہ یہاں مت آیا کرے۔ ورنہ میں اس کا حشر بگاڑ دوں گی۔'' وہ صوفے پر بیٹھ کر تیز لہجے میں بولی۔

''ارے بھئی! ایسا کیا کہہ دیا وکی نے؟ وہ تو بہت مہذب بچہ ہے۔'' وہ اخبار ایک طرف رکھ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''بچہ ہوگا وہ آپ کی نظر میں، میری نظر میں تو لچا، لفنگا اور گھٹیا شخص ہے۔ جسے رشتوں کا احترام ہے نہ لحاظ۔'' وہ غصے سے بولی تو انہوں نے ہنستے ہوئے بازو بڑھا کر اس کے گرد حمائل کیا اور اسے اپنے قریب کرلیا۔

''اس میں اس کا بھی قصور نہیں ہے۔ تمہارا حسن ہی اتنا جان لیوا اور اثر انگیز ہے کہ جو دیکھتا ہے گھائل ہو جاتا ہے۔ مجھے ہی دیکھ لو میں اس عمر میں ایک لمحے میں تم پر مرمٹا تھا۔ وکی تو پھر جوان ہے۔ اس کے جذبے بھی بے لگام ہیں، تم دھیان نہ دیا کرو۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے بولے، تو وہ ایک لمحے کو ان کے چہرے کو دیکھ کر نظریں جھکا کر بولی۔

''آپ! کیسے شوہر ہیں؟ ایک شخص آپ کی بیوی سے بدتمیزی کر رہا ہے، اور آپ بجائے اسے منع کرنے کے الٹا اس کی فیور کر رہے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہے۔''

''اور تم مخلص ہو میرے ساتھ؟'' صائم نے پوچھا تو اس نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

''آپ کو شک ہے مجھ پر؟''

''اس وقت تو مجھے رشک آ رہا ہے خود پر، کہ تم جیسی حسین لڑکی میرے قریب ہے۔ اچھا ایسا کرو کہ پہلے میرے لئے جوس لاؤ۔ مجھے پلاؤ پھر میرے کپڑے نکالو۔ مجھے تیار کراؤ، اس کے بعد میں تمہیں تمہارے میکے لے جاؤں گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ میرے ساتھ جائیں گے ناں؟'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''نہیں میں ذرا فیکٹری جاؤں گا۔''

''پھر میں نہیں جاؤں گی۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ بیوی کی عزت شوہر سے ہوتی ہے۔ آپ مجھے اس طرح میرے میکے چھوڑ کر جائیں گے تو میری اور میرے بھائی کی جو عزت آپ کے دل میں ہے۔ اس کا اندازہ ہمیں بخوبی ہو جائے گا۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''یار! ایک تو تم چھوٹی چھوٹی باتوں کو آن کا مسئلہ بنا لیتی ہو۔ خیر ابھی تو تم مجھے آفس جانے کی تیاری کراؤ۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولے مگر وہ کسی سوچ میں گم وہیں بیٹھی رہی۔ انہوں نے آگے بڑھتے بڑھتے رک کر اسے دیکھا اور پوچھا۔

''کیا سوچ رہی ہوں کرن؟''

''یہی کہ آپ کو بیوی کی نہیں ایک نرس کی ضرورت تھی، اور آپ تو فل ٹائم نرس رکھنا افورڈ کر سکتے تھے پھر مجھ سے شادی کا تکلف کیوں برتا آپ نے؟'' وہ انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں! میں نرس افورڈ کر سکتا ہوں۔ مگر کچھ کام صرف بیوی کے کرنے کے ہوتے ہیں۔ اب میں اپنے ہر کام کے لئے نرس سے تو نہیں کہہ سکتا تھا ناں؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ حیا آمیز کوفت سے دوچار ہوتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔

''بڑی دور کا سوچتے ہیں صائم رحمٰن! واقعی جو کام بے چاری بیوی سے کرایا جا سکتا ہے وہ نرس سے تو نہیں کرایا جا سکتا۔ ویسے بھی ان کے رویے سے مجھے یہ محسوس ہی کب ہوا ہے کہ میں ان کی بیوی ہوں۔'' وہ وارڈ روب میں سے ان کے کپڑے نکالتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''بیگم صاحبہ! نفیس صاحب تشریف لائے ہیں۔ صاحب کے دیرینہ دوست۔'' ملازم نے اسے آکر اطلاع دی۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی۔

''تم نے انہیں بتایا نہیں کہ صاحب فیکٹری جا چکے ہیں؟''

''بتایا ہے جی! مگر وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''مجھ سے؟ اچھا ٹھیک ہے، بھیجو انہیں۔'' کرن نے کچھ سوچ کر انہیں بھیجنے کے لئے کہا۔ نفیس امتیاز اس کے نکاح کے گواہوں میں شامل تھے۔ اس لئے اس نے انہیں بلا لیا۔

''ہیلو ینگ لیڈی!'' نفیس امتیاز تقریباً انسٹھ 59 برس کے تھے۔ گریس فل پرسنالٹی کے مالک ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔

''السلام وعلیکم انکل!'' کرن نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔

''اوں ہوں......! تمہارا میرا انکل کا رشتہ تو ہرگز نہیں بنتا۔'' وہ منہ بنا کر بولے۔

''تو چلیئے! آپ مجھے بھابھی کہیئے اور میں آپ کو بھائی کہوں گی۔'' وہ مسکرائی۔

"نہ، نہ، نہ......! اتنی دلنشین، حسین وجمیل، حور شمائل دوشیزہ کی زبان سے یہ رشتے جچتے نہیں ہیں۔" انہوں نے اس کے چہرے کو للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کون سا رشتہ جچتا ہے آپ کو میری زبان سے؟" وہ چوکنی ہو کر بولی۔

"وہ رشتہ جس میں ایک اجنبی مرد کسی بھی حسین وجمیل عورت کے پاس بآسانی جا سکے۔" وہ خباثت سے بولا۔

"اوہ......! تو یہاں آنے والے سب لوگ ایک ہی کیٹیگری کے ہیں۔ بے حیاء بے کردار اور بے غیرت۔" کرن نے زیر لب کہا غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"تو مسٹر اجنبی! وہ دروازہ ہے فوراً سے پہلے یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔" کرن نے سخت اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کرن! یہ ظلم تو نہ کرو۔ تم کرن ہو اور کرن پر تو سب کا حق ہوتا ہے۔" وہ غلیظ انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے سامنے آتے ہوئے بولا۔

"میں حیا اور پاکیزگی کی کرن ہوں بے حیائی کے اندھیروں میں ہرگز نہیں اتر سکتی۔ اب دفعہ ہو جاؤ یہاں سے بشیر! چوکیدار!" وہ غصے سے بولی اور ملازموں کو آوازیں دینے لگی۔

"بہت خوش نصیب ہے صائم! کہ اس بڑھاپے میں اسے تم جیسی جوان، نوخیز، خوبرو کلی ملی ہے۔ ہائے کاش! ہمارے نصیب ایسے ہوتے۔ کچھ اور نہ سہی لذت دیدار تو کر لینے دو۔ ویسے صائم بھی بوڑھا ہے تم کب تک اس کے بڑھاپے کا ساتھ دو گی۔ یا وہ کب تک تمہاری جوانی تک ساتھ چل سکے گا۔ ایک دن رہ جاؤ گی۔ ہاں! یہ ساری جائیداد تمہاری ہو جائے گی اس جائیداد کے لئے ہی تم نے صائم رحمٰن کے ستر سالہ وجود کو قبول کیا ہے ناں؟" نفیس امتیاز نے اسے دیکھتے ہوئے عجیب لہجے میں کہا۔

اسے گھن آ رہی تھی اس کے لفظوں سے اس کے وجود سے۔

"شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ! میں نے صائم کا دوست ہونے اور بزرگ ہونے کے ناطے تمہارا بہت لحاظ کیا ہے۔ مزید نہیں کروں گی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ غصے سے چلائی تو وہ ہنسنے لگا۔ اسی وقت اس کے موبائل کی بیل بجی۔ وہ فون سننے لگا۔ تو وہ فوراً اسٹڈی کی طرف چلی گئی۔

کھڑکی سے اس نے نفیس امتیاز کو "صائم ولا" کا گیٹ عبور کرتے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً اسٹڈی سے باہر نکل آئی اور لابی میں وکی کو پھرتے دیکھ کر اس کے جسم میں لاوا ابلنے لگا۔ اس نے نفرت سے رخ پھیر کر واپس جانا چاہا تو وہ جو اسے دیکھ چکا تھا۔ فوراً بھاگ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، وہ ٹپٹا کر دو

قدم پیچھے ہٹی۔

"تم پھر آ گئے؟ صبح کی خوراک ہضم نہیں ہوئی تمہیں؟" وہ لہجے کو سپاٹ کر کے بولی۔

"ہو گئی ہضم جبھی تو آیا ہوں۔ چوکیدار نے بتایا کہ صائم انکل آفس گئے ہیں۔ یہ تو اور بھی خوشی کی بات ہے میرے لئے۔ اب تمہارے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے میں آسانی رہے گی۔" وہ کمینگی سے مسکراتا ہوا بولا۔

"آخر چاہتے کیا ہو تم؟" وہ اپنے خوف کو چھپاتے ہوئے بولی۔

"ویری سمپل! روزانہ چند گھنٹے تمہارا ساتھ، تمہاری رفاقت، تمہاری دوستی اور......!" وہ جملہ دانستہ ادھورا چھوڑ کر ہنسنے لگا۔

"یا اللہ! میری مدد فرما میری عزت محفوظ رکھنا مالک!" کرن نے دل میں دعا کی اور لہجے کو سخت اور سپاٹ بنا کر بولی۔

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔"

"دل نہیں مانتا۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"مار دو! مگر گولی مارنے سے پہلے پیار دو۔" وہ خباثت سے بولتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک قدم اور پیچھے ہٹ گئی۔

"ارے کرن ڈارلنگ! یہ ہاتھ اس بوڑھے کے ہاتھوں کے قابل نہیں ہے۔ یہ ہاتھ تو میرے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔

"یہ ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہیں تمہارے منہ پر ہونا چاہئے۔" کرن نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا، اور اپنا دایاں ہاتھ اس کے دائیں گال پر اس قوت سے جڑ دیا کہ اس کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ حیران وششدر سا کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔" کرن تیز لہجے میں چلائی۔

"میں......! دیکھ لوں گا تمہیں۔" وہ اپنے گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے غصے سے بولا۔

"خبردار! جو میری طرف اپنی میلی اور غلیظ نگاہ ڈالی ہو، ورنہ آنکھیں نکال کر کتوں کو کھلا دوں گی۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ پہلے سے زیادہ جلال میں بولی، تو وہ پیچ وتاب کھاتا وہاں سے باہر نکل گیا، اور کرن غصے سے ہانپتی، کانپتی اپنے کمرے میں آ کر لاک لگا کر بستر پر گر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے اپنا آپ غیر محفوظ محسوس ہو رہا تھا۔ اس بڑے گھر میں اتنے چھوٹے لوگوں

کا آنا جانا تھا اس حقیقت نے تو اس کا خون ہی خشک کر دیا تھا۔ اسے وکی کے ارادوں سے خوف آ رہا تھا۔ وہ تھپڑ کا بدلہ ضرور لے گا۔ یہ خیال اسے بار بار خوفزدہ کر رہا تھا۔ وہ روتے روتے سوگئی، اور جب بیدار ہوئی، تو عصر کی اذان ہو رہی تھی۔ اس نے وضو کر کے نماز ادا کی۔ اپنی عزت و آبرو کی تحفظ کی دعائیں مانگیں۔ صائم کی صحت، سلامتی اور ان کے مخلص دوستوں کے ساتھ کی دعا مانگی۔ آنسو تھے کہ بہتے جا رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئی تو صائم رحمٰن نے دروازے پر دستک دی۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

''یہ تم نے دروازہ کیوں لاک کیا ہوا تھا؟'' وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔

''کیونکہ باہر آپ کے پالتو کتے اور بھیڑیے دندناتے پھر رہے تھے۔''

''کیا؟'' انہوں نے رک کر اس کی طرف دیکھا اس کے آنسو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئے۔

''تم رو کیوں رہی ہو؟''

''وہ خبیث وکی دوبارہ یہاں آیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ بہت بدتمیزی کی ہے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔'' اس نے روتے ہوئے بتایا۔

''کیا؟'' وہ حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''ہر لڑکی، ہر عورت اپنی عزت کے معاملے میں اتنی دلیر تو ہوتی ہے کہ وہ ایسے ناپاک ہاتھوں کو ایک دفعہ جواب دے سکے۔ آپ میں تو اتنی سی طاقت اور دلیری بھی نہیں ہے کہ اپنی بیوی کی عزت کی حفاظت کر سکیں۔'' وہ طنزیہ اور تلخ لہجے میں بولی۔

''تم مجھ پر شک کر رہی ہو؟'' وہ کھانستے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔

''آدمی اپنے دوستوں کی صحبت سے پہچانا جاتا ہے سر! اور آپ کے دوستوں میں آپ کا دوست کوئی نہیں ہے۔ آئے تھے آج آپ کے نفیس امتیاز صاحب وہ بھی وکی کی ہی زبان بول رہے تھے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایک شریف آدمی ہے۔''

''ہونہہ......! شریف آدمی! آپ دولت مند لوگ شریف آدمی میں نجانے کیا خوبیاں چاہتے ہیں۔ نفیس امتیاز ''ابلیس'' لگا ہے آج مجھے۔''

''میں نہیں مانتا۔ برسوں پرانے تعلقات ہیں میرے وکی اور نفیس سے۔ یعنی چھوٹے میاں چھوٹے میاں بڑے میاں سبحان اللہ۔ ہر آنے والا تم پہ ہی عاشق ہو جاتا ہے۔ واہ بھئی!''

صائم رحمٰن نے طنز کیا۔

''آپ کے خیال میں، میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ وہ دونوں بدنیت ہیں۔ آپ یقین کیوں نہیں کرتے میری بات کا؟ آپ کے اس چار کینال کے بنگلے میں چار فٹ کی زمین بھی ایسی نہیں ہے۔ جس پر قدم رکھ کر میں خود کو محفوظ تصور کر سکوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان اونچے محلوں میں اتنے نیچ کام ہوتے ہیں۔ یہاں رشتوں کا تقدس اور احترام پامال کیا جا رہا ہے، اور آپ بے حس بنے بیٹھے ہیں۔ بیوی ہوں میں آپ کی، کیا سوچ کر آپ مجھے اس گھر میں لائے تھے؟'' وہ گھٹنوں کے بل ان کے سامنے نیچے کارپٹ پر بیٹھ کر پرنم آواز میں بولی۔ وہ بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے۔

''کیا چاہتی ہو تم؟''

''ایک بیوی کیا چاہ سکتی ہے اپنے شوہر سے؟'' وہ انہیں دیکھتے ہوئے ان سے پوچھ رہی تھی۔

''کیا کمی ہے تمہیں یہاں؟''

''محبت، عزت اور تحفظ کی کمی ہے یہاں، اور ایک بیوی کو اپنے شوہر سے محبت، عزت اور تحفظ کی تمنا ہوتی ہے۔ دولت تو بہت بعد کی چیز ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ملبوسات اور زیورات کے بوجھ تلے میں اپنے اصل حقوق فراموش کر دوں گی؟ نہیں سر! میں آپ کے دیئے ہوئے قیمتی ملبوسات اور نایاب زیورات کی شیدائی کبھی بھی نہیں تھی۔ مجھے میرے شوہر کا پیار اور تحفظ چاہئے۔ اگر آپ کو میری، اپنی بیوی کی آن، انا، آبرو کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اور آپ کے یہ ہاتھ......!'' وہ ان کے سرخ وسفید خوبصورت ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔

''یہ خوبصورت اور مضبوط ہاتھ جنہیں دیکھ کر اور تھام کر یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ کسی معمر شخص کے ہاتھ ہیں۔ ان ہاتھوں کی خوبصورت اور مضبوطی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اگر یہ اپنی عزت کی حفاظت ہی نہ کر سکیں مجھے یہ چار دیواری نہیں چاہئے صائم صاحب! مجھے تحفظ چاہئے۔ اگر آپ مجھے تحفظ نہیں دے سکتے، میری عزت کی حفاظت نہیں کر سکتے تو مجھے طلاق دیدیں۔''

''کیا......! تم پاگل تو نہیں ہوگئیں؟'' وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر غصے سے بولے۔

''ابھی تک تو نہیں ہوئی، لیکن اگر مزید اس ماحول کا حصہ بنی رہی تو ایک دن ہو جاؤں گی پاگل۔'' وہ اٹھ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔''

''آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ دنیا کا پہلا شوہر ہے صائم رحمٰن! جسے اپنی بیوی کی

عزت کی، اس کی پریشانی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔''

''میں تمہیں اس بدتمیزی کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔'' وہ غصے سے بولے۔

''او...... تو گویا وکی اور نفیس نے میرے ساتھ جو بدتمیزی کی ہے۔ وہ آپ کی اجازت سے کی ہے؟'' اس نے بھی برابر چوٹ لگائی۔

''تمہارا دماغ تو درست ہے؟'' وہ غصے سے بولے۔

''الحمدللہ! میرا دماغ تو درست ہے۔ اسی لئے میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔ تاکہ خراب لوگوں کی خراب نیتوں اور نگاہوں کا اثر میرے دماغ پر بھی نہ پڑ جائے۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی حقیقت سے کٹ کر رہ گئی ہوں۔ یہ سب کوئی ڈراؤنا خواب ہے۔ یا پھر کوئی سراب ہے؟ آپ اور آپ کے دوست کسی اور ہی سیارے کی مخلوق ہیں۔''

''اور تم ایک ظالم دیو کی قید میں ہو۔ ایک دن ایک شہزادہ آئے گا۔ تمہارا ہاتھ پکڑے گا۔ تو یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا اور تم اس شہزادے کے ساتھ اس جگہ اکیلی کھڑی ہوگی۔ میرے اس محل کی جگہ دھواں اٹھ رہا ہوگا۔ وہ شہزادہ تمہیں اپنے ساتھ اپنے محل میں لے جائے گا، اور تم اس کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگوگی۔ ہے ناں؟'' صائم رحمٰن نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''افسوس صد افسوس! مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی۔ جو میں نے نعیم بھائی کی بات مان کر اس رشتے کو قبول کر لیا۔ میں نے بہت سی باتوں کے ساتھ یہ سوچا تھا کہ مجھے غفار جیسے آوارہ مزاج شخص سے چھٹکارا مل جائے گا۔ مگر نہیں میں تو ایک غفار سے بچ کر اس رشتے کی پناہ میں آئی تھی۔ یہاں تو ایک سے زیادہ غفار رال ٹپکاتے، دندناتے پھرتے ہیں۔ اس ایک غفار کو تو اس کی بیوی کی حیثیت سے محبت اور نرمی سے پیار اور خلوص سے اپنائیت سے سمجھا بجھا کر راہ راست پر لا سکتی تھی۔ یہ کام ناممکن تو نہیں تھا۔ مگر یہاں تو رشتے کی اہمیت ہے نہ حیثیت ہے نہ ہی اس کا احترام۔ میچور مر ـ اپنی آن سے بے پرواہ ہو تو تقدیر سے یا کسی اور سے کیا شکوہ کروں میں۔ میں نے تو خلوص دل سے اس رشتے کو نبھانا چاہا تھا، لیکن آپ کو تو میرے پیار، خلوص اور وفا کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ تو شاید مجھے ایک ڈیکوریشن پیس کے طور پر ایک ماڈل کے طور پر اس گھر میں سجانے کے لئے لے آئے تھے، اور چاروں جانب واہ واہ وصول کر کے نجانے آپ اپنے کون سے نا آسودہ جذبے کی تسکین کر رہے ہیں۔ صائم صاحب! عورت محبت کے بغیر بھی جی لیتی ہے، لیکن عزت کے بغیر کوئی عورت نہیں جی سکتی۔ آپ مجھے مارنا چاہتے ہیں، تو اپنے ہاتھوں سے ایک ہی بار مار ڈالیں۔ یہ اپنے شیطان صفت دوستوں کے حوالے مت کریں مجھے ورنہ میں......''

''تم انہیں مار دوگی؟'' صائم رحمٰن نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''نہیں! مجھے اتنے گھٹیا اور نیچ لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر اپنی زندگی برباد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں تو آپ کی زندگی سے نکل جانا چاہتی ہوں۔'' کرن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تم کھانا کھا لو۔ میں وکی کے گھر جا رہا ہوں۔ اس سے اور اس کے ماں باپ سے دو ٹوک بات کروں گا میں۔''

''رہنے دیجئے! وکی نے اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو؟'' اس نے ایک دم سے آگے آ کر ان کا راستہ روک کر کہا۔

''تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔'' انہوں نے معنی خیز جملہ بولا تھا۔

''میرا فائدہ؟''

''ہوں......'' وہ مسکرائے اور بات اس کی سمجھ میں آ گئی، تو اس نے تاسف سے انہیں دیکھا۔ وہ کب بھلا ان کی دولت حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہی تھی؟

''آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گھر پر رہیں اور کل تک فیصلہ کر لیں کہ آپ کو میری عزت عزیز ہے یا اپنے دوستوں کی نیت؟'' وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''مجھے وکی اور نفیس سے بات کرنا ہوگی۔ انہوں نے تو میرا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ ہاں! مجھے ابھی ان کی طرف جانا چاہئے۔'' صائم رحمٰن نے پریشانی سے سوچا اور پھر اپنی سوچ کو عملی شکل دینے کیلئے وکی اور نفیس امتیاز سے ملنے کے لئے باہر نکل گئے۔ ڈرائیور پہلے ہی تیار کھڑا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

☆......☆......☆

صبح وہ بہت بے دلی سے اٹھی تھی۔ نماز ادا کر کے اس نے اپنا ضروری سامان سوٹ کیس میں پیک کیا، اور صائم رحمٰن کے فیصلے کا انتظار کرنے لگی۔ صائم رحمٰن بہت دیر سے گھر لوٹے تھے۔ وہ بھی دو بجے سوئی تھی۔ مگر فجر کے وقت اٹھ گئی تھی۔ آج یوں بھی اتوار تھا۔ صائم رحمٰن بھی سو رہے تھے۔ فیکٹری یا آفس جانے کا مسئلہ جو نہیں تھا۔ اسے نعیم بھائی اور عظمٰی بھابھی پر غصہ آ رہا تھا۔ جنہوں نے اسے آ کر دیکھا نہیں تھا کہ وہ کس حال میں یہاں رہ رہی ہے؟ بس نعیم بھائی ہر دوسرے تیسرے دن فون کر لیتے تھے اور فون پر وہ سب ٹھیک ہے کی رپورٹ ہی دے سکتی تھی۔ اسے اپنے فیصلے پر کوئی افسوس نہیں تھا۔ اسے نعیم بھائی کی محبت پر بھروسہ تھا۔ عظمٰی بھابھی کی جلی کٹی باتیں سننے کے لئے تیار کر چکی تھی وہ خود کو۔

''کرن! ناراض ہو مجھ سے؟'' وہ سوچوں میں گم صوفے پر سر رکھے بیٹھی تھی، کہ صائم رحمٰن کی آواز اس کی سماعتوں میں پڑی۔ اس نے نہ کوئی جواب دیا نہ کوئی حرکت کی۔ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔ جیسے اس نے ان کی بات سنی ہی نہ ہو۔

''چلو! ناشتہ کرلو۔ تم نے رات کھانا بھی نہیں کھایا۔ کل سے بھوکی ہو۔'' صائم رحمٰن نرمی سے بولے مگر وہ نہ بولی نہ ہلی۔

''مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''میں سن رہی ہوں کہیئے!'' اس نے مجبوراً جواب دیا۔

''ادھر دیکھو میری طرف۔'' وہ صوفے پر بیٹھ کر بولے۔

''آپ بات کیجئے!''

''کیا تم واقعی مجھ سے طلاق لینا چاہتی ہو؟''

''صائم صاحب! کوئی بھی عورت اپنی خوشی سے اپنا گھر برباد نہیں کرتی۔ طلاق کا لفظ ہی اس کے لئے خوشیوں کے دروازے بند کرنے کی علامت بن جاتا ہے۔ معاشرہ طلاق یافتہ عورت کو ایک بری عورت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ طلاق گالی ہے اس معاشرے کی کسی بھی ماں، بہن، بیٹی یا بیوی کے لئے لیکن صائم صاحب! اگر لڑکی اپنی عزت اپنے شوہر کے گھر میں محفوظ نہ سمجھے، تو اسے طلاق لے لینے میں عافیت نظر آتی ہے۔ زیادہ ذلت سے کم ذلت پر سمجھوتہ کرنا یہ اس لڑکی کی مجبوری بن جاتا ہے۔'' وہ نہایت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے پر دکھ اور کرب کے آثار نمایاں تھے۔ جنہیں دیکھ کر صائم رحمٰن بے چین ہو رہے تھے۔

''ہوں......اور اگر میں تمہیں طلاق نہ دینا چاہوں تو؟''

''تو مجھے تحفظ دے دیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''نفیس امتیاز! جیسے لوگوں سے تحفظ، وکی جیسے بدنیت شخص سے تحفظ۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے آپ سے آپ کی دولت، جائیداد کی خاطر شادی کی ہے۔''

''تو کیا یہ غلط ہے؟''

''آپ! آپ بھی ایسا سمجھتے ہیں؟'' کرن نے بہت دکھ سے ان کی طرف دیکھا۔

''ظاہر ہے مجھ جیسے بیمار اور ستر سالہ بوڑھے سے ایک کم عمر اور حسین لڑکی بھلا کیوں شادی کرے گی؟ میری جائیداد کے لئے ہی ناں، کہ میرے مرنے کے بعد اس کی تنہا وارث بن سکے۔'' صائم رحمٰن نے نہایت سفاکی سے کہا۔

''آپ شروع دن سے مجھے شک کی نظر سے ہی دیکھتے آئے ہیں۔ آپ کی عمر کے مرد اگر امیر بھی ہوں، تو انہیں میری عمر کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد انجام کا خوف، اور شکوک گھیرے رہتے ہیں، کہ لڑکی اگر غریب یا متوسط گھر کی ہو، تو اس کے ساتھ ہر زیادتی روا رکھی جاتی ہے۔ اسے چھوٹے گھر کی لڑکی کہہ کر طعنے دے دے کر احساس کمتری میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔'' وہ تلخی سے بولی تو وہ کہنے لگے۔

''ہمارے سرکل کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ جنہیں بہر حال پورا کرنا ہوتا ہے۔''

''ہمارے مذہب کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔ جنہیں ہر حال میں پورا کرنا ہوتا ہے۔ مسٹر صائم رحمٰن اور آپ اپنے جس سرکل کی بات کر رہے ہیں۔ وہاں بے حیائی، بے لباسی اور بے باکی کو ترقی، جدت پسندی کا نام دیا جاتا ہے، اور میں ان تقاضوں پر یقیناً کبھی پورا نہیں اتر سکتی۔ میں ایک ماہ سے سب کچھ اس لئے برداشت کر رہی تھی، کہ میں آپ کے نکاح میں آئی ہوئی لڑکی ہوں۔ آپ سے بے وفائی کرنے یا تعلق ختم کرنے کے لئے میں یہاں نہیں آئی تھی، لیکن اس ایک ماہ میں آپ کے رویے نے مجھے بہت کچھ باور کرا دیا ہے۔ آپ اب تک میری جو توہین کر چکے ہیں۔ وہ بہت ہے، میں مزید برداشت نہیں کرسکتی۔ میں ایک غریب گھر کی لڑکی ضرور ہوں۔ مگر میں نے بہت پیار اور اعتبار بھرے ماحول میں پرورش پائی ہے۔ اسی لئے میں شک اور بے اعتباری کے اندھیرے میں نہیں رہ سکتی۔ آپ نے مجھ پر شک کا اظہار کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وکی اور نفیس امتیاز آپ کی شہہ پر میرے ساتھ بدتمیزی کے مرتکب ہوئے تھے، اور میں مزید کوئی زیادتی برداشت نہیں کرسکتی۔ آپ مجھے ابھی اور اسی وقت طلاق دے دیں۔'' اس نے اٹل لہجے میں کہا۔

''کہاں جاؤ گی طلاق لے کر؟''

''یہ میرا مسئلہ ہے۔ آپ سے جو کہا ہے آپ وہ کریں سر!''

''تم غلط کر رہی ہو۔''

''درست تو آپ نے بھی نہیں کیا۔''

''تمہارے بھائی، بھابھی فٹ پاتھ پر آ جائیں گے۔'' صائم رحمٰن نے اسے ڈرایا۔

''کیوں؟ کیوں آ جائیں گے فٹ پاتھ پر؟'' وہ غصے سے چیخ اٹھی۔

''آپ انہیں یا مجھے فٹ پاتھ پر سے اٹھا کر لائے تھے؟ یا آپ نے ان کی روزی روٹی کا ذمہ لے رکھا تھا؟ اس ایک ماہ سے پہلے ان کا میرا، میرے والدین کا دانہ پانی آپ کے پیسے سے چل رہا تھا کیا؟ کیا کرتے رہے ہیں آپ اب تک میرے گھرانے کے لئے؟ جو اتنا غرور کر رہے

ہیں؟ اس ایک ماہ میں، کون سا انقلاب آ گیا ہے؟ ہم جیسے پہلے اپنی گزر اوقات کر رہے تھے۔ ویسے پھر سے شروع کر دیں گے۔ ہم سمجھیں گے کہ ایک ماہ ہم نے بھیانک تجربے کی بھٹی میں رہ کر گزارا ہے۔ اینڈ دیٹس اِٹ!''

''تم تو طلاق لے کر بھی خسارے میں نہیں رہو گی۔ تمہارے بھائی نے خاصا اچھا حق مہر لکھوا دیا تھا۔ تم لوگ تو اسی میں ساری زندگی عیش کر سکتے ہو۔'' صائم رحمٰن نے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''ہم تو آپ کے آنے سے پہلے بھی عیش ہی کر رہے تھے، اور رہی بات حق مہر کی تو مسٹر صائم رحمٰن! میں اپنا حق مہر مبلغ پانچ کروڑ روپے آپ کو معاف کرتی ہوں۔ آپ کا پیسہ آپ کو مبارک ہو۔ آپ مجھے اس نام نہاد رشتے سے اب آزاد کر دیں۔ میں آپ کے ساتھ ایک منٹ بھی نہیں رہنا چاہتی۔ کیونکہ آپ نے مجھے شک اور مال و زر کے ترازو میں تول کر میرے دل کے ترازو سے اپنا وزن ہلکا کر لیا ہے۔ بلکہ ختم کر دیا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ہر لڑکی اپنی عزت نفس لٹا سکتی ہے۔ اپنی خودداری، انا اور آن گروی رکھ دیتی ہے؟ نو مسٹر صائم رحمٰن! یہ آپ کی بھول ہے۔ میں کوئی عام لڑکی نہیں ہوں۔ میرا نام کرن عظیم احمد ہے اور میرے والدین نے مجھے جہاں رشتوں کا احترام کرنا سکھایا ہے۔ وہاں یہ بھی سکھایا تھا کہ عزت پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہئے۔ ایک مسلمان رشتوں سے زیادہ احترام اپنے کسی روپے میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ مگر آپ تو نام کے مسلمان ہیں۔ نام صائم رحمٰن! مگر صوم وصلوٰۃ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ میں نے تو آج تک آپ کو نماز پڑھتے بھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ اس عمر میں تو لوگ زیادہ عبادت گزار ہو جاتے ہیں۔'' وہ جوشیلے لہجے میں بولتے بولتے ایک دم آہستگی سے بولی۔

''اچھا! اچھا! زیادہ لیکچر جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بڑی آئیں عالمہ فاضلہ۔'' وہ ڈپٹ کر بولے تو اسے اور بھی غصہ آیا۔

''مجھے طلاق چاہئے! اب کیا حافظہ ایک دم سے کمزور ہو گیا ہے آپ کا؟ جو میری بات بھول گئے؟'' وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

''میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ جاؤ جو دل چاہے کر لو۔''

''ٹھیک ہے! میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ عدالت سے خلع کا نوٹس آپ کو مل جائے گا۔'' وہ دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

''رک جاؤ کرن! تم کہیں نہیں جاؤ۔'' صائم رحمٰن کی آواز ہی نہیں لہجہ بھی ایک دم بدل گیا

تھا۔ کرن کے قدم خود بخود رک گئے اور اس نے سٹپٹا کر مڑ کر دیکھا تو اس کے پورے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ صائم رحمٰن اس کے سامنے تھے اور ان کے ہاتھ بڑی تیزی سے اپنی نقلی داڑھی مونچھیں، وگ اور عینک اتار کر پھینک چکے تھے۔ اب اس کے سامنے ایک نوجوان، خوبرو شخص کھڑا تھا۔ سرخ وسفید رنگت، گہرے براؤن سلکی بال، گہری براؤن آنکھیں، دل کو موہ لینے والے نین نقش، مضبوط جسم جس کو دیکھ کر اسے خود بھی ان کے مضبوط اور جوان ہونے کا احساس ہوا کرتا تھا۔ چھ فٹ دو انچ قد میں صائم رحمٰن ایک خوبرو ہیرو کی شکل میں اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا، اور وہ خوف سے پیلی پڑتی جا رہی تھی۔

''تت...... تم...... کون ہو تم؟'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''کرن! میں صائم ہوں۔ تمہارا شوہر صائم رحمٰن!'' اس نئے چہرے نے یقین دلانا چاہا۔

''نہیں! تم میرے شوہر نہیں ہو۔ تم فراڈ دھوکے باز ہو۔ چیٹ کیا ہے تم نے مجھے آئی ہیٹ یو۔'' وہ غصے اور نفرت سے بولی۔

''کرن! میں نے جو کچھ کیا وہ میری مجبوری تھی۔ تمہیں پانے کے لئے مجھے ایسا کرنا پڑا۔'' وہ اس کے قریب آتے ہوئے نرمی سے صفائی پیش کر رہا تھا۔

''مجھے پانے کے لئے یا مجھے آزمانے کے لئے! نو مسٹر! میں تمہارا یقین نہیں کر سکتی۔ تم صائم رحمٰن نہیں ہو۔''

''کرن! میری بات سنو!'' وہ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں! مجھے ہاتھ مت لگانا۔ چھوڑ دو مجھے۔'' وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔

''کیوں چھوڑ دوں میں تمہیں؟ بیوی ہو تم میری۔'' وہ درشتگی سے بولا۔

''بیوی......؟ تم کیا جانو بیوی کسے کہتے ہیں؟ تم نے میرا مذاق اڑایا ہے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ مجھے جانے دو۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''میری بات سنو کرن!''

''کیوں سنوں میں تمہاری بات؟ تم دھوکے باز ہو۔'' وہ روتے ہوئے چلائی۔

''ہاں! ہوں میں دھوکے باز۔'' وہ اس کے شانوں کو جھٹک کر غصے سے بولا۔

''اس لئے کہ میں نے تمہیں تمہاری بھابھی کی مرضی سے حاصل کرنے کے لئے یہ روپ دھارا تھا۔''

''تمہارے نعیم بھائی کو اس ساری گیم کا علم تھا۔''

''میرے بھائی پر الزام مت لگاؤ۔''

''یہ الزام نہیں ہے۔ یہ سچ ہے۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''تمہارے بھائی! کے بقول ان کی بیگم عظمیٰ تمہاری شادی اپنے بھائی سے کرنا چاہتی تھیں۔ وہ میرے رشتے سے انکار کر دیتیں۔ کیونکہ وہ تمہارا اتنا اچھا رشتہ کبھی قبول نہ کرتیں، اور اگر نعیم بھائی زبردستی کرتے تو گھر میں ہر وقت فساد بپا رہتا۔ عظمیٰ بھابھی نہ ان سے خوش رہتیں نہ ہم سے بلکہ ہر وقت حسد کی آگ میں غصے میں جلتی رہتیں۔ ساری صورتحال، جاننے کے بعد میں نے نعیم بھائی کو یہ تجویز پیش کی تھی۔ اگر میں سچ مچ کا بوڑھا ہوتا، تو وہ ہرگز بھی تمہاری شادی کے لئے مجھے ہاں نہ کرتے۔ وہ بہت محبت کرتے ہیں تم سے، انہوں نے تمہارا مستقبل محفوظ کرانے کے لئے حق مہر پانچ کروڑ لکھوایا تھا۔ وہ اگر دس کروڑ بھی لکھواتے تو مجھے اعتراض نہ ہوتا، اور ہماری یہ پلاننگ کامیاب رہی۔ نعیم بھائی کو مراعات میں نے اپنی خوشی سے دی تھیں، اور رقم بھابھی کا منہ بند کرنے کے لئے۔ اتنا کچھ انہیں تمہاری شادی کر کے کہیں اور سے تو نہیں مل سکتا تھا ناں؟ اسی لئے وہ بھی خوش ہو گئیں اور شادی خیریت سے ہو گئی۔''

''تو شادی کے بعد آپ نے اپنا یہ بہروپ کیوں نہیں بدلا؟'' وہ طنز سے بولی۔

''یوں ہی تمہیں تنگ کرنے کو دل چاہا تھا۔ سوچا تھا کہ چند روز بعد بتا دوں گا، لیکن تمہاری خدمت اور محبت دیکھ کر مجھے ہمت نہیں ہوئی اور پھر وکی اور نفیس انکل بھی پہلے سے تیار کردہ اسکرپٹ کے مطابق اپنا رول ادا کرتے چلے گئے۔ نفیس امتیاز میرے اکلوتے ماموں ہیں، اور وکی ان کا اکلوتا بیٹا ہے۔ یقین کرو ہم سب بہت شریف ہیں۔ وہ بہت نائس لوگ ہیں۔ یہ سب تو ڈرامہ تھا۔'' وہ سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

''اتنا گھٹیا ڈرامہ کرتے ہوئے کسی بھی شخص کو شرم نہ آئی؟'' اس نے بھیگتی آواز میں کہا۔ اسے اپنے بیوقوف بنائے جانے پر بہت صدمہ پہنچا تھا۔

''آئی ایم سوری کرن! دراصل میں کئی بار لڑکیوں سے دھوکے کھا چکا تھا۔ سب میری دولت کی وجہ سے مجھ سے شادی اور دوستی کی خواہاں تھیں۔ اسی لئے میں نے تمہیں آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''آزمانے کے لئے اپنی کلاس کی لڑکی نہیں ملی تھی آپ کو؟''

''دل ہی تم پر آ گیا تو۔''

''پلیز! مجھ سے ایسی چیپ باتیں مت کریں۔'' وہ سنگدلی سے بولی۔

''صائم رحمٰن! نام ہے میرا۔ یہ دیکھو میرا شناختی کارڈ'' صائم رحمٰن نے مچل کر اپنی دراز کھولی اور اپنا آئی ڈی کارڈ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ شناختی کارڈ واقعی اس کا تھا۔ اس کی تصویر کے ساتھ صائم رحمٰن ولد رحمٰن علی مرحوم لکھا تھا۔

''مجھے اب آپ کی شناخت سے کوئی غرض نہیں ہے، کیونکہ مجھے اب تمہارے ساتھ نہیں رہنا۔ تم نے میری توہین کی ہے، مذاق بنایا ہے مجھے سب کے سامنے اور بائی دی وے۔ تمہارے اس دولت کدے میں نوکروں کی جو فوج مٹر گشت کرتی پھرتی ہے۔ انہیں تم نے کیا کہانی سنائی تھی؟'' وہ آئی ڈی کارڈ بیڈ پر پھینک کر تلخی سے بولی۔

''میرے اس خوبصورت گھر میں دو تین ڈراموں کی شوٹنگ ہو چکی ہے اب تک اور میں بھی عنقریب ایک ڈرامہ سیریل شروع کرنے والا ہوں۔ میں نے سب سے یہی کہا تھا کہ ڈرامے کی شوٹنگ خفیہ کیمروں کے ذریعے ہو رہی ہے۔ لہٰذا سب محتاط رہیں۔''

''چلیں آج آپ کے اس ڈرامے کا ڈراپ سین تو ہو گیا آخر۔''

''آئی ایم سوری کرن!''

''آپ کے یہ الفاظ میری ایک ماہ کی اذیت، کرب، پریشانی اور دکھ کا ازالہ نہیں کر سکتے مسٹر صائم رحمٰن! آپ نے خود جو کیا سو کیا۔ آپ نے غیر مردوں کی زبان سے میرے لئے جو بازاری جملے ادا کرائے تھے ان کے لئے میں تمہیں اور انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ کو ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ آپ اپنی بیوی کی کس قدر تذلیل اور توہین کا باعث بن رہے ہیں۔'' وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''کرن! وجہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔''

''انتہائی نامعقول وجہ ہے یہ سر! بیوی کو بازاری اور فحش جملے سنوائے بغیر آپ کی آزمائش مکمل نہیں ہو سکتی تھی؟ اگر میں آپ کے ساتھ یہ سب کرتی تو کیسا لگتا آپ کو؟ اگر میں بھٹک جاتی تب کیا کر لیتے آپ؟ آپ نے تو مجھے خود دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ میں اب آپ کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔'' وہ غصے سے بولی۔

''کہاں جاؤ گی یہ گھر چھوڑ کر؟'' وہ تڑپ کر بولا۔

''آپ میری فکر نہ کریں سر! میں نے نہ تو خود کو کبھی شہزادی سمجھا ہے اور نہ ہی کسی شہزادے اور محلوں کے خواب دیکھے تھے، کہ مجھے آپ کا یہ دولت کدہ چھوڑتے ہوئے کوئی ملال ہو۔ میں نے اپنے بڑوں کی بات مان کر یہ رشتہ قبول کیا تھا۔ ورنہ مجھے آپ سے یا آپ کی امارت سے

کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آپ مجھ سے رشتہ جوڑنے آئے تھے۔ میں آپ سے اس رشتے کی بھیک مانگنے آپ کے در دولت پر نہیں آئی تھی۔ رقم بھی آپ نے اپنی دولت کا رعب جمانے کے لئے بھابھی کے بہانے دی تھی۔ ورنہ میری بھابھی لالچی عورت نہیں تھیں کہ مانتیں تو صرف پیسوں کے عوض مانتیں۔ بات منوانے کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔ مگر بعض لوگ اپنی سوچ کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں۔ میں نعیم بھائی کے پاس جا رہی ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھتی ہوئی جانے کے لئے مڑی تھی۔

''میں تمہارے ساتھ چلوں؟'' وہ بے کل ہو کر اس کے سامنے آیا۔

''جب میں آپ کو کہتی تھی۔ تب آپ کو جانا پسند نہیں تھا اور اب میں آپ کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کروں گی۔ میرا راستہ چھوڑیئے۔'' وہ بہت بے مروتی اور سنجیدگی سے بولی۔

''کرن ایک بار معاف کر دو پلیز کرن! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔

''ہونہہ محبت...... جب آپ واقعی محبت کرنا سیکھ جائیں ناں! تب یہ الفاظ ضائع کیجئے گا۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ سامان پہلے ہی لابی میں رکھا تھا۔

''کرن! کرن! میری بات تو سنو۔'' صائم اس کے پیچھے لپکا۔

''ڈرائیور! تمہیں چھوڑ آئے گا۔''

''اس احسان کی ضرورت نہیں ہے۔ احسان کرنا ہے تو یہ کریں کہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''میں مر جاؤں گا کرن!''

''آپ اپنے الفاظ کیوں ضائع کر رہے ہیں مسٹر صائم رحمٰن! بہتر ہو گا کہ اب کسی اور کو بیوقوف بنائیں۔'' وہ غصے سے بولی۔

''تم بیوی ہو میری۔ پورا حق رکھتا ہوں میں تم پر۔'' صائم رحمٰن نے جتانے والے انداز میں یاد دلایا۔

''ہونہہ......حق! پہلے بیوی کا کون سا حق ادا کیا ہے آپ نے؟ جواب حق کی پھانس چبھ رہی ہے؟ مجھے کوئی حق نہیں چاہئے۔ آپ جیسے بے حس اور دھوکے باز شخص سے مجھے صرف طلاق چاہئے۔'' وہ یہ کہہ کر رکی نہیں۔ سوٹ کیس اٹھا کر تیز تیز قدم اٹھاتی اس کی نظروں کے سامنے گیٹ سے باہر نکل گئی، اور وہ بے بسی سے دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کر کھڑا رہ گیا۔

''صاحب جی! آپ نے داڑھی اتار دی جی! ڈرامہ ختم ہو گیا؟'' کبریٰ نے اسے دیکھ کر پوچھا، تو وہ تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

''ہوں! ہاں ڈرامہ ختم ہو گیا ہے۔ کیمرے اتر گئے ہیں سب کو بتا دو۔''

''اچھا جی!'' کبریٰ مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔

اس نے گھر پہنچتے ہی عظمیٰ بھابھی کے گلے لگ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ گھبرائیں کہ کیا ہو گیا؟ اور پھر اس نے عظمیٰ بھابھی والی بات نکال کر باقی ساری حقیقت انہیں بتا دی۔ وہ بہت حیران ہوئیں اور پھر اسے چپ کراتے ہوئے بولیں۔

''چلو! یہ تو اچھا ہوا کہ صائم! ینگ ہے۔''

''وہ تو دھوکے باز ہے۔ ایسے حاصل کرتے ہیں محبت۔''

''ارے پگلی! پیسے والوں کے اپنے طریقے ہوتے ہیں۔ اب اس نے تمہیں آزما لیا ہے۔ اب تو وہ تمہاری دل و جان سے قدر کرے گا۔ جو کہو گی وہ مانے گا۔ یہ طلاق کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ ارے! خاندان والے صائم کو دیکھ کر جل جائیں گے۔ اتنا اچھا بر ملنے پر تو کچھ لوگ پہلے ہی جلے بیٹھے ہیں۔ اب اگر تم میکے بیٹھ گئیں تو لوگوں کو مذاق اڑانے کا موقع مل جائے گا۔'' عظمیٰ بھابھی نے پر آسائش زندگی کے اس نئے موڑ پر خود کو کافی سیٹ کر لیا تھا۔ اب تو بات بھی میٹھی کرنے لگی تھیں، اور لہجہ بھی رس میں ڈوبا ہوتا تھا۔ گھر کی فضا بہت خوشگوار ہو گئی تھی، خوشحالی سے۔

''بھابھی! یہ ہر کوئی میرا ہی مذاق کیوں اڑا رہا ہے؟ پہلے صائم اور اب...... میں نہیں جاؤں گی اس کے پاس۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''اچھا! مت جانا۔ ابھی کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں آرام سے رہو۔ تمہارا غصہ اور صدمہ کم ہو گا، تو خود بخود دل میں صائم کے لئے جگہ نکل آئے گی۔'' عظمیٰ بھابھی نے نرمی سے سمجھایا۔

''لیکن میں اسے اپنے دل میں جگہ نہیں دینا چاہتی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''کرن! میری بہن! شادی کے بعد لڑکی کو اپنے شوہر کے ساتھ نبھا کرنا ہی پڑتا ہے۔ صائم اگر تم سے سچا پیار کرتا ہے نا تو وہ خود تمہیں منا کر لے جائے گا۔ ورنہ تمہارے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جائے گی۔ اپنی عزت سے بڑھ کر لڑکی کو اپنے ماں، باپ اور بھائی کی شوہر کی عزت کا خیال رکھنا پڑتا ہے، اور شوہر کی ہر برائی، ہر زیادتی بھلا کر اسے اپنے دل میں بھی جگہ دینا ہوتی ہے، اور اس کے دل میں اپنے لئے جگہ بنانا ہوتی ہے۔ جو بہت مشکل کام ہے۔ مگر تم خوش قسمت ہو کہ تمہارا

شوہر تم سے پیار کرتا ہے۔ اس واقعے کے بعد اس دوری سے اس کے دل میں تمہاری محبت کی آگ مزید بھڑکے گی، پھر وہ دیوانوں کی طرح تمہارا طواف کرے گا۔ تمہیں لینے کے لئے دوڑا چلا آئے گا۔''

☆......☆.... ☆

''میں نے تم لوگوں کو منع بھی کیا تھا کہ اس ڈرامے میں مجھے مت گھسیٹو۔ کروا دیا نا ذلیل مجھے۔'' نفیس احمد نے وکی اور صائم رحمٰن کو دیکھتے ہوئے کہا۔ صائم رحمٰن اس وقت ان کے گھر موجود تھے۔

''ابو جان! ڈرامے میں بھی یہ رول ہی کرنا تھا آپ نے حقیقت میں ریہرسل کر لی اور کیا؟'' وکی نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ حالانکہ پریشان خود بھی تھا۔

''ریہرسل کا نتیجہ دیکھ لیا ہے نا تم نے کرن بیٹی گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔''

''ہم بھابھی کو منا لائیں گے۔''

''وہ بار بار مجھ سے طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے۔'' صائم رحمٰن نے پریشان لہجے میں کہا۔

''ظاہر ہے۔ جو کچھ ہم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ اسے تو ہم سے نفرت ہو گئی ہو گی۔ خیر تم ابھی کرن بیٹی کو مت چھیڑو۔ ابھی وہ غصے میں ہے۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا، تو ہم تینوں اس کے پاس جا کر ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لیں گے۔ تم طلاق دینے کی حماقت نہ کر بیٹھنا۔'' نفیس امتیاز نے سنجیدگی سے کہا۔

''کبھی نہیں انکل! اس کے بغیر تو اب مجھے سانس بھی نہیں آئے گی۔'' صائم نے دل سے کہا۔

''برخوردار! کھیل خراب تھا مگر لڑکی خدا نے تمہیں ہیرا دی ہے ہیرا۔ ایسی پاک و پاکیزہ اور باکردار لڑکی ہے وہ، کہ تمہیں اس کی قدر کرنی چاہئے۔ یہ معاملہ سیٹ ہو جائے، تو پھر کبھی اسے کوئی دکھ مت دینا۔ وہ تمہارے گھر کو جنت بنا دے گی۔'' نفیس امتیاز نے اسے سختی سے سمجھایا۔

''آئی نو انکل۔'' صائم رحمٰن نے دل سے اعتراف کیا۔

''نعیم بھائی سے بات کی تم نے۔'' وکی نے پوچھا۔

''ہاں کی تھی۔ انہوں نے بھی فی الحال اسے نہ چھیڑنے کا مشورہ دیا ہے۔''

''یار! میں بھابھی کے پاؤں پڑ جاؤں گا۔ ان سے کہوں گا کہ بھابھی میرے دوسرے گال پر تھپڑ مار دیں مگر پلیز میرے یار کی زندگی میں واپس لوٹ آئیں۔'' وکی نے اس انداز سے کہا کہ ان دونوں کو ہنسی آ گئی۔

جن سے ہمیں ہو پیار بہت کب ان کو آزمایا کرتے ہیں
اب طے کر لو دل جس سے دکھے تم ایسی شرارت مت کرنا

صائم رحمٰن اپنے بیڈ روم میں دیوار کے سامنے بت بنا کھڑا تھا اور دیوار پر آویزاں کرن کی انلارج کرائی گئی تصویر کو بہت محبت اور بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ ساڑھے پانچ فٹ قد کی مالک بھری بھری۔ جسامت والی، کلیوں جیسی رنگت، گلابوں سی سرخی سے بھرے لب اور خسار پر دہکتے چاند، آنکھوں کی سیاہی اور سفید چادر کا پرکشش پھیلاؤ اور شانوں تک لہراتے گھنے سیاہ چمک دار بال جو اس کے چہرے کے حسن کو چار چاند لگا رہے تھے۔ دل میں ثبت ہو جانے والے نین نقش تھے اس کے، اور جب صائم رحمٰن نے پہلی بار کرن کو دیکھا تھا تو اس نے سفید آنچل میں اپنے چاند چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا اور اس کے چہرے کی سادگی اور معصومیت پر مر مٹا تھا۔ آج اس کی معصومیت کو دھوکا دے کر آزردہ اور شرمسار تھا۔ اس کی تصویر کے سامنے کھڑا بس اسی کو سوچ رہا تھا۔ نیلے اور سفید رنگ کے خوبصورت لباس میں وہ آسمانی حور دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو چھوا اور اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

''جب تم پاس تھیں تو میں نے اتنے قیمتی لمحے گنوا دیئے اور اب...... پلیز کرن! مجھے معاف کر دو۔ میری راتیں اذیت ناک اور دن بے قرار گزرتے ہیں۔ میں نے بہت آسانی سے تمہیں پا لیا تھا نا۔ اسی لئے تمہاری قدر نہیں کی۔ اب اتنی ہی آسانی سے تم مجھ سے میری ہی حماقت کی وجہ سے دور ہو گئیں۔''

وہ اس سے مخاطب تھا۔ تھک کر بستر پر آ لیٹا۔ آنکھیں بند کیں تو اسی کا چہرہ ان میں آ سمایا۔ اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور اٹھ بیٹھا اور فون اٹھا کر نعیم بھائی کے گھر کا نمبر ملایا جو صائم نے انہیں دیا تھا۔ کرن فون کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ باقی سب تو سو چکے تھے۔ وہی اپنی سوچوں میں گم تھی کہ فون کی بیل نے اسے چونکا دیا۔ اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ رات کے سوا بارہ بج رہے تھے۔

''ہیلو۔'' کرن نے ریسور اٹھا لیا۔

''ہیلو کرن!''

''کون؟''

''صائم! پلیز فون مت بند کرنا۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''آپ نے اس وقت یہاں کیوں فون کیا ہے؟''

''مجھے نیند نہیں آ رہی، تمہاری یاد ستا رہی ہے۔''

''میری یاد ستا رہی ہے یا احساس جرم اور احساس ندامت سونے نہیں دے رہا۔'' وہ تلخی

سے بولی۔

''پلیز کرن! رحم کرو میرے حال پر معاف کر دو نا۔ میں اس گیٹ اپ سے تنگ آ گیا تھا۔ اسی لئے اس روز جان کر تم کو غلط کہا پلیز۔''

''اتنی جلدی تھک گئے آپ، ابھی تو میرے آنسو بھی خشک نہیں ہوئے جو مجھے آپ کی بے اعتباری، شک اور دھوکہ دہی نے دیے ہیں۔'' کرن نے سپاٹ لہجے میں کہا، تو وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔

''میں تمہارے سارے آنسو اپنے دامن میں جذب کرلوں گا، پلیز! مجھے ایک موقع دے دو۔ میں ساری زیادتیوں کا ازالہ کر دوں گا پلیز۔''

''آپ نے مجھے ایک ماہ تک بے وقوف بنائے رکھا۔ میرا مذاق بنایا۔ اب آپ بھی ایک ماہ بعد مجھ سے یہ بات کہیے گا۔ تب میں سوچوں گی کہ آپ کو معاف کیا جائے یا مزید سزا دی جائے اور اس عرصے میں آپ نہ تو مجھے فون کریں گے نہ ملاقات کی کوشش کریں گے اور نہ ہی میرے گھر آ کر مجھے دیکھیں یا مجھ سے بات کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر ایسا کیا تو مزید ایک ماہ کا انتظار بڑھ جائے گا۔''

''کرن! ایسا ظلم تو نہ کرو مجھ پر۔'' اس نے بے بسی سے احتجاج کیا۔

''تو ویسا ظلم کروں، جیسا آپ نے مجھ پر کیا ہے۔ اب آپ کو میری یاد ستا رہی ہے۔ جب میں آپ کے بیڈروم میں تھی۔ تب آپ کو میں نظر بھی نہیں آتی تھی۔ آپ نے بہت ہرٹ کیا ہے مجھے۔ میرے جذبات سے کھیلے ہیں آپ۔'' وہ سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں بولی۔

''مجھے احساس ہے اپنی غلطی کا، اسی لئے تو معافی مانگ رہا ہوں کرن! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''لیکن میں تمہارے بغیر رہ سکتی ہوں، گڈ نائٹ!'' اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ صائم رحمٰن نے شکستہ انداز میں ریسور کریڈل پر رکھ کر فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''لیکن ایک دن میری محبت تمہارے دل پر ضرور اپنا جادو جگائے گی۔ تب تم بھی میرے بغیر نہیں رہ سکو گی۔'' اس نے یقین سے کہا اور پھر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اور پھر اگلے دن وہ نفیس امتیاز اور وکی کو لے کر نعیم بھائی کے گھر آ گیا۔ کرن بڑی مشکل سے کمرے سے باہر ان کے سامنے آئی۔ ان تینوں نے اس سے معافی مانگی، وہ خاموش بیٹھی رہی۔

''بھابھی! بے شک مجھے ایک اور تھپڑ مار لیں مگر مان جائیں پلیز!'' وکی نے منت کی۔

''کرن! مان جاؤ بیٹا۔'' نعیم بھائی نے بھی کہا۔

''بھائی! آپ بھی ان کے ساتھ شامل تھے۔ سب جانتے تھے مگر آپ نے کچھ نہیں بتایا۔ جب وہ آپ سب کی مرضی تھی، تو یہ میری مرضی ہے کہ میں انہیں معاف کروں یا نہ کروں۔ مسٹر صائم نے یہ سمجھا ہوگا کہ میں غریب گھر کی لڑکی ہوں۔ لوگوں کی باتوں کے خوف سے ان کی یہ حرکت آسانی سے بھول جاؤں گی یہ ''سوری'' کہہ دیں گے اور بات ختم ہو جائے گی۔ بات ختم ہو جاتی اگر ان کی ذات تک محدود رہتی۔ انہوں نے اپنے دوست رشتے داروں کو ملازموں کو شامل کیا اس ڈرامے میں۔ گویا میں تو کھلونا تھی نا ان کی نظر میں۔ جب ان کا اس کھیل سے دل بھر گیا۔ تو ڈرامہ ختم کر دیا۔ چاہے مذاق، شرارت میں سہی انہوں نے آزمایا تو میری ذات کو، میرے کردار کو تھا نا۔ فی الحال میرے دل میں ان صاحبان کے لئے خاص کر مسٹر صائم رحمٰن کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے دعا کیجئے کہ ایسا ہو جائے اور میں انہیں معاف کر سکوں۔'' کرن نے نہایت سپاٹ اور تلخ لہجے میں کہا اور سب کو شرمندگی سے گہری چپ میں دھکیل کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

''کرن بیٹی! کو وقت چاہئے۔ اسے وقت دینا ہوگا۔ فی الحال کچھ عرصے کے لئے یہ بات ختم کر دو صائم! بعد میں دیکھیں گے۔'' نفیس امتیاز نے کہا۔

وہ بجھے بجھے انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

کئی دن گزر گئے۔ صائم رحمٰن اس کے پیار میں پاگل ہو رہا تھا اور وہ خاموشی سے میکے میں رات دن گن رہی تھی۔ دل میں اداسی سی چھائی رہتی تھی ہر دم۔ آج عظمٰی بھابھی اسے زبردستی اپنے ساتھ بازار لے آئی تھیں۔ انہیں کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔ کرن کو بھی اپنے لئے ایک سوٹ پسند آیا تو اس نے پیک کرنے کی غرض سے دکاندار کو دے دیا۔

''بل کتنا ہے؟'' اس نے دکاندار سے شاپنگ بیگ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ساڑھے چار ہزار روپے۔''

''کیا...... ایک سوٹ خریدا ہے میں نے اور اتنا زیادہ بل۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''باجی! آپ کے سوٹ کے پانچ سو روپے ہیں اور جو دو سوٹ صاحب نے خریدے ہیں۔ ان کے چار ہزار روپے ہیں۔'' دکاندار نے بتایا۔

''کون سے صاحب نے خریدے ہیں؟''

''آپ کے میاں صاحب نے۔'' اس کے پیچھے سے صائم کی آواز آئی تو وہ بری طرح چونک کر پلٹی۔

''آپ۔''

''جی خادم۔'' وہ سرخم کر کے مسکرایا۔

''مجھ پر یہ مہربانی کیوں؟'' اس کا منہ بن گیا تھا۔ تپ کر پوچھا۔

''کیونکہ آپ میری بیوی ہیں۔ آپ کے اخراجات اٹھانا اور بل ادا کرنا اب میری ذمے داری ہے اور ویسے بھی میں نے سنا ہے کہ مہربانی کرنے سے لوگ مہربان ہو جاتے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے بولا تو وہ سرخ پڑ گئی۔

''ارے! صائم بھائی آپ۔'' عظمیٰ بھابھی اپنی شاپنگ مکمل کر کے اس طرف آئیں تو صائم کو خوش گوار حیرت سے دیکھا۔

''السلام وعلیکم بھابھی!'' صائم نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! آپ یہاں کیسے؟''

''دیکھ لیں بھابھی! دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ہم تو اپنی بیگم صاحبہ کی کشش میں یہاں کھنچے چلے آئے ہیں۔ ان کو شاپنگ کرا دی ہے۔ تو یہ خفا ہو رہی ہیں۔'' صائم رحمٰن نے کرن کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو پاگل ہے۔''

''بھابھی! پاگل تو ہم بھی ہیں۔ مگر ان کے پیار میں۔'' صائم رحمٰن نے آہستگی سے کہا کرن حیا اور غصے سے سرخ چہرہ لئے وہاں سے ہٹنے لگی تو صائم رحمٰن نے اس کی چادر کا پلو پکڑ لیا۔

''ایک منٹ جلدی کیا ہے اکٹھے چلتے ہیں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور شاپنگ کا بل ادا کر کے شاپنگ بیگ اٹھا لیا۔ جو کرن چھوڑ چکی تھی۔

''چلئے بھابھی! آپ کو اچھی سی آئس کریم کھلاتا ہوں۔''

''اس ٹھنڈ میں آئس کریم اُف۔'' وہ ہنس دیں اور تینوں دکان سے باہر نکل آئے۔

''کچھ لوگوں کا مزاج بہت گرم ہو رہا ہے۔ ان کے لئے تو آئس کریم ہی ٹھیک رہے گی۔ شاید آئس کریم کی ٹھنڈک سے ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے۔'' صائم رحمٰن کا اشارہ کرن کی طرف تھا۔ وہ خوب سمجھ رہی تھی اور پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

''تو بھائی! جس کا مزاج گرم ہے۔ تم اسے آئس کریم کھلاؤ اور مجھے تو چائے یا سوپ پلوا دو۔'' عظمیٰ بھابھی نے ہنس کر کہا۔

''ضرور بھابھی!''

''بھابھی! گھر چلیں دیر ہو رہی ہے۔'' کرن نے کہا اس کے چہرے سے بے زاری عیاں تھی۔ صائم رحمٰن مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔

''چلتے ہیں کرن! تم تو بہت ہی بے مروت ہو۔'' عظمیٰ بھابھی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، تا کہ وہ کہیں اور نہ جا سکے اور صائم رحمٰن مسکراتے ہوئے انہیں قریبی ریسٹورنٹ میں لے گئے۔ صائم رحمٰن نے کرن کے لئے آئس کریم منگوائی اور اپنے اور عظمیٰ بھابھی کے لئے سوپ منگوایا۔

''آئس کریم کھایئے بیگم صاحبہ! آپ کے غصے کی آگ سے یہ بھی پگھل رہی ہے۔'' صائم رحمٰن نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر عظمیٰ بھابھی سے پوچھنے لگے۔

''بھابھی! نعیم بھائی اور بچوں کا کیا حال ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔ سب ٹھیک ہیں اور سب گھر پر ہیں۔''

''ہوں'' آپ آئی کیسے تھیں آئی مین کونیئنس''

''رکشے میں آئے تھے، واپسی بھی اسی طرح جائیں گے۔''

''ارے بھابھی! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میری گاڑی کے ہوتے ہوئے آپ رکشے میں گھر جائیں۔ میں آپ دونوں کو گھر چھوڑ دوں گا۔''

''جی نہیں! ہم ٹیکسی سے چلے جائیں گے۔'' کرن نے سلگ کر کہا۔

''ہم بھی تو عمر بھر آپ کے ٹیکسی ڈرائیور کا چارج سنبھالنے کو تیار ہیں۔ آپ ہمیں بھی اپنی خدمت کا موقع دیجیے نا۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولے۔ وہ رخ پھیر گئی۔ وہ آہستگی سے بولے۔

''کرن یار! اب گھر آ جاؤ نا۔ میں ساری رات تارے گنتا ہوں یا خودکشی کے طریقے ایجاد کرتا رہتا ہوں۔''

''ہونہہ...... بزدل اور ناکام عاشقوں والی حرکتیں۔'' وہ بڑبڑائی۔

''آپ سے اور امید بھی کیا کی جا سکتی ہے۔''

''میں تو تمہیں خوفزدہ کرنے کے لئے کہہ رہا تھا مگر۔'' وہ رنجیدہ ہو گئے۔

''مجھے آپ کی کسی حرکت کا کوئی خوف نہیں ہے آپ خودکشی کریں یا تارے گنیں میری بلا سے۔'' وہ نہایت سفاکی سے بولی۔

''اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اس حسین زندگی کو حرام موت کی نذر کر دوں۔ میں تو تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ تمہاری جدائی ہی میری موت کے لئے کافی ہوگی۔ اس بے رخی کا پھندا

ہی میرے لئے بہت ہے۔ میری سزا بڑھائے جاؤ ایک دن جب یہ خبر تمہیں ملے کہ میں نہیں رہا تو یہ ہرگز مت سمجھنا کہ میں نے خودکشی کی ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا کہ میری قوت برداشت ختم ہوگئی تھی۔ میں تمہاری مزید جدائی سہنے کی سکت خود میں نہیں پا رہا تھا۔ لہٰذا ون ٹو تھری گو۔'' وہ آہستگی سے سوپ کا سپ لیتے ہوئے بولے۔

''کرن! اب مان بھی جاؤ اور کتنا پریشان کرو گی صائم کو۔'' عظمیٰ بھابھی نے سوپ پیتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''انہوں نے تو جیسے خوشیوں اور محبتوں کے چمن میں رکھا تھا نا۔'' وہ سلگ کر بولی۔

عظمیٰ بھابھی حیرانگی سے بولیں۔

''کیا ہوگیا ہے تمہیں، تم تو بہت پیار کرنے والی درگزر کرنے والی لڑکی ہو پھر......''

''پھر بھابھی! یہ میرا ہی نصیب ہے اس کو مجھے ستانے میں مزا آ رہا ہے۔'' صائم رحمٰن نے مسکرا کر کہا۔

''بھابھی! چلیں۔'' وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔

''چلئے بھابھی! ہمارا کھانا، پینا تو پہلے ہی انہوں نے ختم کر دیا ہے اب اس بہانے جو معدے کو خوراک مل جاتی وہ بھی گئی۔''

صائم رحمٰن بھی سوپ سے ہاتھ کھینچ کر کھڑے ہوگئے۔ کرن نے اس بار چونک کر انہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے پہلے کی نسبت قدرے کمزور دکھائی دیے۔

''حد کرتی ہو کرن تم۔'' عظمیٰ بھابھی اسے سارے راستے ڈانٹتی ہوئی گھر پہنچیں۔ نعیم بھائی، صائم رحمٰن کو ان کے ساتھ دیکھ کر خوش ہوگئے۔ وہ سمجھے کہ کرن اور صائم کا جھگڑا اور ناراضگی ختم ہوگئی ہے مگر، کرن کو گاڑی سے اترتے ہی منہ بنائے سیدھے اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تو ان کی خوشی ماند پڑ گئی۔

''کیوں یار! کوئی بات بنی؟'' انہوں نے صائم سے ملنے کے بعد پوچھا۔

''وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتی تو بات کیا بنے گی بھائی جان۔'' انہوں نے آہ بھر کر کہا۔

''میں بات کروں گا کرن سے۔''

''نہیں بھائی! یہ بات تو مجھے ہی بنانی ہے اب چاہے جیسے بھی۔''

''صائم بھائی! آپ کھانا کھا کر جایئے گا میں بریانی بنا رہی ہوں۔'' عظمیٰ بھابھی نے ان سے کہا۔

''جی ضرور بھابھی! بہت دن ہوگئے ہیں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔'' انہوں نے باآواز بلند کہا، آواز جسے سنانا مقصود تھی وہ پیچ و تاب کھا رہی تھی اور کھانے کی میز پر جب سب کھانا کھانے لگے تو کرن کمرے میں ہی رہی۔ صائم تو اس کی وجہ سے اتنی دیر تک یہاں رکے رہے تھے کہ کھانے کی میز پر دیدار ہو جائے گا مگر اس کے نہ آنے سے انہیں بہت دکھ ہوا تھا۔ گھر جانے سے پہلے وہ اس کا شاپنگ بیگ اسے دینے کے لئے اس کے کمرے میں آئے تو اسے کسی گہری سوچ میں گم دیکھ کر بولے۔

''خیالوں میں گم ہونے سے بہتر ہے کہ انسان کسی کے پیار میں کھو جائے۔''

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ انہیں دیکھ کر سٹپٹا کر بولی اور بستر سے اتر گئی۔

''مجھے یہاں آنے سے کون روک سکتا ہے؟ ویسے میں تمہاری چیزیں دینے آیا تھا۔ جو تم دانستہ میری گاڑی میں چھوڑ آئی تھیں۔'' وہ شاپنگ بیگ اس کے بیڈ پر رکھ کر بولے۔

''مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔''

''نہ ہو، مگر میرا تو فرض بنتا ہے نا کہ میں تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھوں۔ آخر تم بیوی ہو میری، حق ہے تمہارا مجھ پر۔'' وہ اس کے خفا خفا گلاب چہرے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولے، تو اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہونہہ......حق، فرض، بیوی۔ پہلے تو جیسے بیوی کے سارے حقوق ادا کرتے رہے ہیں ناں۔ جو یہ ایک ادا نہ ہوا تو بہت بڑی زیادتی ہو جائے گی۔''

''میں مانتا ہوں کہ میں نے بہت بڑی زیادتی کی ہے تمہارے ساتھ، میں تلافی کرنا چاہتا ہوں اپنی زیادتی کی، تم مجھے ایک موقع تو دو کرن پلیز!''

''میں نے آپ سے کہا تھا کہ مجھ سے ایک ماہ تک ملنے یا بات کرنے کی کوشش مت کریں مگر آپ ہر دوسرے روز یہاں نازل ہو جاتے ہیں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''میرا دل نہیں لگتا تمہارے بغیر۔''

''جھوٹ۔''

''سچ کہہ رہا ہوں کرن! جب سے تم یہاں آئی ہو، میری بھوک، پیاس، نیند، سکون سب ختم ہوگیا ہے۔ میرا گھر جانے کو دل نہیں چاہتا اور اپنے بیڈ روم میں جاتا ہوں تو کہیں تمہاری چوڑیوں کی کھنک گونجنے لگتی ہے اور مجھے چونکا دیتی ہے۔ کہیں تمہاری آواز کے پھول بکھرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ کبھی تمہارے ملبوس کی سرسراہٹ دل کو بےکل کر دیتی ہے تو کبھی تمہارے نرم

کومل سے ہاتھوں کالمس میرے بدن میں حرارت بن کر تمہارے وہاں نہ ہونے کی اذیت کا اور بھی زیادہ شدت سے احساس دلانے لگتا ہے۔ میں کھانے کے لئے صرف تمہاری خاطر رکا تھا۔ تم نے میرے سامنے ایک میز پر کھانا بھی پسند نہیں کیا۔ مانا کہ میں نے تمہارا دل دکھایا ہے مگر میں شوہر ہوں تمہارا مہمان سمجھ کر حقِ میزبانی نبھانے کو چلی آتیں۔ میری بھی کچھ بھوک، کچھ پیاس مٹ جاتی۔ احساسِ جرم سے تمہاری بے رخی سے سوچ سوچ کر، پریشان ہو ہو کر میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔ اب کچھ اور نہیں تو کم از کم ایک پین کلر ہی اپنے ہاتھ سے کھلا دو تا کہ یہ درد ختم ہو جائے۔'' وہ اس کی چوڑیوں کو چھیڑتے ہوئے سنجیدگی اور بے بسی سے بولے۔

''بزرگ! سمجھ کر بہت خدمت کر چکی ہوں میں آپ کی، اب مجھے آپ کی کسی بات پر اعتبار نہیں ہے۔'' وہ سنگ دلی سے بولی تو وہ تھک کر کرسی پر گر گئے۔

''میرے ساتھ تو وہی معاملہ ہو گیا ''شیر آیا، شیر آیا والا'' جب سچ مچ مر بھی گیا نا تو تم کہو گی کہ ڈرامہ کر رہا ہوں۔''

''یہ آپ بار بار مجھے اپنی موت سے ڈرانے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟''

''انسان کو کوشش ترک نہیں کرنی چاہئے۔ شاید کامیابی حاصل ہو جائے۔'' وہ ہنس کر بولے اس نے ایک دم سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اور ایک بات تو بتائیں۔ وہ دوا کے نام پر جو گولیاں آپ کھاتے رہے ہیں وہ کس چیز کی گولیاں تھیں؟''

''وہ تو وٹامنز کی گولیاں تھیں۔''

''او...... کیا خوب پلاننگ تھی۔ آپ کی، آپ کو تو اس سال کے تمام آسکر ایوارڈز ملنے چاہئیں۔ کمال کے پلانر اور ایکٹر ہیں آپ تو۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''شکریہ بیگم صاحبہ!'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ جائیں یہاں سے۔''

''میں تو نہیں جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے پھر میں چلی جاتی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر جانے لگی، تو انہوں نے اس کی کلائی تھام لی۔

''چھوڑیں مجھے۔'' اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ان کے ہاتھ کا لمس اس کے رگ وپے میں بجلی بن کر دوڑ گیا تھا۔ دل کی دھڑکنیں منتشر ہو گئی تھیں۔

''تمہیں چھوڑ دیا تو زندگی مجھے چھوڑ دے گی۔'' وہ کھڑے ہو کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بالوں کو اس کے کان کے پیچھے سیٹ کرتے ہوئے پیار سے بولے۔

''مجھ سے یہ ڈائیلاگ مت بولیں۔'' وہ انجان بن کر بولی۔

''یہ ڈائیلاگ نہیں ہے کرن! یہ میرے دل کی آواز ہے پلیز جان! گھر چلو، تمہارے بغیر وہ گھر سونا ہو گیا ہے۔ میری تو راتیں ہی نہیں صبحیں اندھیر ہو گئی ہیں۔ تمہارے پیار کی کرنوں کی ضرورت ہے مجھے پلیز کرن۔'' وہ اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولے اور اس کا دل ساری خفگی، سارا غصہ بھلا کر پگھل گیا۔ مگر وہ پھر بھی اپنی بات پر اڑی رہی۔ ان کی باتوں پر تو اسے روزِ اول ہی یقین آ گیا تھا مگر وہ انہیں سزا دینے کے چکر میں تھی۔ ان کے دل میں اپنی محبت، اپنا مقام خود دیکھنا چاہتی تھی۔

''فی الحال، میں کہیں نہیں جا رہی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی تو وہ بجھ سے گئے۔

''ٹھیک ہے! جیسے تمہاری مرضی مگر یہ یاد رکھنا کہ میں تم سے بے پناہ پیار کرتا ہوں۔ مہینے سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اور تم مہینے کی بات کرتی ہو۔ ذرا حساب تو لگا کر دیکھو کتنی سزا دو گی مجھے؟''

''آپ نے میری بات نہیں مانی تو مہینے کا کیا ذکر؟''

''او کے! چلتا ہوں، اپنا خیال رکھنا، اور ہو سکے تو میرا بھی۔'' صائم نے گہرا سانس لے کر کہا اور پھر چند سیکنڈ اس کے چہرے کو دیکھنے کے بعد بے اختیار اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے۔ وہ تو بری طرح سٹپٹا گئی۔ ناراض نظروں سے انہیں گھورا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''تم نہ کرو، میں تمہیں پیار ضرور کروں گا بائے۔''

وہ چلے گئے تھے اور اپنا پیار اس کے ماتھے پر ہی نہیں دل و روح پر بھی چھوڑ گئے تھے۔ اس کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ حیا کے، خوشی کے، محبت و احساس کے کئی رنگ اس کے اندر باہر بکھر گئے تھے۔ رات کو سونے کے لئے لیٹی تو صائم کا پیار بھرا لہجہ اس کے کانوں میں رس گھولتا رہا اور اسے پتا بھی نہ چلا اور وہ صائم رحمٰن کے سنگ خوابوں اور محبتوں کے سفر پر رات بھر چلتی رہی۔ دن کے دس بج رہے تھے جب سو کر کمرے سے باہر نکلی۔ گھر میں بہت خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ نعیم بھائی آفس جا چکے تھے، آمنہ، آصفہ، اسکول میں تھیں اور اس کا بھتیجا ندیم کھیل رہا تھا۔ عظمیٰ بھابھی کچن میں تھیں۔

''اٹھ گئیں تم۔'' وہ اخبار لے کر بیٹھی ہی تھی کہ بھابھی چلی آئیں۔

''جی۔'' وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اتنی دیر تک وہ کبھی نہیں سوئی تھی۔

''ناشتہ رکھا ہے۔ کچن میں کر لو۔''

''تھوڑی دیر میں کروں گی۔ ذرا اخبار دیکھ لوں میرا رزلٹ آؤٹ ہونا تھا۔'' وہ اخبار میز پر پھیلاتے ہوئے بولی۔

''کرن! آخر کیا سوچا ہے تم نے؟'' عظمیٰ بھابھی کا لہجہ اور انداز بہت سنجیدہ تھا۔

''کس بارے میں؟''

''صائم کے بارے میں۔''

''میں سمجھی نہیں بھابھی!'' اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا تھا۔

''تم ناسمجھی میں اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا، لوگ تو نہ جانے کیا کچھ سمجھ رہے ہیں۔ روز کوئی نہ کوئی فون آ جاتا ہے۔ خاندان کی آنے والی عورتیں یہی پوچھتی ہیں کہ کرن ڈیڑھ ماہ سے میکے کیوں بیٹھی ہے۔ کہیں میاں سے اَن بن تو نہیں ہو گئی۔ کیا کرن امید سے ہے جو یہاں آرام کرنے آئی ہوئی ہے۔ کیا کرن کو اس کے شوہر نے قبول نہیں کیا؟ طرح طرح کے سوالات پوچھتی ہیں۔ ارے وہ سب تو خوش ہیں کہ تم میکے بیٹھی ہو۔ خدانخواستہ اپنی اسی اکڑ اور انا کی وجہ سے اگر مستقل گھر بیٹھ گئیں تو دیکھنا کیسے لڈو پھوٹیں گے ان کے دلوں میں، وہ کب خوش ہیں تمہیں اچھے گھر کی دلہن بنے دیکھ کر۔ وہ تو دل سے چاہیں گے کہ تم طلاق یافتہ کہلاؤ۔''

''نہیں بھابھی! میں ایسا نہیں چاہتی۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''تو کیسا چاہتی ہو، دیکھو عورت کو زیادہ نخرے زیب نہیں دیتے۔ مرد کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اتنے ہی نخرے دکھاؤ جتنے شوہر برداشت کر سکے۔ صائم تمہیں چاہتا ہے۔ معافی وہ اپنی غلطی کی مانگ چکا ہے دوبار اس کے ماموں اور کزن بھی آ کر تم سے معذرت کر چکے ہیں اور کیا کریں وہ لوگ تمہارے پاؤں پڑ جائیں یا پھانسی لگ جائیں۔ وہ تمہیں بہت اچھی اور اعلیٰ ظرف کی لڑکی سمجھتے ہیں۔ ان کے اس خیال کو اپنے منفی رویے سے ختم کر کے منفی خیال میں مت بدلو۔ نقصان اٹھاؤ گی۔'' عظمیٰ بھابھی نے سنجیدگی اور درشتگی سے سمجھایا۔

''تو آپ ہی بتائیں بھابھی! میں کیا کروں؟'' وہ پریشان ہو کر بولی۔

''ناراضگی ختم کرو اور اب جب صائم آئے تو اس کے ساتھ چلی جانا اور ہاں تمہارے بھائی جان بھی ایسا ہی چاہتے ہیں۔ انہیں تمہاری ضد اور رات کھانے پر نہ آنے والی حرکت پر غصہ تو بہت آیا تھا مگر ضبط کر گئے۔ کیا کمی ہے صائم رحمٰن میں ارب پتی ہے اکلوتا ہے نہ ماں، باپ نہ بھائی، بہن راج کرو گی اس کے محل میں اور صورت سیرت کا بھی شاندار ہے۔ سب سے بڑھ کر تم سے پیار کرتا ہے۔ ارے تم تو خوش قسمت ہو کہ اتنا اچھا شوہر ملا ہے تمہیں، ورنہ صائم رحمٰن کے لئے لڑکیوں

کی کمی تو نہیں ہے۔ اگر وہ کسی اور لڑکی میں دلچسپی لینے لگا۔ تمہاری اس بے رخی سے تنگ آ کر تو تم برداشت کر لو گی؟'' عظمیٰ بھابھی اسے حقائق سے اچھی طرح آگاہ کرا رہی تھیں وہ پہلی بار اتنی خوف زدہ ہو رہی تھی۔ اس طرح سے تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

''میں تو صائم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ میں انہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔'' اس نے دل میں اعتراف کیا۔

''رزلٹ دیکھ کر ناشتہ کر لینا۔'' عظمیٰ بھابھی نے کہا تو وہ چونک گئی اور اخبار پر جھک گئی۔ اس کا رزلٹ اخبار میں آیا ہوا تھا۔ اس کی نظریں تیزی سے رول نمبرز میں اپنا رول نمبر ڈھونڈ رہی تھیں۔ بالآخر اسے اپنا رول نمبر مل ہی گیا اس کا اے گریڈ آیا تھا۔ وہ خوشی سے چیخ اٹھی۔

''بھابھی! میرا اے گریڈ آیا ہے۔ میں پاس ہو گئی بھابھی۔''

''مبارک ہو! چلو اسی خوشی میں شام کو گھر میں چائے کی دعوت کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ میں صائم کو بلا لوں گی۔ تم اچھی طرح تیار ہو جانا اور اس کے ساتھ چلی جانا۔'' عظمیٰ بھابھی نے اسے گلے لگا کر فوراً سارا پروگرام بناتے ہوئے کہا۔

''جی بھابھی! ٹھیک ہے۔'' وہ خوشی اور حیا سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''چلو! پھر ناشتہ کر کے مینو سوچ لو، میں صائم کو فون کر دیتی ہوں۔''

''بھائی جان کو بھی بتا دیں۔''

''اچھا! بتاتی ہوں انہیں بھی۔'' وہ ہنستے ہوئے ٹیلی فون کی طرف بڑھ گئیں۔

شام کو چائے پر اس نے چکن رولز، پیزا پاکٹس، کباب، کیک اور گاجر کا حلوہ تیار کیا تھا۔ مٹھائی نعیم بھائی لے آئے تھے۔ وہ بہت دنوں بعد بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ باٹل گرین ہلکے کامدار سوٹ پر جیولری بھی میچنگ کی تھی۔ میک اپ، بالوں کا دلکش اسٹائل اسے بہت حسین بنا رہا تھا۔ صائم رحمٰن کے سنگ جانے کے خیال سے اس کے دل میں خوشی سے شادیانے بج رہے تھے۔ مگر اس کی ساری خوشی اس وقت ماند پڑ گئی۔ جب شام سوا پانچ بجے صائم رحمٰن کا ڈرائیور اس کے لئے ایک بکے، کیک اور مبارک باد کی چٹ دے گیا۔

''دیکھا آپ نے وہ جان بوجھ کر نہیں آئے، جانتے تھے ناں کہ انتظار ہو گا جناب کا، میری کامیابی کی انہیں خوشی ہوتی تو اس طرح ڈرائیور کے ہاتھ پھول اور کیک نہ بھجواتے۔ ہونہہ...... بڑے آئے محبت کرنے والے۔'' کرن نے عظمیٰ بھابھی کو دیکھ کر غصے سے کہا۔

''ہو سکتا ہے کہ انہیں کوئی کام پڑ گیا ہو یا ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہو۔'' عظمیٰ

بھابھی نے فکر مندی سے کہا۔

”زیادہ خراب کیوں؟ کل تک تو بھلے چنگے تھے وہ۔“

”تم نے غور سے دیکھا تھا انہیں، کتنے کمزور لگ رہے تھے۔ سر میں الگ درد تھا۔ تمہارے نہ آنے کی وجہ سے کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا تھا اور صبح جب میں نے انہیں فون کیا تھا۔ تو وہ گھر پر ہی تھے بتا رہے تھے کہ طبیعت خراب ہے۔ بخار ہو رہا ہے۔ شاید آفس نہ جا سکیں۔ ضرور ان کا بخار بڑھ گیا ہوگا۔ ورنہ وہ یہاں ضرور آتے۔ میں نعیم سے کہتی ہوں جا کر ان کا پتا کریں۔ تم تو ناحق ان سے بدگمان ہوتی رہتی ہو۔“ عظمیٰ بھابھی نے سنجیدگی سے اسے ساری بات بتانے کے بعد کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ان کی بیماری کا سن کر تو اس کا دل بھی بے چین ہو گیا تھا۔

”ساری غلطی میری ہے۔ کل اگر میں انہیں دوا کھلا دیتی، ان کی بات مان کر ان کے ساتھ چلی جاتی تو کیا تھا۔ ان کی شرارت کی سزا تو انہیں مل ہی چکی ہے۔ یا اللہ! صائم کو صحت مند اور سلامت رکھنا۔“ کرن نے پریشان ہو کر کہا اور دل سے دعا مانگی۔

نعیم بھائی رات گئے لوٹے تھے۔ صائم رحمٰن کو واقعی بہت تیز بخار تھا۔ یہ سن کر تو کرن کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ دل میں چھپی ان کی محبت بھی مچل کر باہر آ گئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر ان کے پاس پہنچ جائے مگر خود سے کیوں اور کیسے جائے۔ انا کے یہ سوال اسے روکے ہوئے تھے۔ لہٰذا اس نے صرف دعاؤں پر ہی ساری توجہ مرکوز کر لی۔ تین دن گزر گئے۔ عظمیٰ بھابھی اور نعیم بھائی، صائم رحمٰن کو روز ملنے جاتے رہے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ اب وہ کافی بہتر ہیں پہلے سے۔

”کرن! تم صائم کی بیماری میں بھی وہاں نہیں گئیں۔ وہ کیا سوچتے ہوں گے تمہارے بارے میں، بیوی ہو تم ان کی۔“ عظمیٰ بھابھی نے اسے شام کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر کہا تو وہ سنجیدگی سے بولی۔

”تو بیوی بنا کر رکھا کب تھا انہوں نے مجھے، پہلے بھی نرس بنائے رکھا تھا۔ اب جاتی تو اب بھی نرس کا کردار ادا کرنے کے لئے۔“

”ایک تو تمہاری سوئی وہیں اٹکی ہوئی ہے اب تک۔ صائم جیسا لونگ اور ڈیشنگ بندہ ملے گا تمہیں کہیں۔“ عظمیٰ بھابھی نے اسے سمجھانا چاہا۔

”بھابھی جان: آپ بھی کسے سمجھا رہی ہیں۔ جسے میری یا میرے پیار کی کوئی قدر ہی نہیں ہے۔ ہو بھی کیسے؟ اس نے کبھی پیار کیا ہو تو اسے خبر ہو کہ اپنوں کی بے رخی سے دل پر کیا

قیامت گزرتی ہے۔“ صائم رحمٰن نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کرن کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ان کے یوں اچانک چلے آنے پر حیران، پشیمان ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی صورت دیکھ کر شاد مان بھی ہو گئی تھی۔ سیاہ پینٹ کوٹ اور نیلی شرٹ میں ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ بہت ڈیشنگ لگ رہے تھے۔

”اچھے وقت پر آئے صائم بھائی! میں نے چائے دم پر رکھی ہے اور پکوڑے تل رہی ہوں۔ بس ابھی لائی آپ بیٹھیں۔“ عظمیٰ بھابھی نے انہیں دیکھ کر خوش ہو کر کہا۔

”شکریہ بھابھی!“ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

”کیسی ہو؟“ صائم رحمٰن نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”خوش ہوں۔“

”میرے بغیر؟“ صائم رحمٰن نے بڑے مان بھرے انداز میں کہا تو اس نے بے اختیار ان کے چہرے کو دیکھا اور نظریں جھکا کر دلی کیفیت کو چھپاتے ہوئے بولی۔

”آپ کے ساتھ نے کون سی خوشیاں دی تھیں مجھے کہ مجھے ملال ہوتا۔“

”ٹھیک کہا تم نے، لیکن خوشیاں دینا چاہتا ہوں میں تمہیں، تم مجھ پر بھروسہ کر کے دیکھو۔ تم تو میری طرف دیکھتی بھی ڈھنگ سے نہیں ہو۔ ارے دنیا کی آدھی لڑکیاں مرتی ہیں میری اس شکل پر۔“ وہ شوخی سے بولے۔

”جی ہاں! دنیا کی آدھی لڑکیاں اور آپ کی صورت پر مرتی ہیں اور آدھی لڑکیاں آپ کی دولت پر مرتی ہیں۔ اسی طرح ساری لڑکیاں مر گئیں اور میں رہ گئی باقی آپ کے لئے۔“ وہ مسکرا کر بولی وہ ہنس پڑے۔

”فخر کرو اپنی قسمت پر لڑکی! صائم رحمٰن ہر کسی کو دل میں جگہ نہیں دیا کرتا۔“

”اوہو! عنایت ہے آپ کی۔“ اس نے ہنسی اڑانے کے سے انداز میں کہا۔

”بالکل! خیر یہ لو، یہ تمہارا اے گریڈ میں پاس ہونے کا گفٹ سوری میں اس روز نہیں آسکا تھا۔ بیمار ہو گیا تھا۔ سنا ہے تم نے میرا انتظار کیا تھا۔“ وہ اپنے کوٹ کی جیب میں سے ایک خوبصورت سا چھوٹا سا پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شرارت سے بولے۔

”جی نہیں۔“ وہ گفٹ لے کر فوراً کمرے کی طرف چلی گئی۔ وہ ہنس دیے۔

”یہ کرن کہاں گئی؟“ عظمیٰ بھابھی چائے، پکوڑے اور گاجر کا حلوہ ٹرے میں سجائے لاؤنج میں آئیں تو اسے نہ پا کر پوچھا۔

''کہاں جائے گی وہ بھابھی یہیں ہے میرے دل میں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم بھی اس کے دل میں ہو۔'' وہ ہنس کر انکشاف کر رہی تھیں۔

''واقعی بھابھی؟'' وہ خوشی سے بولے۔

''ہاں! تمہیں تو اپنا حق منوانا اور جتانا بھی نہیں آتا۔ وہ زیادہ دیر کسی سے ناراض ہونے والی نہیں ہے۔'' عظمیٰ بھابھی نے انہیں چائے کا کپ دیتے ہوئے کہا۔

''تو یہ مشق ستم مجھی پر کیوں؟''

''یہ تو تم جانو، میں تو اتنا جانتی ہوں کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں پھر آمنہ کو آواز دے کر کہا۔

''آمنہ بیٹا! اپنی پھپھو کو بلا کر لاؤ ان سے کہو چائے پی لیں۔''

''اچھا امی!'' آمنہ، کرن کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''اور صائم بھائی! اب طبیعت کیسی ہے؟''

''کافی بہتر ہے بھابھی۔ بس دوائیں دو چار دن ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق مزید کھانا ہوں گی۔'' وہ چائے کا گھونٹ بھر کر بولے۔

''امی! امی! پھپھو تو رو رہی ہیں۔'' آمنہ نے آکر بتایا تو ان دونوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا

''میں نے تو اسے امتحان میں کامیابی کا تحفہ دیا تھا۔ لگتا ہے تحفہ پسند نہیں آیا۔''

''نہیں کوئی اور وجہ ہے'' عظمیٰ بھابی نے کہا۔

''اینف از اینف۔ بھابھی میں اسے لے جا رہا ہوں۔'' صائم رحمٰن کو ایک دم جوش چڑھا۔ انہوں نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور تیزی سے کرن کے کمرے کی طرف لپکے اور اس کے سر پر جا پہنچے۔

''کرن! چلو۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ سے اٹھانا چاہا۔

''کہاں؟'' اس نے روتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''جہاں میں لے جاؤں اٹھو فوراً۔'' وہ یہ کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تیزی سے کھینچتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اس نے پاؤں میں جوتے بھی نہیں پہنے تھے۔ دوپٹہ بھی بمشکل گرنے سے بچایا تھا۔ صائم گفٹ پیک اٹھا چکے تھے۔

''کہاں لے جا رہے ہیں آپ اس طرح سے مجھے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ مگر وہ خاموش

تھے۔ عظمیٰ بھابھی نے جو یہ منظر دیکھا تو پریشان ہو گئیں، لیکن صائم رحمٰن نے پیچھے سے مڑ کر انہیں مسکراتے ہوئے انگوٹھا دکھا کر سب ٹھیک ہو جائے گا کا اشارہ کیا تو وہ بھی مطمئن ہو کر مسکرا دیں۔

صائم اسے گاڑی میں بٹھا کر گاڑی تیزی سے ''صائم ولا'' کی طرف لے گئے۔

''آہستہ چلائیں! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ ان کے تیز ڈرائیونگ کرنے پر سہم کر بولی تو انہوں نے گاڑی کی رفتار مزید تیز کر دی۔ وہ خوف زدہ ہو کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند گئی۔ صائم نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی خوفزدہ صورت دیکھ کر انہوں نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔ ''صائم ولا'' کے پورچ میں گاڑی رکی تو وہ ہونقوں کی طرح سیٹ پر بیٹھی تھی۔ صائم نے دوسری جانب آکر دروازہ کھولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسی تیزی سے اسے کھینچتے ہوئے بیڈ روم لے آئے۔ دروازہ لاک کیا اور اسے جھٹکے سے بیڈ پر پٹخ دیا۔ اس کی ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

''اب دل کھول کر روؤ، چاہے تو تکیے سے لپٹ کر آنسو بہا لو، چاہو تو میرے سینے میں آنسو جذب کر دو۔'' وہ مسکراتے ہوئے گاڑی کی چابی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کوٹ اتارتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' وہ اسی طرح اوندھے منہ پڑے پڑے چیخی۔

''یہ محبت ہے میری جان! مجھے یہ حرکت بہت پہلے کر لینی چاہیے تھی۔ خیر دیر آید درست آید، کہو مجھ سے کتنا پیار ہے تمہیں؟'' صائم نے کوٹ میں سے وہ گفٹ پیک میز پر رکھا اور کوٹ کو کرسی پر رکھ کر بولے۔

''کتنا بھی نہیں۔'' وہ نظریں چرا گئی۔

''نہ مانو، عظمیٰ بھابھی مجھے تمہارا حال دل بتا چکی ہیں۔'' وہ شرارت سے ہنسے۔

''ہائے...... آ...... ہائے اللہ جی۔'' وہ اٹھنے لگی تھی کہ اس کے لبوں سے بے اختیار چیخ بلند ہوئی۔ وہ پسلی پر ہاتھ رکھے کراہنے لگی تھی۔

''کرن! کیا ہوا؟'' صائم نے گھبرا کر اس کا ہاتھ تھاما۔

''خود ہی تو اتنی زور سے یہاں پٹخا تھا۔ اب بڑے معصوم بن رہے ہیں۔ ہائے میری پسلی۔'' وہ کراہتے ہوئے بولی۔ صائم اس کے پاس بیٹھے تھے۔

''بیڈ پر پٹخا تھا۔ زمین پر تو نہیں، تم تو بہت ہی نازک ہو یار۔''

''ہاں تو پٹخ دیں زمین پر بھی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''آئی ایم سوری پلیز! اٹھنے کی کوشش کرو۔ شاید جھٹکا لگنے سے موچ آ گئی ہو۔ کہاں درد

ہو رہا ہے لاؤ میں سہلا دوں۔'' وہ شرمندہ اور پریشان سے اسے اپنے بازوؤں میں بھر کر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولے۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے چھوڑیں مجھے ہائے میری پسلی توڑ دی ظالم آدمی، یہ سلوک کرنے کے لئے لائے تھے مجھے یہاں۔'' وہ کراہتے ہوئے بولی۔

''کرن! میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا قسم سے، میں تو تمہیں منانا چاہتا تھا، اور ضبط نہیں ہو رہا تھا مجھ سے پلیز! مجھے معاف کر دو۔ اچھا میں آیوڈیکس ڈھونڈتا ہوں۔ تم لیٹ جاؤ میں مساج کر دوں گا۔ ذرا سی دیر میں موچ نکل جائے گی۔'' وہ بے حد شرمندگی اور پریشانی سے کہتے اٹھے اور سائیڈ ٹیبل کی درازیں کھولنے لگے۔ اسی پریشانی اور بوکھلاہٹ میں پہلے ان کے ہاتھ سے گلاس گرا۔ پھر دوا کی شیشی گر گئی اور وہ بوکھلا کر جھکے تو ان کا سر دراز سے ٹکرا گیا اور کرن کی کھلکھلاتی ہنسی پورے کمرے کی فضا میں جلترنگ بجا گئی۔ صائم نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

''تم۔''

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ اپنی سنائیں زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔'' وہ شرارت سے اٹھ کر انہیں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کرن! تم مذاق کر رہی تھیں۔ یو ناٹی گرل! تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ ٹھہرو ذرا۔'' وہ سب کچھ بھول کر اس کی طرف دوڑے تو وہ بیڈ سے اتر کر صوفے کی سائیڈ پر بھاگ گئی۔ ان کے ہاتھ اس کی جانب بڑھے مگر وہ پھرتی سے دوسری طرف نکل گئی۔ وہ تھک کر واپس آ گئے اور بیڈ پر بیٹھ گئے۔

''ابھی تازہ، تازہ بیماری سے اٹھا اور تم نے مجھے اس کام پر لگا دیا ہے۔ چلو اچھی بیوی کی طرح مجھے دوا کھلاؤ۔'' انہوں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ تو وہ اپنی ہنسی روک کر میز پر رکھی دوا کی شیشی اٹھانے لگی تو شیشی اس کے ہاتھ سے پھسل گئی۔ پھر گلاس گر کر ٹوٹ گیا تو اس نے بوکھلا کر صائم کی طرف دیکھا وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔

''کومل ہاتھوں کو عادت ہے نازک چیزیں توڑنے کی
تم دل کے کانچ کھلونے سے ایسی شرارت مت کرنا

''یہ مجھے آپ سے کہنا چاہیے تھا۔'' کرن نے مسکراتے ہوئے کہا تو انہوں نے پہلے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ پھر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''جو ہوا اس کو بھول جاؤ۔ میں نے تمہاری دوری اور بے رخی کی کافی سزا کاٹ لی ہے۔

معاف کر دو! آئندہ ایسی شرارت نہیں کروں گا۔ اب صرف محبت بھری شرارت کروں گا۔ بس ایک بار مجھے اور میری محبت کو دل سے قبول کر لو۔'' وہ نرمی سے بولے۔

''قبول کیا، قبول کیا، قبول کیا۔'' کرن نے مسکراتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام کر کہا۔

''شکریہ، شکریہ، شکریہ۔ اب دل میں کوئی غصہ تو نہیں ہے نا۔'' وہ خوش ہو کر بولے۔

''نہیں۔''

''پیار ہے۔''

''اوں۔'' وہ لمحے بھر کو سوچ میں پڑی پھر شرما کر ہنس پڑی۔ اسی وقت صائم کو ہنستے ہوئے کھانسی آئی تو کرن نے مصنوعی غصے سے انہیں گھورا۔

''قسم سے یہ میری اصلی کھانسی ہے۔ اس بیماری نے تمہاری قدر میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ تم واقعی بہت اچھی، بہت لونگ اور کیئرنگ لڑکی ہو۔'' انہوں نے جلدی سے کہا۔

''لیں اور دوا کھا لیں۔'' اس نے خوشی سے مسکراتے ہوئے انہیں گولیاں نکال کر دیں۔

''اب دوا کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تم جو آ گئی ہو تمہارے پیار کے وٹامنز ہی بہت ہیں میرے لئے اور میری جان! اب تیاری کر لو اگلے ہفتے ہم ورلڈ ٹور پر جائیں گے ہنی مون منانے۔'' وہ اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''ہنی مون پر جانے سے پہلے میرا منہ دکھائی کا تحفہ تو دیں ناں آپ۔''

''کیا نہیں دیا تھا؟''

''کب دیا تھا۔ آتے ہی مجھے ڈرا دیا تھا۔ بڑے میاں نے۔'' وہ اس طرح بولی کہ انہیں ہنسی آ گئی۔

''اچھا بابا! ناراض کیوں ہوتی ہو۔ منہ دکھائی کا تحفہ تو میں تمہیں ابھی دے دیتا ہوں۔ یہ لو'' صائم رحمٰن نے محبت سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا اور اس پر اپنی محبت کی بے شمار مہریں ثبت کر دیں۔ وہ بری طرح شرما و گھبرا گئی۔

''کیوں اچھا ہے نا۔ منہ دکھائی کا تحفہ۔'' انہوں نے شرارت سے کہا تو وہ شرمیلے پن سے ہنستے ہوئے ان کے سینے میں چھپ گئی۔ وہ خوش دلی سے ہنسے اور پرسکون ہو کر اسے اپنی بانہوں میں سمو کر آنکھیں موند لیں۔ جن میں آنے والی مسرتوں اور محبتوں کے خواب جگمگا رہے تھے۔

محبت، محبت، محبت

محبت، محبت، محبت، اس لفظ، حرف، جذبے اور احساس پر اتنا کچھ لکھ اور پڑھ چکی تھی پھر بھی میں اس کی اہمیت، گہرائی، کیفیت اور قدر و قیمت بس لفظوں کی حد تک ہی جان پائی تھی۔ محبت ایک حقیقت ہے اس سے مجھے کبھی بھی انکار نہیں رہا مگر میں ہمیشہ سے زبانی، کلامی اور تحریری محبت کی قائل تھی۔ ناولوں اور افسانوں میں محبت کے ایسے ایسے منظر تراشتی، ایسی ایسی کیفیات بیان کرتی کہ میرے قارئین نے مجھے محبت کی ادیبہ کا لقب دے دیا۔ ہیرو اور ہیروئن والی محبت کا مجھے کوئی تجربہ نہیں تھا میں اپنے دل و دماغ سے کیفیت بیان کرتی رہی پھر قدرت نے مجھے بھی اس حسین تجربے سے گزرنے کا موقع فراہم کر دیا میں افسانوی ہیرو نما شوہروں کے خاکے تراشا کرتی تھی۔ تقدیر نے حقیقت میں مجھے ایک عدد رومینٹک ہیرو سے نواز دیا۔ احمر بہت خوبصورت، مردانہ وجاہت کے پیکر، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دولت مند نوجوان تھے۔ مرد ہونے کے باوجود خواتین کے رسالے دیکھا کرتے تھے ایسے ہوشیار ہیں احمر کہ میرا پتہ لڑکی بن کر رسالے کے ایڈیٹر سے لے لیا یہ کہہ کر کہ میں ''اقرا علی'' یعنی مابدولت سے دوستی کرنا چاہتی ہوں'' اور پھر میرے متعلق ساری معلومات کرالیں مجھے کسی بہانے سے گھر سے باہر آتے جاتے دیکھ بھی لیا اور اپنا رشتہ بھیج دیا نہ ساس، سسر، نہ نند، دیور بس ایک جیٹھ تھے وہ بھی دوسرے شہر میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اپنی فیکٹری میں مگن تھے۔ وہی احمر کا رشتہ لائے۔ میرے گھر والوں کو تو جیسے قارون کا خزانہ مل گیا ان کا تو بمپر پرائز نکل آیا تھا۔ معمولی چھان بین کے بعد فوراً رشتے کیلئے ہاں کر دی گئی۔ بھلا اتنا امیر کبیر، اکیلے خود مختار اور وضع دار نوجوان کا رشتہ ٹھکرانے کی حماقت وہ کیسے کر سکتے تھے میں متوسط طبقے کی لڑکی تھی۔ اتنے امیر خاندان میں بیاہے جانے کے خیال سے میرے اندر خوشی اور پریشانی بیک وقت اُمڈ آئی تھی ایسے ایسے وسوسے اور

خیال ستاتے کہ احمر کیسا ہوگا؟ میرے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟ آخر اس نے میرے اندر ایسا کیا دیکھا ہے جو مجھے اپنی بیوی بنا رہا ہے؟ وہ مجھے مڈل کلاس ہونے کا طعنہ تو نہیں دے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔ شادی کے دن تک میں ان اندیشوں اور سوالوں میں گھری رہی۔ اللہ سے دعائیں مانگتی رہی۔ خدا خدا کر کے شادی کا دن آیا میں ''اقرا علی، اقرا احمر'' بن کر ''احمر ولا'' پہنچی تو میرا ایسا شاندار استقبال کیا گیا کہ میں دنگ رہ گئی۔ مجھے اپنا ایک ناول یاد آ گیا اس میں دلہن کے استقبال کا نقشہ جس طرح میں نے کھینچا تھا ویسا ہی ماحول اور پروٹوکول مجھے ''احمر ولا'' میں دیا جا رہا تھا میں حیران، پریشان تھی کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ خواب ہے یا سراب۔ حقیقت ہے یا...... مگر نہیں یہ تو حقیقت ہے۔ احمر نے جب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے فوٹو سیشن کیلئے کھڑا کیا تو میں ہوش میں آ گئی۔ شوہر کے لمس کا احساس میرے حواس چھیننے کی کوشش میں تھا۔ احمر کے بھائی بھاوج، کزنز سب ہنسی مذاق کر رہے تھے اور میں دلہن کی طرح روایت نبھاتے ہوئے سر اور نظر جھکائے، شرمیلے پن سے وقفے وقفے سے مسکرائے جا رہی تھی دو گھنٹے بعد احمر نے سب سے کہا۔

''بس بھئی پیارو! اب ہمیں رخصت دو۔ دلہن تھکن سے چور ہو رہی ہے۔''

''اور تم دلہن کی محبت کے نشے میں چور ہو رہے ہو اور تھکن دور کرنا چاہتے ہو ہے ناں۔''

احمر کے کسی کزن نے شرارت اور شوخی سے کہا تو احمر سمیت سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''اللہ مجھے اس وقت اتنی شرم آئی کہ پوچھیں مت۔ ناول، افسانوں میں دلہن کی کیفیت اور وارداتِ قلبی کا احوال تو میں بڑے مزے سے لکھ دیا کرتی تھی۔ اب جو خود حقیقت میں یہ کیفیت گزری تو لگ پتہ گیا اور احمر کے اس بے باک کزن کے ساتھ ساتھ مجھے اس جدید طرز کے فیشن پر بھی جی بھر کر غصہ آیا کہ آخر دلہن کا گھونگھٹ کیوں نہیں نکالتے اب۔ شرم کا بھرم رہ جاتا تھا بعد میں یہ بات میں نے اپنے دولہا میاں سے کہی تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''میری جان! عاشق کی نظر تو سات پردوں میں سے بھی رخِ یار کا دیدار کر سکتی ہے میں تو گھونگھٹ کی اوٹ سے بھی تمہارا شرمانا، گھبرانا دیکھ لیتا۔''

اور میں تو اپنے اس عاشق نما شوہر کے اس ایک جملے سے ہی ہراساں ہوگئی۔ ان کی دیوانگی اور عاشقی ہر نئے دن اور ہر نئی شب میں نئے انداز سے اپنا اظہار کرتی اور میں شرما شرما کر سمٹ کر تھک جاتی۔ اللہ جانے اتنی ڈھیروں محبت احمر میں کیسے بھری گئی تھی جس نے چاروں اور سے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا میں ٹھہری زبانی کلامی محبت کا اظہار کرنے کی عادی وہ نکلے عملی اظہار کے۔ ایسا شادی سے پہلے مجھے بتایا گیا تھا کہ لڑکے نے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کیا ہے یہ نہیں بتایا

تھا کہ انہوں نے محبت میں بھی ماسٹر کیا ہے بلکہ میں تو پی ایچ ڈی کہوں گی جو انہوں نے یونیورسٹی آف لو سے کی ہوگی یقیناً۔ ان کا قول ہے کہ۔

''محبت کی ایک دن کی زندگی بے محبت کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' اور اس لمحے احمر پر دل سے رشک آنے لگتا میں واقعی بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے محبت کرنے والا میرا دیوانہ تھا حالانکہ میں نے خود کو کبھی حسین بھی نہیں سمجھا تھا لیکن اللہ نے اچھی شکل وصورت سے نوازا تھا۔ احمر کہتے۔

''تمہیں اپنے ناولوں کی ہیروئن کا سراپا تخلیق کرنے کیلئے کسی شعوری کوشش کی ضرورت نہیں پڑتی ہوگی اس کیلئے تو تم آئینہ ہی دیکھ لیتی ہوگی؟'' اور میں ہنس پڑتی۔ میرے حسن کو میرے مجازی خدا نے دل کھول کر سراہا۔

محبت خدا سے کرو، مجازی خدا سے کرو کیونکہ خدا تو مہربان ہوتا ہے۔ محبت کرنے والا ہوتا ہے، لیکن اکثر بیویوں کے مجازی خدا نا مہربان اور محبت سے عاری ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ان سے محبت کیے جاتے ہیں۔ عورت کے برے اور بگڑے مرد کے ساتھ بیوی کی حیثیت میں جڑے رہنے میں کئی تلخیاں کئی حقیقتیں حائل ہوتی ہیں والدین کی محبت، خاندان کی نیک نامی، اپنی عزت اور بچوں کی ممتا میں ڈوبی محبت۔ مرد کے نام سے جڑی تحفظ کی محبت۔ ایسی کئی محبتوں کے جال عورت کو مرد کے جال میں پھنسے رہنے پر مجبور کیے رکھتے ہیں وہ اپنے شوہر مرد، مجازی خدا کے ظلم وستم تو سہتی ہے مگر اس سے بغاوت نہیں کرتی اسے یہ یقین ایسا نہ کرنے پر آمادہ رکھتا ہے کہ اسے محبت ملے نہ ملے، چھت ضرور ملے گی۔ کیا محض چھت کا سر پر ہونا ہی تحفظ اور حفاظت کی ضمانت ہے؟

ایک لڑکی کو شادی کے شروع کے دنوں میں اپنے شوہر سے محبت ہو جاتی ہے اور پھر ساری زندگی اسے شوہر سے محبت کرنی اور نبھانی پڑتی ہے وہ اس شادی سے شاد ہو نہ ہو اس کا شاد نظر آنا ضروری ہے اور وہ خوش اور شاد رہنے کی اداکاری خوب مہارت سے کرتی دکھائی دیتی ہے۔ مرد کو عورت کے ساتھ سے بہت سے فائدے پہنچتے ہیں نفس کی تسکین کے علاوہ چوبیس گھنٹے بلکہ ساری زندگی کیلئے مفت کی ملازمہ، ساس، سسر کی خدمت گار، بچے پیدا کرنے اور انہیں اچھی دیکھ بھال اور مناسب تربیت سے پروان چڑھانے کی ذمہ دار، شوہر کی تابعدار بیوی بن کر اس کا ہر حکم بجا لانے والی کبھی اس کا دل بہلانے والی محبوبہ کے روپ میں جس بھی روپ میں مرد چاہتا ہے عورت کو اپنا آپ اس سانچے میں اس کی خواہش، آرزو اور تمنا کے سانچے میں ڈھالنا پڑتا ہے۔ ایسی محبت اور شادی اور مرد کی اجارہ داری نے مجھے محبت سے بدگمان کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہی نہیں تھا کہ کوئی مرد کوئی شوہر احمر جیسا محبتوں میں گندھا، پیار میں ڈوبا بھی ہوسکتا ہے۔ مجھے تو نوے فیصد شادی شدہ

جوڑے بے محبت کی اور مجبوری کی زندگی گزارتے محسوس ہوتے ہیں پتہ نہیں دل سے کٹے رشتے لوگ کیسے تمام عمر نبھائے چلے جاتے ہیں ایک بار احمر اخبارات میں شوہروں کے مظالم، رشتے کے نفاق اور بے حسی کی خبریں پڑھ کر کہنے لگے۔

''پتہ نہیں لوگ محبت کیے بغیر کیسے جی لیتے ہیں۔ دل کے بغیر کیسے رشتے جوڑ لیتے ہیں۔''

''اب سب لوگ آپ کی طرح محبت کی مٹی اور پیار کے پانی سے تھوڑی بنے ہوئے ہیں۔ آپ کو تو محبت کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو پھر کروں محبت؟'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھے۔

''توبہ کیجیے۔''

''کیوں محبت کوئی جرم ہے؟ اگر جرم ہے بھی تو ایسے جرم محبت میں کیسی توبہ؟ محبت تو ہم فرض سمجھ کر کرتے ہیں۔'' احمر نے مجھے اپنی محبت کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔

''ایک بات بتایئے آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی؟'' میں نے پوچھا۔

''کیونکہ تم محبت پرست اچھی کہانیاں لکھتی ہو۔ اس لیے مجھے یقین تھا کہ تم اچھی محبت کر بھی سکتی ہو اور مجھے تم سے بہت سی محبت ملے گی۔''

احمر نے میرے بالوں کو چھیڑتے ہوئے جواب دیا۔

''اور تم مجھے روح تک سے سیراب کردو گی۔''

''تو پھر سیراب ہوگئے آپ؟''

''کہاں تم تو قطرہ قطرہ کر کے ٹپکتی ہو۔ بوند بوند کر کے برستی ہو اور شاید اچھا کرتی ہو محبت تو آہستہ آہستہ روح کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی ہی لطف دیتی ہے۔

ایک بار کھل کر برسنے کے بعد باقی کی زندگی خالی بادل کس کام کا تمہاری قطرہ قطرہ ملی محبت میرے لیے بحر بیکراں ہے۔ بوند بوند برستا پیار بھی ساون کی جھڑی ہے میں جانتا ہوں تمہارے اندر محبت بے حساب ہے جسے تم بڑے حساب سے مجھ پر لٹاتی ہو اور اچھا کرتی ہو، مزا دیتی ہے تمہاری یہ محبت۔'' احمر نے مجھے پیار سے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تو میں ہنس پڑی۔

''آپ خود اس نظریے پر عمل کیوں نہیں کرتے کیوں ہر بار کھل کر برستے ہیں؟''

''کیونکہ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ۔

محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے

تو
پانی کم نہیں ہوتا''

''میری جان! میرے اندر تو محبتوں کے سمندر موجزن ہیں اور اگر سمندر سے روز گلاس بھر بھر کے پانی نکال بھی دیا جائے تو بھی سمندر کی وسعت، گہرائی اور سطح کو کوئی فرق نہیں پڑتا وہ جوں کا توں بھرا، پورا، گہرا اور بپھرا رہتا ہے اس لیے تم بے فکر رہو میں آخری دم تک تمہیں اسی شدت، روانی، دیوانگی اور بے غرضی سے محبت کرتا رہوں گا۔'' احمر نے مجھے عملاً اپنی محبت کے سمندر میں ڈبوتے ہوئے کہا۔

''آپ محبت کرنا ہی نہیں محبت کروانا بھی جانتے ہیں۔'' میں نے شرماتے ہوئے اعتراف کیا۔

''سچ کیا تمہیں بھی مجھ سے؟'' احمر نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے مجھے خود سے مزید قریب کرلیا اور میں جواب میں شرما کر ہنس پڑی بس پھر کیا تھا انہیں تو محبتوں کے بے دریغ استعمال کا بہانہ مل گیا میں ایک پیار بھرا جملہ کہتی اور وہ دس بار مجھ پر نثار ہوتے، میں زبانی اظہار کرنا ہی کافی سمجھتی اور وہ عملی اظہار کر کے میرا حال بے حال کر دیتے اور میں نے پھر انہیں سمجھنا شروع کر دیا۔ جوں ہی ان کے تیور بدلتے دیکھتی بہانے سے ان کے پاس سے اٹھ کر چلی جاتی اور خود کو کسی خود ساختہ اور خواہ مخواہ کے کام میں مصروف کرلیتی حالانکہ گھر میں کام کرنے کیلئے تین تین ملازم موجود تھے۔

''کام مجھ سے زیادہ اہم ہے۔'' احمر مجھے ڈھونڈتے ہوئے آجاتے اور خفگی سے کہتے۔

''نہیں تو۔''

''پھر چھوڑو اسے۔'' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتے۔ رات کو میں ناول یا افسانہ لکھنے بیٹھ جاتی تو میرے ہاتھ سے قلم چھین لیتے۔

''اقرا یار! میرے اندر افرا تفری مچا کر یوں علیحدہ مت بیٹھا کرو۔ صبح سے شام تک جتنا چاہو لکھو مگر میری موجودگی میں صرف مجھے لکھو مجھے دیکھو، مجھے پڑھو بس۔''

''کیا ضروری ہے یہ؟'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں''

''اور اگر ناں ہو سکے تو۔''

''تو میں دوسری سانس نہیں لوں گا۔'' احمر نے پیار بھری خفگی سے رخ پھیر کر کہا تو میں کانپ کر رہ گئی اور ان کے سامنے آکر کہا۔

''کیوں نہیں لیں گے، میری آخری سانس تک تو آپ کو سانس لینا ہی ہوگا۔''

''یہ ناول ہی ہمیں ایک دوسرے کے قریب لائے ہیں۔'' میں نے یاد دلایا۔

''میں مانتا ہوں اور میں بھی تمہیں قریب دیکھنے کیلئے ہی کہہ رہا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں۔'' احمر نے مجھے دیکھتے ہوئے خفگی سے کہا تو میں نے ہاتھ جوڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا بابا معاف کر دیں آئندہ خیال رکھوں گی۔''

''کس کا؟'' احمر نے میرے جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام کر مسکرا کر پوچھا۔

''آپ کا۔'' میں نے پیار سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہو کر ہنس پڑے اور پھر جھک کر میری پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر دی۔

ایک دن مجھے ذرا سا چکر آ گیا۔ احمر فوراً مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے ہمیں جو خوشخبری سنائی اس پر ہمارا دل رب کے حضور تشکر سے جھک گیا۔ شادی کے بعد ہر لڑکی کو ماں بننے کی بے تابی ہوتی ہے۔ میں تو اس احساس سے ہی نہال ہوئی جارہی تھی کہ مجھے ''ماں'' کہہ کر پکارنے والا میرے اپنے وجود کا حصہ میرا اپنا بچہ میری آغوش میں آنے والا ہے اور احمر، احمر کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا انہوں نے ڈاکٹر کے پاس سے واپس آتے ہوئے میرے سر سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ وار کر یتیم خانے میں دے دیئے۔ راستے میں سے پھولوں کی دکان سے گلاب کے سرخ پھولوں کا بکے خرید کر میری گود میں رکھ دیا مٹھائی کی دکان سے دو ٹوکریاں مٹھائی کی خریدیں ایک میرے میکے میں دی اس خوشخبری کے ساتھ اور دوسری گھر آ کر ملازموں میں تقسیم کی خود مٹھائی کھائی اور مجھے کھلائی۔ میں نے چند روز میکے میں رہنے کی فرمائش کی تو کہنے لگے۔

''اقرا جانی! جو چاہے فرمائش کرو میں پوری کروں گا لیکن میکے میں جا کر رہنے کا ستم مجھ پر مت ڈھانا میں تمہارے بغیر پاگل ہو جاؤں گا تم صبح سے شام تک یعنی میری آفس سے واپسی تک بے شک روزانہ میکے رہ لیا کرو مگر میرے گھر آنے کے بعد تم میرے سامنے رہا کرو تمہیں دیکھ کر میری دن بھر کی تھکن دور ہو جاتی ہے اور جس دن تمہیں نہ دیکھوں تو میری تھکن بڑھ جاتی ہے۔''

''جو حکم سرتاج۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ناراض مت ہونا ہاں۔'' احمر نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے کہا۔

''جو حکم سرتاج۔'' میں نے پھر سے سابقہ جملہ دہرایا تو وہ ہنس پڑے۔

''شریر۔'' احمر نے ماں بننے والی خواتین سے متعلق، احتیاط پرہیز، ہدایات وغیرہ پر مبنی کتابیں، کتابچے اور ٹیلی ویژن پر آنے والے پروگرام دیکھنا شروع کر دیئے۔ آج کل تو ٹی وی پر

خواتین کے مسائل، بیماریوں، حاملہ ماں، زچہ و بچہ سے متعلق ایسے پروگرام دکھائے جا رہے ہیں کہ بچوں، بڑوں سب کو ازبر ہو گئے ہیں۔ احمر بھی بڑے ذوق وشوق سے یہ پروگرام دیکھتے اور ڈاکٹرز کی رائے اور ہدایات کے مطابق میرا خیال رکھتے باقاعدگی سے چیک اپ کراتے میرے کھانے پینے پر ان کی خاصی نظر تھی۔ پھل، دودھ اور گوشت بطور خاص کھلاتے واک کیلئے مجھے اپنے ساتھ باہر لے جاتے یا گھر کے لان میں ہی میرا ہاتھ پکڑ کر واک کرتے اور کراتے۔ باہر سڑک پر واک کرتے ہوئے اگر راستے میں کوئی اینٹ یا پتھر کا ٹکڑا آ جاتا تو فوراً مجھے روک دیتے اور اپنے ہاتھ سے وہ ٹکڑا اٹھا کر ایک طرف پھینکتے اور میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ جاتے۔ کبھی کبھی تو مجھے ان کی حد درجہ دیکھ بھال، توجہ اور محبت سے چڑ ہونے لگتی، لیکن کچھ دیر بعد جب مجھے اپنی ناشکری کا احساس ہوتا تو میں دل ہی دل میں ان سے معافی مانگتی، اللہ سے معافی مانگتی اور اس کا شکر ادا کرتی کہ جس نے مجھے اتنی محبت دینے والے شوہر کا ساتھ بخشا تھا میں میکے احمر کے ساتھ جاتی وہ آفس جاتے وقت مجھے میکے چھوڑ جاتے اور آفس سے واپسی پر مجھے اپنے ساتھ لے آتے۔ جوں جوں دن قریب آ رہے تھے انہوں نے مجھے میکے جانے بلکہ سوائے ڈاکٹر کے پاس جانے کے ہر جگہ جانے سے منع کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا۔

''گاڑی میں آتے جاتے ہوئے جھٹکے لگتے ہیں۔ اس لیے بلاوجہ کہیں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟'' ان کی بات میرے دل کو بھی لگی تھی سو مان لی۔ پھر انہوں نے میکے میں ڈیلیوری کرانے سے بھی منع کر دیا میں نے انہیں بتایا سمجھایا کہ پہلا بچہ تو میکے میں ہی ہوتا ہے یہ تو پرانی روایت ہے مگر وہ نہیں مانے اور نرمی سے بولے۔

''روایتیں بھی ہم لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں ناں اور بچہ میکے یا سسرال میں نہیں ہسپتال میں پیدا ہوگا۔ میں ایسی حالت میں تمہیں خود سے دور نہیں بھیج سکتا تم چاہو تو اپنی امی کو یہاں بلوا لو وہ یہاں جب تک چاہیں رہیں۔''

''تو آپ کیوں نہیں وہاں میرے ساتھ اتنے دن رہ لیتے؟'' میں نے کہا۔

''مناسب نہیں لگتا کہ میں گھر داماد کی طرح اتنے دن وہاں رہوں اور ان لوگوں کیلئے بھی پریشانی کا باعث بنوں وہ میری خاطر داری کریں گے یا تمہیں سنبھالیں گے۔ تمہیں زیادہ توجہ اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوگی۔'' انہوں نے نرمی سے کہا ان کی باتیں تو بالکل درست تھیں۔ میرے میکے والوں کو احمر کے شایانِ شان اہتمام کرنے کی فکر لاحق ہو جاتی حالانکہ احمر ان تکلفات کے قائل نہیں تھے اسی لیے کبھی کھانے کے وقت میرے میکے نہیں جاتے تھے کہ انہیں دعوت کا اہتمام کرنا پڑے گا شادی کے بعد صرف تین یا چار بار ہی میکے کی دعوت میں شریک ہوئے تھے وہ۔

''لیکن احمر! ایسی حالت میں لڑکی کو اپنی ماں یا بہن کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے بہت سی باتیں جو وہ کسی اور سے نہیں کہہ سکتی وہ ماں، بہن سے کہہ دیتی ہے پوچھ لیتی ہے۔'' میں نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو اقرا جانی! آپ کی ماما جانی اور سسٹر کون سا دور ہوں گی آپ کے پاس ہی ہوں گی اور میں جو ہوں گا تمہارے پاس تم مجھ سے بھی ہر مسئلہ کہہ سکتی ہو پوچھ سکتی ہو۔ شوہر سے کچھ نہیں چھپاتے یار اور میں نے اتنا کچھ پڑھ لیا ہے کہ سارے مسئلوں کا حل بتا سکتا ہوں تمہیں۔'' احمر نے میرا ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے پیار سے کہا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر کے ہوتے ہوئے آپ نے اتنی محنت کیوں کی؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''کیونکہ مجھے تمہاری اور اپنے بچے کی صحت اور زندگی بہت عزیز ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اور جس سے محبت کی جاتی ہے اس کیلئے تو کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔'' احمر نے مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اف محبت، محبت، محبت کے سوا بھی کوئی کام آتا ہے آپ کو؟'' میں نے ہنس کر کہا تو وہ پہلے تو ہنسے پھر میرا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر بڑے جذب سے یہ نظم پڑھنے لگے۔

فقط اک کام آتا ہے
مجھے
اے جانِ جاں سن لو
محبت ہی کیے جانا
محبت میں جیے جانا
محبت میں بہے جانا
مجھے اک کام آتا ہے
یہی اک کام آتا ہے
محبت، محبت، محبت
بس محبت ہی کیے جانا
کہو
اس کام سے بڑھ کر

کوئی اور کام کیا ہوگا؟
محبت کے اظہار سے بہتر
کوئی اظہار کیا ہوگا؟
محبت سے میں دنیا میں
کوئی کار کیا ہوگا؟
سوائے جانِ جاں میری
یہی ہے داستاں میری
جو محبت سے شروع ہو کر
اسی پہ ختم ہوتی ہے
محبت، محبت، محبت''

''اف محبت۔'' میں یہ نظم سن کر ہنستی ہوئی ان کے سینے سے لگ گئی۔ وہ دن بھی آ گیا جب ایک عورت ایک نئی زندگی کو تخلیق کر کے ماں کے مرتبے پر فائز ہوتی ہے۔ درد کے قافلے میرے جسم و جاں کو اپنے شکنجے میں لیے ہوئے تھے میں تکلیف کے سبب تڑپ رہی تھی۔

''ہائے اللہ جی'' ''ہائے امی جی'' ''ہائے احمر'' کے الفاظ بے اختیار اور بار بار میری زبان سے ادا ہو رہے تھے۔ میں ہسپتال کے پرائیویٹ کمرے میں سفید بستر پر لیٹی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ امی اور احمر میرے پاس موجود تھے۔ احمر تو میرا ہاتھ تھامے بستر کے کنارے پر ہی پریشان بیٹھے تھے۔ ان کی بے قراری اور بے کلی ان کے چہرے پر عیاں تھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ! آپ کیا کر رہی ہیں یہ تکلیف سے نڈھال ہو رہی ہیں اور آپ کوئی توجہ نہیں دے رہیں۔ پلیز کچھ کیجیے۔'' ڈاکٹر یاسمین دوبارہ میرے چیک اپ کیلئے آئیں تو احمر نے انہیں دیکھتے ہی پریشان اور تیز لہجے میں کہا۔

''احمر صاحب آپ دعا کیجیے۔ ہم وقت آنے پر اپنا کام کرلیں گے۔'' ڈاکٹر یاسمین نے مسکراتے ہوئے نرمی سے کہا تو احمر نے بے چینی سے مجھے دیکھ کر ان سے کہا۔

''کب آئے گا وقت پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے تو یہ تکلیف سے تڑپ رہی ہیں؟''

''اور ان سے زیادہ آپ تڑپ رہے ہیں۔'' ڈاکٹر یاسمین نے احمر کی حالت پر مسکراتے ہوئے کہا تو احمر نے اسی تیزی سے جواب دیا۔

''ظاہر ہے یہ بیوی ہیں میری اور میں انہیں اس قدر تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔''

''احمر صاحب! ماں بننا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ہر ماں بننے والی عورت کو یہ تکلیف جھیلنا پڑتی ہے۔'' ڈاکٹر یاسمین نے میرا بلڈ پریشر چیک کرتے ہوئے کہا تو بے چینی سے لب کاٹتے کمرے سے باہر چلے گئے اور ڈاکٹر یاسمین کے جاتے ہی پھر میرے پاس آ کر میرا ہاتھ تھام کر بیٹھ گئے اور نرمی سے بولے۔

''اقرا ہمت سے کام لو جان!''

''محبت سے نہیں'' میں نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

''محبت سے کام لوگی تو آرام سے اس مرحلے سے گزر آؤ گی۔''

''احمر!''

''کہو میری جان!'' احمر نے بہت پیار سے کہا۔ ایسے لمحوں میں بیوی کیلئے شوہر کے پیار کا لمس، محبت کی نگاہ اور چاہت کے میٹھے بول کس قدر راحت جاں کا سبب بنتے ہیں اس لمحے یہ حقیقت بھی مجھ پر آشکارہ رہی تھی۔ احمر کی حالت دیکھ کر مجھے اپنی حالت اور تکلیف بھول رہی تھی۔

''احمر! اگر میں مرگئی تو؟'' میں نے بہ مشکل اپنی بات کہی ادھوری مگر مکمل مفہوم کے ساتھ۔

''تو میں بھی تمہارے پیچھے آنے میں ایک سیکنڈ کی دیر نہیں لگاؤں گا۔'' وہ تڑپ کر بولے۔

''اف آپ وہاں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں میں تو وہاں بھی اللہ میاں سے تمہارے ساتھ کی درخواست اور خواہش کروں گا۔''

''اور جو پوری نہ ہوئی تو۔''

''تو میں جہنم میں جانا قبول کرلوں گا۔'' احمر نے جذباتی لہجے میں کہا تو مجھے ان پر بے انتہا پیار آنے لگا اور اپنی خوش بختی پر رشک آنے لگا۔

''آپ کا بس چلے تو آپ آپریشن تھیٹر میں بھی میرے ساتھ ہی چل پڑیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور درد کی لہریں بھی رک گئی تھیں۔

''صحیح کہا تم نے، میں اگر تمہیں ڈیلیوری کیلئے لندن یا امریکہ لے جاتا تو شاید ایسا بھی کر گزرتا وہاں تو ڈیلیوری کے موقع پر شوہر لیبر روم میں جا سکتا ہے۔ اگر چاہے تو۔''

میں حیا سے سمٹ کر کہا۔

''بے شرم کہیں کا۔''

''کیوں بھلا شوہر سے کیسی شرم؟'' احمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''توبہ کریں۔'' میں نے شرم سے گردن دوسری جانب کر کے کہا۔

''ہاں توبہ تو ایسے موقع پر کر لینی چاہیے۔'' احمر نے ہنس کر کہا۔

''ہاں کیا خبر کہ۔''

''اے۔'' احمر نے میری بات فوراً کاٹ دی اور پیار بھری خفگی سے بولے۔

''خبردار! جو کبھی ایسی الٹی سیدھی بات کہی ہو ورنہ ایسی خبر لوں گا کہ قیامت تک یاد رکھو گی۔''

''ان قیامت خیز لمحوں میں بھی آپ باز نہیں آئیں گے۔'' میں تکلیف کے احساس سے کراہ کر بولی تو وہ پریشان ہو کر کھڑے ہو گئے۔

''میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔ امی آپ اقرا کا خیال رکھیں پلیز۔'' وہ بولے اور امی سے کہتے ہوئے باہر بھاگے اور ڈاکٹر یاسمین کو بلا کر لائے۔ ڈاکٹر یاسمین نے آتے ہی میرا معائنہ کیا اور نرسوں کو ہدایت کی کہ مجھے فوراً آپریشن تھیٹر لے جائیں انہوں نے مجھے ویل چیئر پر بیٹھایا اور جس وقت میں آپریشن تھیٹر کی طرف لے جائی جا رہی تھی میرے دائیں جانب احمر میرا ہاتھ پکڑے ساتھ ساتھ چل رہے تھے میرے پیچھے میری امی دعائیں پڑھتی آ رہی تھیں۔ عین آپریشن تھیٹر کے دروازے پر پہنچ کر احمر نے مجھ سے کہا۔

''اقرا مجھے تم سے ضروری بات کہنی ہے۔''

''اس وقت'' میں نے تکلیف اور حیرت سے انہیں دیکھا۔

''نہیں واپس آؤ گی تو پھر کہوں گا اس وقت صرف یہ یاد رکھنا کہ تمہارے خدا اور مجازی خدا کی محبت تمہارے ساتھ ہے اور تم خیریت سے اس مرحلے سے گزر آؤ گی۔ جاؤ ہمت اور برداشت سے کام لینا میں یہیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور ہاں زیادہ انتظار مت کرانا تم جانتی ہو نا کہ میں زیادہ دیر تمہاری دوری، تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔'' احمر نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے تھامے بہت نرمی اور آہستگی سے کہا تو ان کی دیوانگی اور محبت کی شدت پر میری آنکھیں بھیگ گئیں میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ڈاکٹر یاسمین اور نرسیں احمر کی باتیں سن کر مسکرا رہی تھیں اور مجھے رشک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ مجھے آپریشن تھیٹر میں لے گئیں۔ دروازہ بند ہو گیا۔ میں اندازہ لگا سکتی تھی کہ احمر کی کیا کیفیت ہو رہی ہو گی ان کا بس چلتا تو وہ سچ مچ میرے ساتھ آپریشن تھیٹر میں بھی چلے آتے وہ واقعی اس صدی کے انوکھے شوہر ہیں۔

''بہت محبت کرتے ہیں آپ کے شوہر آپ سے۔''

ڈاکٹر یاسمین نے مجھے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو میں تکلیف کے باوجود محبت کے اس

احساس سے مسکرا دی اور خدا کی رحمت اور مجازی خدا کی محبت سے ماں کی دعاؤں سے میں اس اہم مرحلے سے با آسانی گزر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو بہت خوبصورت اور صحت مند بیٹوں سے نوازا۔ جنہیں دیکھ کر تشکر اور مسرت سے میری آنکھیں چھلک پڑیں۔ مجھے بچوں سمیت سابقہ کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر یاسمین اور نرسیں مجھے مبارکباد دے رہی تھیں۔ میرے میکے والے بھی سب آ گئے تھے سب نے باری باری مجھے مبارکباد دی میرا احوال پوچھا۔ میرے بیٹوں کو پیار کیا۔ میرے والد صاحب نے بچوں کے کان میں اذان دی۔ احمر نے مجھے دیکھتے ہی سب سے پہلے تو میرا ہاتھ تھام کر چوما پھر میری پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی اور میری ساری تکلیف اور نقاہت سمیٹ لی۔ دونوں بچوں کو دیکھتے ہی خوشی سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''ماشاءاللہ! الحمدللہ یک نہ شد دو شد۔''

''آپ ہی کی شدت بھری محبت کا تحفہ ہیں یہ۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑے۔

یقیناً مگر یاد رہے اقراء جانی کہ میرے حصے کی محبت بھی ان پر نہ وار دینا۔''

''آپ کو محبت کے سوا کچھ بھی نہیں سوجھتا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اوں ہوں'' مجھے تو محبت سے محبت ہے۔'' وہ بچوں کو پیار کرتے ہوئے بولے۔

''اور وہ کیا بات تھی جو آپ نے مجھ سے کہنی تھی؟''

''یہی کہ مجھے تم سے محبت ہے محبت ہی محبت ہے۔''

وہ مجھے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''اف احمر۔'' میں ان کی دیوانگی پر ہنس پڑی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں دیگر افسانوں کی طرح یہ بھی کوئی افسانہ تحریر کر رہی ہوں مگر نہیں یہ سچ ہے حقیقت ہے۔ شاید ہی کوئی بیوی ہو جسے اتنا ٹوٹ کر پیار کرنے والا شوہر نصیب ہوا ہو۔ ان دنوں میں احمر کی محبت اور خدمت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ سوا مہینہ پورا ہونے پر انہوں نے گھر میں ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا اور میکے اور سسرال سے بھی قریبی رشتے داروں کو مدعو کیا۔ میرے میکے والے احمر کی مجھ سے اس درجہ محبت دیکھ دیکھ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

سب نے مجھے تحائف دیئے۔ میری چھوٹی بہن نمراء نے احمر سے پوچھا۔

''احمر بھائی! آپ نے اپنی بیگم کو تحفے میں کیا دیا۔''

''پیار۔'' احمر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو میں بری طرح شرما گئی انہیں بھی یہ سچ ہر کسی کے سامنے بولنے کی عادت تھی۔ سب کے سامنے ان کے اس جواب نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔

''صرف پیار۔'' نمراء نے شوخی سے مسکراتے ہوئے ہم دونوں کو دیکھا۔

''ہاں اور ان کی پسندیدہ اشیاء بھی پیار کے ساتھ۔''

احمر نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔'' نمراء سمیت سب نے شرارت سے کہا تو وہ ہنس پڑے۔

''آپ کو اقراء کی کونسی بات بری نہیں لگتی۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کیک کھاتے ہوئے جواب دیا۔

''یعنی اقراء میں کوئی برائی کوئی خامی نہیں ہے۔''

عظمیٰ بھابھی نے رشک بھرے انداز میں پوچھا۔

''میری نظر میں تو نہیں ہے اور جن سے محبت ہوتی ہے ان میں برائی خامی نہیں ڈھونڈی جاتی۔ ہو بھی تو نظر نہیں آتی یا نظر انداز کر دی جاتی ہے یہی اصل محبت ہے۔'' احمر نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھتے سب کی نظروں میں میرا مان اور مرتبہ بڑھاتے ہوئے اپنے مخصوص نرم اور میٹھے لہجے میں کہا تو میں مسکراتے ہوئے بولی۔

''ان کی تو ہر بات محبت سے شروع ہو کر محبت پر ہی ختم ہوتی ہے۔''

''اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی بیٹا اللہ تم دونوں کی محبت ہمیشہ سلامت رکھے تمہیں شاد آباد رکھے۔'' میری امی نے مسکراتے ہوئے دل سے دعا دی۔

''آمین۔'' سب نے دل سے کہا احمر کی آواز سب سے بلند تھی مجھے ہنسی آ گئی۔ احمر نے مجھے اس موقع پر ڈائمنڈ کا سیٹ تحفے میں دیا اور مجھے لگا کہ احمر کے سامنے ان کے ہوتے ہوئے یہ ڈائمنڈ بے قیمت اور بے مول ہے۔ احمر کی محبت کا ڈائمنڈ میرے لیے جتنا اہم، قیمتی اور انمول تھا میں اس سے اتنا ہی چڑتی بھی تھی۔ وہ مجھے چڑتے، بچتے، کتراتے دیکھتے تو اور زیادہ تنگ کرتے۔ ان کی محبت بھری شرارت، پیار بھری سرگوشی چاہت میں ڈوبی چھیڑ چھاڑ مجھے جھنجلا کر رکھ دیتی تھی۔ شاید مجھے محبت میسر تھی اسی لیے مجھے اس کی اتنی قدر نہیں تھی جتنی ہونی چاہیے تھی۔ انسان سدا کا ناشکرا اور ناقدرہ جو ٹھہرا۔ جو چیز جو نعمت پاس ہو اس سے دور بھاگتا ہے اسے نظر انداز کرتا ہے اور جو چیز دور ہو، دسترس سے باہر اس کی قربت اور حصول کیلئے مارا مارا پھرتا ہے۔ کبھی کبھی میں احمر کو نظر انداز کر کے انہیں ستا کر خوش ہوتی۔ وہ مجھے بلاتے رہتے۔

''اقراء! میری بات تو سنو۔''

''آپ کی تو ایک ہی بات ہے بس، مجھے تم سے محبت ہے۔'' میں دور سے ہی جواب دیتی۔

''ہاں تو ہے مجھے تم سے محبت۔'' وہ معصومیت سے کہتے۔

''تو کیا ہر روز اس کا اظہار ضروری ہے؟''

''ہاں محبت کے پودے کو تو ہر روز پانی دینا پڑتا ہے ورنہ یوں پودا دھیرے دھیرے مرجھانے لگتا ہے۔ اس کے پتے زرد ہونے لگتے ہیں، شاخیں سوکھنے لگتی ہیں۔ جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ اس پودے کو محبت کا پانی ملتا رہے تو یہ ہمیشہ سرسبز اور شاداب رہتا ہے اور میں بھی اپنی محبت کے اس پودے کو ہمیشہ ہرا بھرا، سرسبز اور شاداب مہکتا، چہکتا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' احمر نے نہایت نرم لہجے میں اپنا فلسفہ محبت پیش کیا۔ میں شرمندہ سی ہو گئی۔

''میں ذرا کام دیکھ لوں۔'' میں نے بہانہ بناتے ہوئے کہا۔

''ہاں دیکھ لو شاید کام مجھ سے زیادہ اچھا ہے زیادہ پیارا ہے۔'' احمر نے بچوں کی سی معصومیت اور خفگی سے کہا تو وہ سچ مچ ایک معصوم سے بچے دکھائی دیئے اور میری محبت میں ممتا کے سوتے پھوٹ پڑے اور میں نے بے اختیار ان کے پاس آ کر ان کے بالوں کو نرمی سے چھیڑتے ہوئے پیار سے کہا۔

''آپ سے اچھا اور پیارا تو کوئی بھی نہیں ہے احمر۔''

اور وہ یوں خوش ہوئے جیسے انہیں دو جہان کی دولت مل گئی ہو۔ پتہ نہیں کیوں میں باوجود ان کے بے تحاشہ اظہار اور عملی محبت سے چڑنے کے انہیں لمحے بھر کو بھی خفا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ان کے وجیہہ سراپے میں ان کی بے لوث محبت میں خلوص میں اتنی کشش تھی کہ میں خود بخود انہیں کی طرح کھنچی چلی آتی تھی۔ شاید یہ ان کی محبت تھی جو میرے دل میں بھی لبالب بھری تھی۔ میں کبھی کبھار سوچتی کہ اگر احمر کچھ عرصے کیلئے مجھ سے دور ہو جائیں تو ان کا کیا حال ہوگا؟ خود پر تو مجھے بڑا زعم ہے کہ میں ان کے بغیر کافی عرصے تک سکون سے رہ سکتی ہوں مگر رہنے کا تجربہ ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ مجھے یہ بھی خیال آتا کہ اکثر مرد کہتے ہیں کہ شادی کے دو سال بعد ساری عورتیں ایک جیسی ہو جاتی ہیں۔ اپنی کشش، جاذبیت اور دلنشینی گنوا بیٹھتی ہیں۔ ایک دن احمر کے سامنے میں نے یہ بات کہہ دی تو وہ کہنے لگے۔

''احمق ہیں وہ مرد جو ایسا کہتے ہیں۔ شادی کے دو سال بعد تو عورت اور زیادہ پرکشش، جاذب نظر اور دلنشین ہو جاتی ہے۔ ماں بن کر اس پر جو رنگ روپ آتا ہے وہ تو اور بھی بے خود کر دینے والا ہوتا ہے۔'' میں تو ان کی بے خودی کے زیر اثر تھی لہٰذا ان کی اس بات پر فوراً ایمان لے آئی۔ وہ بس محبت کرنا ہی جانتے تھے۔ کبھی کسی کو ڈانٹنا، غصہ کرنا یا جھڑکنا تو انہوں نے سیکھا ہی نہ

تھا۔ حالانکہ میں نے اپنے گھر میں بھی دیکھا تھا۔ ابو، امی کو اور بھیا بھابھی کو سب کے سامنے جھاڑ پلا دیتے تھے۔ بھابھی کے بچے رات کو روتے تو بھیا ڈانٹتے کہ ''انہیں لے کر دوسرے کمرے میں چلی جاؤ میری نیند مت حرام کرو دن بھر کا تھکا ہوا آیا ہوں صبح پھر دفتر بھی جانا ہے۔'' اور عظمٰی بھابھی بے چاری اپنے سال چھ مہینے کے بچوں کو اپنی آغوش میں چھپائے میرے کمرے میں آجاتیں اور میں ان کے ساتھ مل کر بچوں کو سنبھالا کرتی۔ جبکہ احمر کا تو معاملہ ہی الٹ تھا۔ پہلی بار جب بچے رات کو روئے تو میں دل ہی دل میں ڈر گئی کہ آج تو احمر سے ڈانٹ پڑے ہی پڑے۔ انہیں مجھ پر غصہ آئے ہی آئے۔ آخر کب تک محبت کا راگ الاپتے رہیں گے۔ بچوں کو چپ کرایا۔ انہیں اپنے سینے سے لگا کر سلایا اور مجھے محبت سے مسکرا مسکرا کر دیکھتے رہے۔ یہ نیا نیا شوق نہ تھا کئی مہینے گزر گئے اب بچے رات کو روتے تو وہ خود بھی اٹھ کر انہیں میرے ساتھ سنبھالنے لگتے۔ میں لاکھ کہتی کہ۔

''آپ سو جائیں تھک گئے ہوں گے۔ صبح آفس بھی جانا ہے۔'' تو وہ مجتبیٰ احمر کو گود میں لیے لیے مسکراتے ہوئے کہتے۔

''یہ بچے ہم دونوں کے ہیں اور ہمارے باہمی اشتراک سے اس دنیا میں وارد ہوئے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تم ان کے ساتھ جاگتی رہو اور میں آرام سے پڑا سوتا رہوں۔''

''احمر آپ کتنے اچھے ہیں۔'' مجھے بے اختیار ہی ان پر پیار آنے لگتا اور زبان چل جاتی۔

''بتاؤ تو کتنے اچھے ہیں؟'' وہ بیٹے کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنے ساتھ لگا لیتے۔ میں تو کہہ کر پھنس جاتی وہ تو ہر بات کا عملی اظہار مانگتے اور چاہتے تھے اور میں ٹھہری زبانی، کلامی کام چلانے والی سو بری پھنسی تھی ان کی محبت کے حصار میں کوئی راہ فرار ہی نہ چھوڑی تھی انہوں نے میرے لیے۔ چار سو ان کی محبت کا ہی جال بچھا تھا میں اس جال میں پھڑ پھڑاتی بھی رہتی اور اس سے نکلنا نہ بھی چاہتی۔ یہ قید، یہ حصار، یہ جال مجھے دل سے محبوب بھی تو تھا۔

احمر کی فیکٹری میں کام بڑھ گیا تھا تو وہ اکثر گھر دیر سے آنے لگے تو مجھے ڈر ہوا کہ وہ بھی دوسرے سارے مردوں کی طرح دھیرے دھیرے گھر سے بیوی بچوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ گھنٹہ بھی دیر سے گھر آتے تو میرا پارہ چڑھ جاتا میں کہاں ان کے طویل انتظار کی عادی تھی وہی لگی بندی روٹین کب سے چل رہی تھی اب تو بچے بھی ایک سال کے ہو گئے تھے۔ احمر کی دیر سے آنے کی روٹین میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا وہ مجھے آفس سے فون کر کے بتا دیتے تھے کہ کتنی دیر لگ جائے گی اور میں گھر کب تک آؤں گا۔ تم پریشان مت ہونا۔ میں مطمئن ہو جاتی کہ کام میں مصروف ہیں مجھے بتا تو دیا ہے ورنہ میں پریشان ہوتی رہتی۔ ایک دن تو حد ہی ہو گئی۔ وہ صبح نو بجے کے گھر سے نکلے تھے۔

رات کے گیارہ بجے گھر لوٹے تو میں نے نہ آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا نہ ہی ان کے سلام کا جواب دیا بلکہ غصے اور ناراضگی کے اظہار کے طور پر ان سے منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ہنستے ہوئے میرے قریب آ کر بولے۔

''یار! سلام کا جواب تو دے دو ثواب ملے گا۔''

''وعلیکم السلام۔'' میں نے تنگ کر جواب دیا۔

''اب جب سلامتی کی دعا دے دی ہے تو ناراضگی بھی جانے دو، ہوں۔'' انہوں نے میری ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔

''کیوں؟'' میں نے ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے غصے سے کہا۔

''کیونکہ غصہ حرام ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''ایک تو آپ اتنی دیر سے گھر آئے ہیں اور اوپر سے غصے اور ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کرنے دیتے۔ پھر دیر سے ہی کیوں آتے ہیں؟'' میں نے خفگی سے کہا۔

''تمہیں میرے دیر سے گھر آنے پر غصہ آتا ہے اور مجھے تمہیں منانے میں مزہ آتا ہے۔'' احمر نے مجھے اپنی بانہوں کے حلقے میں لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو آپ جان بوجھ کر دیر سے گھر آتے ہیں ٹھیک ہے آئندہ میں بھی آپ کے دیر سے گھر آنے پر نہ غصہ کروں گی اور نہ کوئی جرح کروں گی۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''اگر ایسا کروں گی تو میں روز دیر سے آؤں گا۔''

''تو میں سمجھوں گی کہ آپ اوپر اوپر ہی سے مجھے پیار کرتے ہیں دل سے تو فرار کا موقع ڈھونڈتے تھے جو ملتے ہی فرار ہو گئے۔'' میں نے ان کے حصار سے نکلتے ہوئے کہا۔

''اے! اے! سب کچھ کرنا مگر میری محبت پر شک مت کرنا ورنہ۔''

''ورنہ کیا؟'' میں نے اکڑ کر انہیں دیکھا۔

''ورنہ میں تم پر اتنی محبت نچھاور کروں گا کہ تمہاری سات نسلیں بھی سیراب ہو جائیں گی۔'' احمر نے مجھے دیکھتے ہوئے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں پلیز ایسا غضب مت کیجیے گا۔ مجھے یقین ہے آپ کی محبت پر۔'' میں نے ان کی آنکھوں سے چھلکتی شرارت اور ارادوں کو بھانپتے ہوئے سٹپٹا کر کہا تو وہ ہنس پڑے۔

''تم میری محبت سے اتنا بچتی کیوں ہو؟''

''کوئی نہیں'' میں نے نظریں چرائیں۔

''اچھا یہ بتاؤ کھانا کھا لیا تھا۔'' انہوں نے مجھے بچوں کی پیدائش سے لے کر اب تک مینو خود تیار کر کے دیا تھا اور سختی سے اس پر عمل کرا رہے تھے۔

''مجھے تو آپ کی خیریت کی فکر کھائے جا رہی تھی کھانا کیسے کھا لیتی؟''

محبت کرو گی تو یہ تو ہوگا ہی۔'' وہ خوش ہو کر بولے۔

''کوئی نہیں کرتی میں آپ سے محبت۔'' میں نے نظریں چرا کر خفگی سے کہا۔

''میری جان! جن سے محبت ہوتی ہے فکر بھی انہیں کی ہوتی ہے۔ محبت تو خود بولتی ہے۔'' وہ مجھے بازوؤں سے تھام کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے پیار سے بولے۔

''پلیز احمر۔'' میں اس وقت فلسفہ محبت سننے اور اس کے عمل میں سے گزرنے کے موڈ میں قطعی نہیں تھی۔ ملتجی لہجے میں بولی تو وہ ہنس دیئے۔

''اچھا بابا چھوڑو اس بات کو اور مجھے اپنے مینو پر عمل کا صحیح بتاؤ تمہیں تین افراد کی خوراک روزانہ کھانی ہے۔ کم از کم تین گلاس دودھ روزانہ پینا ہے اور.....''

''بس بس مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا۔'' میں نے ان کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

''ایک بات بتائیں آپ نے مجھ سے پہلوانی کرانی ہے کیا؟''

دو بچوں کو فیڈ کرتی ہو پہلوانی خوراک تو تمہیں کھانا ہی پڑے گی۔ ورنہ بی۔ پی لو ہو جائے گا۔ یاد ہے ایک بار ہو گیا تھا تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔'' انہوں نے آٹھ، نو ماہ پرانی بات یاد دلاتے ہوئے کہا۔

''اب نہیں نکالتی نا آپ کی جان اب تو بچوں کو ٹھوس غذا متواتر دے رہی ہوں۔ مجھے اب میری خوراک پر ہی رہنے دیں۔ آپ کی ہدایات پر عمل کرتے کرتے تو اچھی خاصی موٹی ہو گئی ہوں۔'' میں نے انہیں ملتجی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''موٹی کہاں ہوئی ہو؟ پہلے سے زیادہ غضب ناک اور پرکشش ضرور ہو گئی ہو۔'' احمر نے میرے سراپے پر بھرپور محبت بھری جوشیلی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تو میں شرم سے بے حال ہو گئی۔

شادی کے شروع کے تین سال بھرپور محبتوں اور مسرتوں میں گزر گئے۔ میری تحریروں میں احمر کی محبتوں کی بدولت مزید نکھار آتا گیا اور میرے حسن میں بھی۔

''میری محبت نے تمہاری تحریروں میں بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔'' احمر کبھی کبھی مجھے چھیڑنے کو کہتے۔

''تنگ آ گئی ہوں میں آپ کی محبت سے۔'' میں چڑ کر مذاق سے کہتی تو وہ خوب کھلکھلا کر

ہنستے اور کہنے لگتے۔

''دو چار دن تم سے دور رہا نہ تو میری محبت کا نہ ہونا ہی تمہیں تنگ کرے گا۔''

''دیکھیں گے۔'' میں شانے اچکا کر لاپرواہی سے کہتی۔ پھر ایک دن وہ دفتر سے گھر آئے اور مجھے اپنا سوٹ کیس تیار کرنے کا کہا۔ انہیں بزنس کے سلسلے میں کراچی سے لاہور جانا تھا اور پھر لاہور سے اسلام آباد جانا تھا۔ ایک ہفتے کا شیڈول تھا۔ میں نے ان کا سوٹ کیس تیار کر دیا۔ شام کی ان کی فلائٹ تھی۔

''میں مسلسل میٹنگز میں مصروف رہوں گا اس لیے تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا اور بچوں کے ساتھ تم بھی ہوٹل کے کمرے میں پریشان ہی ہوتی رہو گی۔ میں وہاں پہنچ کر تمہیں فون کر دوں گا تم پریشان مت ہونا اور ہاں اگر چاہو تو یہ ایک ہفتہ تم اپنے میکے گزار لو۔ تمہاری بھی خواہش پوری ہو جائے گی میکے والوں کی بھی، اور تمہارا وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔'' احمر نے جلدی جلدی اپنی فائلیں چیک کرتے ہوئے مجھے ہدایات دیں۔

''شکریہ۔''

''ارے جاؤ! شکریہ کیسا؟ بلکہ میں تو تم سے تمہارے گھر والوں سے شرمندہ رہتا ہوں کہ میں اپنی محبت میں تمہیں میکے رہنے کیلئے نہیں بھیجتا۔ اب یہ موقع ملا ہے تو تم اس کا گلہ بھی دور کر دو لیکن اپنا اور بچوں کا بہت خیال رکھنا۔'' وہ نرمی سے بولے۔

''آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔'' میں نے انہیں چاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ضرور اب چند دن میں تم سے اور تم میری محبت سے دور رہو گی۔ میں فون بھی روز نہیں کروں گا پھر بتانا کیسا تجربہ رہا میری ہر وقت کی محبت سے دور رہنے کا۔''

احمر نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر کر دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''محبت میں زمینی فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ جن سے محبت ہوتی ہے ان کا قرب تو ہمیں ہر پل حاصل رہتا ہے۔ دوریاں تو نزدیکیوں کو جنم دیتی ہیں۔ نہ آپ مجھ سے دور ہوں گے اور نہ میں آپ سے دور ہوں گی۔''

میں نے بے ساختہ اچھا خاصا لیکچر دے دیا۔

''ارے واہ تم نے تو دل خوش کر دیا میری جان!'' احمر نے خوش ہو کر میری پیشانی چوم لی اور شرارت سے بولے۔

''باقی کا پیار ادھار رہا واپسی آ کر دوں گا۔''

''آپ جائیں تو۔'' میں نے شرماتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑے اور مجھے اور بچوں کو خدا حافظ کہہ کر ڈرائیور کے ساتھ ایئرپورٹ چلے گئے میں نے اپنا اور بچوں کا سوٹ کیس اور بیگ تیار کیا گھر کی اہم چیزوں کو لاک کیا۔ پرانی ملازمہ اور چوکیدار کو ضروری ہدایات دے کر ڈرائیور کے ساتھ بچوں کو لے کر میکے آ گئی۔ مجھے دیکھ کر سب نے خوشی کا اظہار کیا۔ امی ابو نے خوب پیار کیا۔

میرے بیٹوں مجتبیٰ اور ارتضیٰ کو سب باری باری گود میں لے کر پیار کر رہے تھے۔ وہ دونوں بہت زیادہ ذہین اور شرارتی تھے۔ دو دن میں سب سے گھل مل گئے میکے میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی میرے آنے سے اور بچوں کی شرارتوں سے۔ بھابی اور بھیا کے بچے میری بہن نمرا بھی ان سے کھیل رہے تھے ہنس بول رہے تھے، اور میں بجھی بجھی سی تھی۔ احمر لاہور اور پھر اسلام آباد پہنچ کر مجھے فون کریں گے اور گھنٹے سے پہلے تو بات ختم نہیں ہوگی ان کی، وہ تو مجھے دفتر سے بھی دن میں دو تین بار فون کرتے تھے۔ پھر بھلا شہر سے دور جا کر کیوں نہیں کریں گے؟ مگر میں حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی تھی کہ انہوں نے تو صرف اپنے پہنچنے کی اطلاع دی تھی، دوبارہ فون ہی نہیں کیا تھا۔ میں حسب معمول شام کو تیار ہو جاتی ہر وقت ایسا محسوس ہوتا جیسے ابھی احمر مجھے پکارتے ہوئے چلیں آئیں گے اور مجھے اپنی بانہوں میں لے کر پیار سے کہیں گے۔

''اقراء جانی! میری نظروں سے اوجھل مت ہوا کرو۔ تم دکھائی نہ دو تو میرے اندر افراتفری مچ جاتی ہے۔'' مجھے اپنی حالت اور کیفیت پر حیرت ہو رہی تھی۔ میں جو احمر کی ہر وقت کی محبت سے تنگ تھی اب اسی محبت کے نہ ہونے سے تنگ ہو رہی تھی۔ ٹھیک ہی تو کہا تھا احمر نے اور ایسا ہی ہو رہا تھا۔ پہلے میں ان کی محبت سے بیزار تھی اور اب ان کی محبت کیلئے بے قرار تھی مجھے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ احمر کی آواز، احمر کا لمس، احمر کی خوشبو، احمر کی صورت، ہر پل مجھے اپنے سحر میں جکڑے ہوئے تھی۔ میں ٹیلیفون کی ہر بیل پر بے کل ہو کر دیکھتی مگر وہ فون میرے احمر کا نہ ہوتا۔ ایک ہفتہ کیا میرے لیے تو ایک ایک پل ایک ایک لمحہ گزارنا محال ہو رہا تھا۔ بچوں کو تو سب گھر والوں نے سنبھال لیا تھا اور مجھ سے اپنا آپ ہی نہیں سنبھالا جا رہا تھا کئی بار تو مجھے اپنی بے بسی پر اپنی اس کیفیت پر باقاعدہ رونا بھی آیا۔ رات رات بھر کروٹیں بدلیں۔ احمر کے لمس کو ان کی آواز کو ترستی۔ انہیں اپنے آس پاس اندر باہر محسوس تو کر رہی تھی مگر انہیں چھو کر محسوس کرنے کی بے تابی عروج پر تھی۔ احمر کی جلد خیریت سے واپسی کی دعا مانگتی تو آنسو خود بخود بہہ نکلتے۔ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔ محبت تو مجھے بھی تھی احمر سے مگر ایسی بے قراری اور بے کلی تو میں نے کبھی محسوس نہ کی تھی۔ وہ کبھی مجھ سے ایک دن کیلئے بھی دور جو نہیں ہوئے تھے۔ یہ احمر کی بے پناہ، بے حساب اور بے بہا محبتوں کا ہی کرشمہ تھا

کہ مجھے ان کے بغیر ایک ایک پل قیامت سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ خدانخواستہ وہ ہمیشہ کیلئے تو مجھے چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔ پھر بھی میرے دل کو میری روح کو کسی طور چین نہیں آ رہا تھا۔ میکے آ کر تو مجھے خوش ہونا چاہیے تھا مگر میں بظاہر خوش تھی اندر سے بے کل تھی۔ عظمیٰ بھابی نے مجھے چپ چپ دیکھا تو مسکراتے ہوئے بولیں۔

''اقراء تو میکے آ کر بھی میاں کی محبت کے حصار میں گم ہے کیوں اقرا؟''

''کیوں نہ ہوں بھابی اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی محبت کرنے والے شوہر کا ساتھ بخشا ہے، ہے کوئی میرے احمر جیسا محبت میں گندھا، محبت میں بولتا، محبت میں ہنستا، محبت میں سرشار کرتا کوئی دوسرا؟'' میں نے دل سے رشک سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''واقعی تم بہت خوش نصیب ہو اقراء! احمر بھائی جیسا دوسرا ڈھونڈنا مشکل ہے۔ ان کی محبتوں کو دیکھتے ہوئے تمہارے بھیا بھی مجھ سے نرمی اور محبت سے پیش آنے لگے ہیں۔ اب غصہ نہیں کرتے، نرمی سے بات سمجھا دیتے ہیں۔ سچ میں تو دل سے احمر بھائی کی شکرگزار اور قدردان ہوں۔ اللہ تمہارے لیے ان کی محبت ہمیشہ سلامت رکھے۔'' عظمیٰ بھابی نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا ساتھ ہی مجھے دعائیں بھی دیں۔

''آمین۔'' میں نے دل سے کہا۔ خدا خدا کر کے ہفتہ گزرا۔ میں بچوں کو لے کر واپس ''احمر ولا'' آ گئی۔ صبح احمر کا فون آیا تھا کہ وہ آج شام کی فلائٹ سے واپس آ رہے ہیں۔ میں نے واپسی کی تیاری تو پہلے ہی مکمل کر رکھی تھی ان کا فون سنتے ہی گھر سے گاڑی منگوائی اور بچوں کو لے کر واپس آ گئی۔ گھر آ کر گھر کی سجاوٹ نئے سرے سے کی احمر کی پسند کے پکوان اپنے ہاتھوں سے پکائے۔ ان کی پسند کے رنگ کا لباس پہن کر شام کو ان کے استقبال کیلئے تیار ہوئی تو احمر کا فون آ گیا کہ اسلام آباد کا موسم خراب ہونے کے باعث فلائٹ کینسل کر دی گئی ہے لہٰذا وہ صبح کی فلائٹ سے روانہ ہوں گے اگر موسم صاف ہوا تو، اس سے زیادہ انہوں نے کوئی بات نہ کی بس میرا اور بچوں کا حال پوچھ کر فون بند کر دیا۔ میرا دل بند ہوتے ہوتے رہ گیا۔ ساری تیاری دھری کی دھری رہ گئی۔ اسلام آباد کے خراب موسم نے میرے دل کا موسم خراب کر دیا تھا۔ میکے میں تو میں اپنے آنسوؤں پر بند باندھتی رہی کہ کہیں مجھے روتا دیکھ کر وہ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں یا میرا مذاق نہ اڑانے لگے۔ مگر یہاں کون تھا سوائے بچوں کے جو آپس میں کھلونوں سے کھیل رہے تھے۔ سو میں نے ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

''اقراء جانی! تم تو کہتی تھیں کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔'' اچانک احمر کی آواز میرے

کانوں میں پڑی مجھے یہ اپنا تصور اور خیال لگا اور میں نے روتے ہوئے غصے میں آ کر کہا۔

''کب کہتی تھی جھوٹے؟''

''محبت کرنے والے جھوٹے نہیں ہوتے۔'' احمر کے دلکش اور نرم لہجے نے مجھے آواز کی سمت دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ سچ مچ میری نظروں کے سامنے کھڑے تھے اور ایسا تو اس ایک ہفتے میں بار بار ہوا تھا میں ان کے تصور کو حقیقت سمجھ کر اسے چھونے کو لپکتی تو وہ غائب ہو جاتے اسی لیے میں اب کی بار اٹھ کر ان کی طرف نہیں لپکی اور روتے ہوئے بولی۔

''احمر! آپ بہت برے ہیں۔''

''جھوٹ تمہاری نظر میں مجھ سے سچا اور اچھا تو کوئی اور ہے ہی نہیں۔''

''بڑی خوش فہمی ہے جناب کو۔''

''آپ کی محبت کے مرہون منت ہے یہ خوش فہمی۔''

''ہاں تو جب آپ کو پتہ ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے تو پھر کیوں تڑپا رہے ہیں۔ آ جائیں ناں واپس پلیز۔'' میں نے انہیں دیکھتے ہوئے روتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہا۔

''آ تو گیا ہوں میری جان!'' احمر کی مسکراتی محبت میں ڈوبی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''آپ...... سچ مچ آ گئے ہیں۔'' میں اٹھ کر ان کی طرف بڑھتے ہوئے حیرت سے بولی۔

''آپ چھو کر دیکھ لیں، محسوس کر لیں۔'' انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ جسے میں ان کا تصور سمجھ رہی تھی وہ حقیقت تھا۔ مجھ پر تو جیسے شادیٔ مرگ طاری ہو گئی۔

''احمر!'' میں نے انہیں دیکھتے ہوئے بے ساختہ کہا اور ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ انہوں نے مجھے جی بھر کر رونے دیا اور دل کھول کر پیار کیا۔

''اب بتاؤ کہ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟''

انہوں نے میرے آنسو صاف کر کے پوچھا۔

''اب بھی بتانے کی ضرورت ہے کیا؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مگر چھپانے کی بھی ضرورت نہیں ہے سمجھیں۔'' انہوں نے خوشی سے ہنس کر کہا۔

''کہاں چھپا پائی ہوں میں؟'' میں نے نظریں جھکا کر کہا تو وہ خوشدلی سے ہنس پڑے۔

''میری محبت میری جان!'' احمر نے مجھے اس قدر ٹوٹ کر پیار کیا کہ ہفتے بھر کی دوری کا سارا ملال ساری بے قراری اور اذیت جاتی رہی اور میں پھر سے ان کی محبت میں کھل کر گلاب کی

مانند مہکنے لگی۔

وقت گزرتا رہا اور احمر کا ساتھ میرے جسم و جاں پر میری روح پر محبت بن کر برستا رہا۔ احمر نے مجھے واقعی اتنی محبت دی ہے، اتنی محبت دی ہے کہ سچ مچ میری سات نسلیں بھی اس محبت کے بحر بیکراں سے سیراب ہو جائیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ احمر کی محبت بڑھتی چلی جا رہی ہے، اور مجھے جوان کی محبت سے چڑ ہوا کرتی تھی۔ بس ان کی ایک ہفتے کی دوری نے ہی ختم کر دی تھی۔ میں ان سے کتنی محبت کرتی ہوں یہ تو میں اندازہ نہیں لگا سکتی ہاں مگر اتنا جانتی ہوں کہ میں انہیں زیادہ دیر خود سے دور نہیں دیکھ سکتی۔ اب ان کی محبت کے جواب میں محبت ہی انہیں لوٹاتی ہوں وہ کبھی کبھی مجھے مذاق سے ہنستے ہوئے کہتے ہیں۔

''اقراء جانی! مجھے ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جانا ہے تم روؤ گی تو نہیں۔''

''جا کر دکھائیں ذرا۔'' میں ان کے سینے پر مکّے برساتی تو وہ ہنس ہنس کر بے حال ہونے لگتے۔ آج ہماری شادی کو پورے اٹھارہ برس ہو گئے ہیں۔ اولاد جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو جڑواں بیٹوں کے بعد ایک پیاری سی بیٹی سے بھی نوازہ ہے۔ ہمارے بچے بھی ہماری محبتوں کا عکس ہیں۔ احمر کو بچوں سے بھی بے پناہ محبت ہے، اور مجھ سے تو ان کی محبت آج بھی ویسے ہی ہے جیسے شادی کے پہلے روز پہلے سال پہلی سالگرہ پر تھی۔ ان کا محبت کرنے کا محبت لٹانے کا انداز ایسا دلکش ہے کہ ہر روز ان کی محبت مجھے نئی نئی سی لگتی ہے۔ نرم، کومل، لطیف احساس جگانے والی، من کو گدگدانے والی۔ میرے ملنے والے اور والیاں سب کہتے ہیں کہ ''اقراء تو دن بہ دن نکھرتی ہی جا رہی ہے۔ اس پر بڑھاپا تو کیا آتا جوانی ہی لوٹ لوٹ کر اپنی بہار کھلا رہی ہے۔'' اور میں ان کی یہ باتیں سن کر محبت کی احمر کی بے لوث محبت کی احسان مند ہونے لگتی ہوں۔ انہیں کی محبت کے گلاب ہیں یہ جو میرے قلب و جاں کو معطر اور شاداب رکھے ہوئے ہیں۔ بھلا ایسی روح تک میں سما جانے والی محبت سے بھی کوئی بیزار ہو سکتا ہے کبھی نہیں۔ میں ہر دم رب کریم کا شکر ادا کرتی ہوں جس کی رحمت نے مجھے احمر کی بے پناہ اور بے بہا محبت سے نوازا، نہال اور سرشار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری خوشیوں کے اس محبت بھرے آنگن کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ میرے سہاگ کو میرے احمر کو میری آخری سانس تک تندرست و توانا، خوش اور سلامت رکھے کہ انہیں کے دم سے تو میری محبت کا زیست کا جہان آباد ہے۔ محبت، محبت، محبت اسی دائرے میں رہتی ہے ہر پل زندگی میری۔ اللہ نظرِ بد سے بچائے۔ آپ بھی دعا کیجئے گا اور میں بھی آپ سب کے لیے محبت بھرے ہمسفر کے لیے دعا گو ہوں گی۔

''اقراء! اقراء جانی!'' میری سماعتوں میں احمر کی پیار بھری پکار آ رہی ہے۔ وہ شادی کی

سالگرہ کا کیک اور میرے لئے گجروں اور سرخ گلابوں کا تحفہ لے کر آ چکے ہیں۔ ان کی محبتوں کے عملی اظہار کے تحفے علیحدہ ہوں گے۔ وہ میرا جنم دن اور شادی کی سالگرہ بہت اہتمام سے مناتے ہیں۔ شادی کی سالگرہ میں ہم میاں بیوی اور بچے ہی شریک ہوتے ہیں لیکن اہتمام بہت شاندار ہوتا ہے۔ بچے بھی ہمیں مبارکباد اور تحائف دیتے ہیں۔ تصویریں کھینچی جاتی ہیں، صدقہ دیا جاتا ہے ہماری ان خوشیوں اور محبتوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔

''اقراء جانی!'' احمر کی پیار بھری پکار میں بے تابی شامل ہو چکی ہے۔ اب آپ سے میں رخصت چاہوں گی کیونکہ مجھے اپنی محبت کا استقبال بھی تو اپنی محبت سے کرنا ہے۔ محبت کے معاملے میں تو ہم دونوں ہی مالا مال ہیں۔ دونوں ہی دولت مند ہیں اور یہ مال و دولت ہم جتنی خرچ کرتے جاتے ہیں یہ اتنی بڑھتی جاتی ہے۔ محبت کی روشنی، محبت کی حدت، محبت کی شدت اور محبت کی مہک دن بہ دن بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، اور میں اس روشنی، حدت، شدت اور مہک میں اضافے کا ایک اور باب رقم کرنے کے لیے اپنے گھر کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں جا رہی ہوں جہاں میری محبت بانہیں پھیلائے ہمیشہ کی طرح منتظر ہے اور مجھے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کے اسی انتظار کو اپنی محبت سے ختم کر کے اس کی محبت اپنے دامن میں بھر کر سرشار ہوتے ہوئے اسے محبت سے سالگرہ کی مبارکباد دینا ہے۔



محبت تیرا میرا مسئلہ ہے

حسن کی بھیک ہی عطا کر دو
اور درویش کی صدا کیا ہے؟
گھر سے نکلے تھے چار بیکار
کچھ نہ پوچھو کہ پھر ہوا کیا ہے؟

احمر حسن نے اس کے گرد طواف کرتے ہوئے اس انداز سے یہ اشعار پڑھے کہ اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''تم ہنستی ہو تو پھول کھل جاتے ہیں۔'' وہ اس کے صبیح چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اور تم ہنستے ہو تو پھول مرجھا جاتے ہیں۔''

قرۃ العین نے مذاق سے کہا۔

''تم کہو تو ہنسنا چھوڑ دوں۔''

''کیا کہا! دنیا چھوڑ دوں۔''

''تم کہو گی تو دنیا بھی چھوڑ دوں گا۔''

''میں بھلا کیوں کہوں گی مجھے زندہ نہیں رہنا کیا؟'' وہ محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی، تو وہ کھل اٹھا۔ اس پر اسے ٹوٹ کر پیار آنے لگا۔

''ارے جیو میری جان! تمہیں تو تا قیامت زندہ رہنا ہے۔'' وہ محبت سے بولا۔

''اتنی لمبی عمر بھلا کس کی ہوتی ہے؟''

''محبت کی۔''

احمر حسن نے اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا تو وہ اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتی چلی گئی۔ جو اس کے دل میں نقش تھا اس کی آنکھوں میں ثبت تھا۔ اس کے سکون کی علامت تھا۔ اس کے خوابوں کا شہزادہ تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم پھولوں والی چادر اوڑھ کر امی کے جوتے پہن کر باہر کیا کرنے گئے تھے؟'' اس نے یاد آنے پر پوچھا۔

''تمہارے کہنے پر عمل کرنے گیا تھا۔''

''میں نے کیا کہا تھا؟''

''تم نے کہا نہیں تھا کہ تم لڑکی ہوتے تو تمہیں پتا چلتا کہ باہر نکلنا کتنا مشکل ہوتا ہے لڑکی کیلئے، مردوں کے بیچ اکیلی لڑکی غیر محفوظ ہو جاتی ہے۔ بس میں یونہی تجربہ کرنے کو نکل کھڑا ہوا تھا۔''

''اچھا پھر کیا ہوا؟'' اس نے مسکراتے ہوئے متجسس ہو کر پوچھا

''ہونا کیا تھا اپنے محلے کے ہی تین شریف زادے مجھے لڑکی سمجھ کر میرے پیچھے پیچھے سیٹیاں بجاتے ہوئے چل پڑے۔ میں نے چہرہ چادر میں چھپا رکھا تھا وہ کم بخت گانے لگے۔ ''ذرا پردہ تو ہٹاؤ مکھڑا تو دکھاؤ'' بس پھر میں نے نقاب الٹ دیا اور کہا۔ ''لو میں نے پردہ ہٹا دیا اب بتاؤ کیا تکلیف ہے۔ تمہاری شرافت سے بھی پردہ اٹھ گیا نا۔''

''پھر کیا کہا انہوں نے؟'' قرۃ العین نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''او یار احمر! تم نے بھی اب تک بچپن والی شرارتیں نہیں چھوڑیں۔'' وہ بولے میں نے کہا ''اور تم نے بڑوں والی حرکتیں شروع کر دی ہیں۔ عورت کے حلیے میں مرد بھی ہو تو تمہاری رال ٹپکنے لگتی ہے۔ بس پھر وہ میری منتیں کرنے لگے کہ کسی کو بتانا مت، آئندہ ہم ایسی حرکت نہیں کریں گے۔'' اس نے ان کی نقل اتارتے ہوئے ساری بات اسے بتادی۔

''تو اسی لیے آتے ہی اشعار سنائے جا رہے ہیں۔ ویسے احمر اب تم واقعی بڑے ہو گئے ہو ایسی شرارتیں مت کیا کرو خوامخواہ کسی سے پٹ جاؤ گے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ جوش میں آ کر بولا۔

''خوامخواہ پٹ جاؤں گا اللہ میاں نے مجھے بھی دو ہاتھ اور دو ٹانگیں دی ہیں۔ ایسی فلائنگ ککس لگاؤں گا کہ سالے یاد کریں گے۔''

''یہ انسان بھی کتنا عجیب ہے خود مارے تو فلائنگ کک اور گدھا مارے تو دولتی۔'' قرۃ

العین نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''یار روشنی! عورت بننا واقعی بہت مشکل ہے اف میں تو ذرا سی دیر میں سٹپٹا گیا تھا۔ میں تو بندہ ہی بن جاؤں وہی بہت ہے۔'' احمر حسن نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو مرد کا کام کیا ہے؟''

''عورت کو دیکھنا۔'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

''تو مجھے کیوں دیکھ رہے ہو میں کوئی عورت تھوڑی ہوں۔'' وہ رخ پھیر کر بولی۔

''لڑکی تو ہو نا اور لڑکی بھی ایسی کہ جسے تمام عمر بھی دیکھتا رہوں تو تب بھی نگاہ سیر نہ ہو دل کی چاہ نہ مٹے۔'' وہ اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تو اس کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''حلوہ کھاؤ گے۔''

''حلوہ اور پوچھ پوچھ تم جانتی ہو کہ حلوہ میری کمزوری ہے۔''

''اور تمہاری یہ کمزوری حلوہ کھا کر بھی دور نہیں ہوتی۔'' قرۃ العین نے برجستہ کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''میری کمزوری تو تم بھی ہو اور تم مجھ سے دور ہو کر بھی مجھ سے دور نہیں ہوتیں۔'' وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''دماغ تو ٹھکانے پر ہے تمہارا۔''

شرمیلے پن سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''ہاں بس دل ہی ٹھکانے پر نہیں ہے۔'' احمر حسن نے اس کی کلائی میں سجی چوڑیوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو کہاں ہے تمہارا دل؟''

''تمہارے پاس۔''

''جی نہیں۔'' وہ شرما کر نظریں جھکا گئی۔

''جی ہاں۔''

''ثبوت دو۔''

''میری آنکھوں میں دیکھ لو اپنے دل میں جھانک لو۔''

''میں نہیں کرتی یہ تانک جھانک۔'' وہ شرماتے ہوئے بولی۔

''نہ کرو مگر جان لو قرۃ العین تم میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، میری بینائی ہو میری روشنی ہو۔ میری آنکھوں کا نور ہو تم۔'' وہ اس کے قریب کھڑا بہت مدھم اور نرم لہجے میں اقرار کرتا اس کے دل میں ہلچل مچا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیا اور خوشی کے رنگ سجا رہا تھا۔ ''اب تو تمہیں حلوہ کھلانا ہی پڑے گا۔''

قرۃ العین نے اس کے چہرے کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑا۔ وہ اسے اندر لے آئی اور بیسن کا حلوہ پلیٹ میں میووں سے سجا کر اس کے سامنے پلیٹ رکھ دی۔

''یہ حلوہ میں نے خود بنایا ہے۔'' قرۃ العین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تم نے بنایا ہے؟'' احمر حیرت سے بولا۔

''کیا مطلب ہے؟'' قرۃ العین نے اسے گھورا۔

''حلوہ ایسا ہوتا ہے۔''

''اور کیسا ہوتا ہے بولو؟'' وہ آستین چڑھاتی ہوئی لڑنے کیلئے کھڑی ہوگئی۔

''ایسا ہی ہوتا ہے مزیدار لذت سے بھرپور، میں تعریف کر رہا ہوں اور تم لڑنے کی تیاری کر رہی ہو۔ ایمان سے تمہارے ہاتھ کا بنا تو زہر بھی مجھے امرت کا مزا دیتا ہے۔'' وہ فوراً بیان بدلتے ہوئے بولا۔

''بہت خوشامدی ہو تم۔'' قرۃ العین نے اس کے بازو پر مکہ رسید کر دیا۔

''سچی دل سے کہہ رہا ہوں۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''اچھا مان لیا اب حلوہ کھالو'' وہ بھی ہنس دی۔

☆☆☆

انور رؤف اور عامرہ بیگم کے دو بچے تھے۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی، بیٹا اشعر رؤف اور اس سے آٹھ سال چھوٹی بیٹی قرۃ العین، انور رؤف کے ایک بھائی اکبر رؤف اور بہن عائشہ تھیں۔ اکبر اور جمیلہ بیگم کے تین بچے تھے اور دو بیٹیاں نبیلہ، عقیلہ اور بڑا بیٹا خالد جو ایم۔اے اکنامکس کرنے کے بعد آج کل ایک بینک میں ملازمت کر رہا تھا۔ نبیلہ کی شادی اشعر سے ہوئی تھی اور ان کی ایک بیٹی تھی۔ اشعر اور انور رؤف اپنی شوگر مل اور ٹیکسٹائل مل میں مصروف رہتے تھے۔ قرۃ العین گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ اس نے حال ہی میں بی۔اے کے امتحان دیئے تھے۔ عائشہ بیگم اور احمد حسن کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے اظفر حسن اور ان سے پانچ سال چھوٹا احمر حسن تھا۔ اظفر حسن کی شادی ان کی پھوپھی زاد نغمہ سے ہوئی تھی، ان کے دو بچے تھے۔ بیٹا زین اور بیٹی عروشہ۔ احمد حسن اور انور رؤف

کے گھر ساتھ ساتھ تھے اس لیے ہر روز کا آنا جانا تھا۔ احمر حسن، قرۃ العین سے چار سال بڑا تھا وہ دونوں بچپن میں ساتھ کھیلے تھے کالج میں جا کر الگ ہو گئے مگر صرف تعلیمی میدان میں، احمر نے ایم بی اے کرنے کے بعد ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت کر لی تھی وہ بہت قابل اور ذہین تھا۔ احمد حسن نے اپنی زمین بیچ کر فوڈ کی فیکٹری لگا لی تھی۔ اظفر حسن بھی ان کے ساتھ کام کرتے تھے۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔ احمر اور قرۃ العین کا چونکہ بچپن کا ساتھ تھا لہٰذا ان کے درمیان دوستی اور بے تکلفی تو تھی ہی لیکن وہ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو چاہنے بھی لگے تھے۔ دونوں اکٹھے ہی گھر سے نکلتے تھے۔ قرۃ العین کے امی ابو اور احمر کے والدین بھی جانتے تھے کہ وہ دونوں یک جاں دو قالب ہیں۔ عائشہ بیگم اور احمد حسن نے تو قرۃ العین کو اپنی بہو بنانے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا مگر اس کی پڑھائی کی وجہ سے باقاعدہ رشتے کی بات نہیں کی تھی۔ عائشہ بیگم نے انور رؤف سے ایک دو بار ذکر ضرور کیا تھا اور احمر وہ تو قرۃ العین پر جان چھڑکتا تھا۔ نکھری نکھری گلاب کی مانند کھلی کھلی دلکش خدوخال، شربتی آنکھوں اور ڈارک براؤن بالوں والی یہ سندر سی گڑیا سی لڑکی اس کے دل و روح میں بسی ہوئی تھی۔ اس کی صبح اسے دیکھ کر ہوتی تھی اور رات اس کے خوابوں کے سنگ گزرتی تھی۔ قرۃ العین کا دل بھی اب احمر کے ساتھ کی تمنا میں بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی اسے دیکھے بنا چین نہیں پاتی تھیں۔ ان کی اس درجہ دوستی اور بے تکلفی سے قرۃ العین کے تایا اکبر رؤف ان کی فیملی اور خالہ شاکرہ بیگم بہت جلتی تھیں۔ ان کی آنکھیں بھی قرۃ العین کو اپنی بہو بنا کر اس کے حصے کی جائیداد پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ شاکرہ بیگم اور حامد بیگ کا بیٹا ماجد ایم اے کی ڈگری لینے کے بعد ایک سرکاری محکمے میں ملازمت کر رہا تھا۔ وہ بھی ماں باپ کی باتوں میں آ کر قرۃ العین سے شادی کر کے امیر بننے کے خواب دیکھ رہا تھا اور بالآخر دونوں طرف سے قرۃ العین کیلئے رشتے کی بات کر دی گئی۔ قرۃ العین اس بات سے بے خبر تھی۔ عامرہ بیگم تو اپنے بھانجے کیلئے ہاں کرنا چاہتی تھیں اور انور رؤف، احمر اور قرۃ العین کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اکبر رؤف اور شاکرہ بیگم سے سوچنے کیلئے وقت مانگ لیا تھا۔

☆☆☆

''روشنی، اجالا، قرۃ العین، یہ دیکھو کتنی شاہکار تصویر ہے تمہاری۔''

وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ احمر ہاتھ میں تصویر لیے اس کے پاس آ بیٹھا اور اس کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

''یہ تصویر تم نے کب لی تھی؟'' قرۃ العین نے اپنی پھولوں کے درمیان خوبصورت تصویر

دیکھ کر حیران ہو کر پوچھا۔

''پچھلے ہفتے جب تم پھولوں کے بیچ کھڑی خود بھی ایک تروتازہ پھول لگ رہی تھی۔ میں نے ٹیرس پر سے تمہیں دیکھا تھا اور چپکے سے تمہاری تصویر کھینچ لی۔ کیسی ہے؟'' وہ تفصیل بتا کر پوچھ رہا تھا۔

''اچھی ہے۔''

''صرف اچھی ہے۔ محترمہ بہت زیادہ اچھی ہے۔'' وہ تصویر اس کے ہاتھ سے لے کر بولا۔

''لیکن تم نے میری اجازت کے بغیر میری تصویر کیوں کھینچی؟''

''دل کے معاملات میں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''دو میری تصویر۔'' قرۃ العین نے تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی۔ وہ اسے ستانے کیلئے ایسا کہہ رہی تھی ورنہ تو دل اس کی دیوانگی پر نہال ہوا جا رہا تھا۔

''میں یہ تصویر انلارج کرانے جا رہا تھا۔''

''آئندہ میری اجازت کے بغیر میری کوئی تصویر مت کھینچنا اور نہ ہی انلارج کرانا سمجھے۔''

اس نے سنجیدگی سے کہا اس کی صورت پر پھیلی سنجیدگی اسے مزا دے رہی تھی اور وہ بھی اس کی رگ رگ سے واقف تھا اس کی باتوں پر جان بوجھ کر منہ بنالیتا تھا۔

''ہوں، مگر تمہاری ایک تصویر تو اب بھی میرے پاس ہے۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''کہاں ہے واپس کرو میری تصویر؟''

''یہاں ہے میرے دل میں یہاں ہے میری آنکھوں میں، لے سکتی ہو یہ تصویر مجھ سے تو لے لو تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔'' احمر نے اپنے دل پر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اس محبت سے مسکراتے ہوئے کہا کہ قرۃ العین کا دل خوشی سے سرشاری سے رقص کرنے لگا اس کا دل چاہا کہ خود اس کے دل میں سما جائے اسے اپنے اندر چھپا لے وہ کتنا پیار کرتا تھا اس سے کتنی شدید محبت تھی، اس کی محبت اس کیلئے تھی۔ وہ اپنی قسمت پر رشک کرنے لگی۔

''احمر! تم چاہے اپنے ہر البم سے میری تصویر نکال دو لیکن یہاں سے اور یہاں سے میری تصویر کبھی مت نکالنا۔'' قرۃ العین نے اپنی تصویر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اس کے دل اور آنکھوں کے قریب اپنی شہادت کی انگلی رکھ کر دھیمی آواز میں کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''بس کرلیا مذاق، ستالیا مجھے۔'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

''بہت برے ہو تم۔'' اس نے اس کے سینے پر مکہ رسید کر دیا وہ ہنسنے لگا۔

''اچھا میں جا رہا ہوں۔'' وہ جانے کیلئے کھڑا ہو گیا۔

''جاؤ جاتے ہوئے دروازہ بند کرتے جانا۔'' اس نے ناراضگی سے کہا۔

''میں گھر سے باہر جانے کی نہیں ملک سے باہر جانے کی بات کر رہا ہوں۔''

''میں امریکہ جا رہا ہوں اپنی کمپنی کی طرف سے۔''

''لوگ امریکہ سے واپس آ رہے ہیں اور تم امریکہ جا رہے ہو ویسے بائی دی وے تمہیں امریکہ میں گھسنے کون دے گا؟'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''وہی جنہوں نے مجھے بلایا ہے۔''

''شکل دیکھی ہے امریکہ جانے والی، تم تو ایئرپورٹ پر ہی دہشت گردی کے الزام میں پکڑ لیے جاؤ گے۔'' وہ بدستور مذاق کے موڈ میں تھی۔

''اسٹوپڈ گرل، میں مذاق نہیں کر رہا ہوں سچ مچ امریکہ جا رہا ہوں۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے وہاں جانے کی۔'' اس نے رعب دار لہجے میں کہا۔

''کیوں؟''

''تمہارا کیا بھروسہ واپسی پر کوئی گوری میم ہی ساتھ لے آؤ۔''

''کیوں تم کیا کالی ہو؟'' وہ اس کے خدشے پر ہنسا۔

''بس نہیں جاؤ نا۔'' اب وہ بچوں کی طرح منت بھرے لہجے میں بولی۔

''نہ جانے کی کوئی خوبصورت سی وجہ بتادو میں نہیں جاؤں گا۔''

''میں اداس ہو جاؤں گی تمہارے بغیر۔'' اس نے اس کے سامنے کھڑی ہو کر دل سے کہا۔

''سچی، پھر تو میں ضرور جاؤں گا۔'' وہ خوش ہو کر شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم جاؤ گے۔''

''ہاں میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو؟''

''تم...... مجھے آزماؤ گے۔''

''نہیں میری روشنی، میں مذاق کر رہا ہوں۔ تم نے کہہ دیا ہے نا اب میں نہیں جاؤں گا کیونکہ تمہارے بغیر میں بھی اداس ہو جاؤں گا بلکہ آدھا پاگل ہو جاؤں گا۔'' وہ اسے محبت لٹاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آدھا نہیں پورا، آدھے پاگل تو تم اب بھی ہو۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''قرۃ!'' وہ اس کی طرف بڑھا تو وہ ہنستی ہوئی تیزی سے دور بھاگ گئی۔

''بھاگ لو آج تم مجھ سے جتنی دور بھاگ رہی ہو نا کل میرے اتنے ہی قریب ہوگی۔'' اس نے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''شرم کرو۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

''شرم وحیا لڑکیوں کا زیور ہے تم شرم میں رہنا اور میں......'' وہ شرارت سے جملہ ادھورا چھوڑ کر باہر بھاگا تھا کیونکہ وہ گلدان اٹھا کر اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

''قرۃ العین! ادھر آؤ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''

عامرہ بیگم نے اسے رات کے کھانے کے بعد اپنے پاس بلایا۔

''جی امی!'' وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی ''یہ تو تم جانتی ہو کہ مجھے بات گھما پھرا کر کرنے کی عادت نہیں ہے اس لیے اب بھی بلاتمہید تم سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں۔ ماجد اور خالد میں سے کس کا انتخاب کرنا چاہو گی؟'' عامرہ بیگم نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''امی! کس سلسلے میں؟''

''اپنی شادی کے سلسلے میں؟''

''شادی، خالد اور ماجد سے۔'' وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ اب پریشان بھی ہوگئی تھی آنکھوں میں ایک دم سے احمر کی صورت آسمائی تھی۔

''تمہاری خالہ اور تایا، تائی اپنے اپنے بیٹوں کیلئے تمہارا پرپوزل لے کر آئے تھے ہم نے ان سے سوچنے کیلئے وقت مانگ لیا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟''

''میری مرضی۔'' اس نے آہستگی سے کہا اس کی آنکھیں احمر کو دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں بتاؤ نا۔''

''امی! آپ نے تو ان سے سوچنے کیلئے وقت مانگا ہے تو بھلا میں کیسے ایک دم سے بنا سوچے سمجھے آپ کو جواب دے دوں مجھے بھی سوچنے کیلئے کچھ وقت چاہیے۔'' قرۃ العین نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے ہماری بیٹی!'' انور رؤف نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کی بات سن کر کہا تو وہ کھڑی ہوگئی۔

''ابو!''

''جی ابو کی جان! بیٹا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم اچھی طرح سوچ لو پھر جو تمہارا دل کہے وہ تم ہم سے کہہ دینا ٹھیک ہے۔'' انور رؤف نے اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر پیار سے کہا۔

''جاؤ شاباش اب جا کر سو جاؤ۔ شب بخیر۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''شب بخیر۔'' وہ آہستہ سے کہہ کر ان کے کمرے سے باہر نکل آئی اور اپنے کمرے میں جانے کی بجائے اوپر بالکونی میں آ گئی جہاں سے احمر کے کمرے کی بالکونی اور کمرہ صاف اور قریب دکھائی دیتے تھے اور وہ دونوں اکثر بالکونی میں بیٹھ کر باتیں بھی کیا کرتے تھے نیچے دونوں گھروں کے لان نظر آتے تھے۔ احمر کے کمرے کی لائٹ آف تھی۔ قرۃ العین نے چھوٹے چھوٹے کنکر بالکونی کے کونے میں جمع کر رکھے تھے تاکہ وقت ضرورت احمر کو بلانے کیلئے اس کے کمرے کا نشانہ لے سکے۔ اب ضرورت پڑ گئی تھی اس لیے اس نے مٹھی میں چار پانچ کنکر لے کر احمر کے کمرے کی کھڑکی کا نشانہ لیا۔ ایک کنکر کھڑکی کے شیشے پر لگا آواز دونوں طرف گونجی تھی۔ اس نے کھڑکی کے کھلے پٹ کھلنے تک مزید کنکر کا نشانہ لیا چار پانچ کنکر مارنے کے بعد وہ منہ بسورے کھڑی تھی کہ احمر کمرے سے بالکونی میں نمودار ہوا۔ نیلے ٹراؤزر اور بائل گرین ٹی شرٹ میں وہ کچی نیند سے جاگا ہوا لگ رہا تھا۔

''یہ تم مجھے کنکر کیوں مار رہی تھیں؟'' وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''شیطان کو کنکر کیوں مارتے ہیں؟ ثواب سمجھ کر نا۔'' وہ بولی تو وہ ہنس دیا۔

''ہاں تو تم نے کما لیا نا ثواب اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟''

''احمر وہ۔''

''وہ کیا؟ میرے بغیر نیند نہیں آ رہی کیا؟''

وہ شرارت سے بولا۔

''احمر تم۔'' اس نے غصے سے اسے گھورا۔

''اچھا بابا سوری، بتاؤ کیوں بلایا تھا ورنہ میں ساری رات بے چین رہوں گا۔'' اس نے فوراً معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہے نا میرے ساتھ تم بھی بے چین رہو۔'' اس نے رک کر اسے دیکھا۔

''سوری کہہ تو رہا ہوں۔ چلو اب بتا دو کیا پریشانی ہے؟''

احمر نے بہت محبت بھرے لہجے میں کہا تو اس نے بالکونی کی ریلنگ کو تھام کر اس کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا کر بولی۔

''احمر! امی نے مجھے ابھی بتایا کہ خالہ اور تایا جان کے بیٹوں کے پرپوزل آئے ہیں میرے لیے انہوں نے میری رائے معلوم کی ہے میں کسی کیلئے ہاں کروں؟''

''جسے تمہارا دل چاہتا ہے اس کیلئے ہاں کردو۔'' وہ اسے تنگ کرنے کی غرض سے مسکراتے ہوئے بولا ورنہ اندر سے پریشان تو وہ بھی ہو گیا تھا یہ سن کر۔

''جسے میرا دل چاہتا ہے اسے تو پرپوزل بھیجنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔''

قرۃ العین نے اسے خفگی سے دیکھتے ہوئے کہا چاندنی رات میں اس کی چاند کی سی صورت خفا خفا سی اور بھی پیاری لگ رہی تھی احمر کو۔

''کون ہے وہ بدنصیب؟'' احمر نے مذاق سے پوچھا۔

''اگر وہ بدنصیب ہے تو اسے میرے گھر آنے اور مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے ناراض لہجے میں کہا تو وہ شریر لہجے میں بولا۔

''تو یہ مجھ سے کیوں کہہ رہی ہو اس سے کہو نا جسے تم چاہتی ہو۔''

''ٹھیک ہے آئندہ میں تم سے کچھ نہیں کہوں گی۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی اور واپس جانے کیلئے پھر سے مڑ گئی۔ وہ اس کی آنکھوں میں اترتی نمی دیکھ کر بے چین ہو گیا۔

''قرۃ! رک جاؤ پلیز ادھر آؤ میری بات سنو۔'' احمر نے نرمی سے کہا۔

''تو بتاؤ احمر میں امی کو کیا جواب دوں؟''

''صاف جواب دے دو۔''

''کیوں؟''

''میرے جیسا لاجواب بندہ تمہیں ملے گا کہیں؟'' اس نے ریلنگ پر کہنیاں ٹکا کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اتراتے ہوئے کہا۔

''خیر مل تو جائے گا صبر اور تلاش شرط ہے۔'' قرۃ العین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو ٹھیک ہے ڈھونڈ لو جا کر مجھ پر بھی سینکڑوں لڑکیاں مرتی ہیں۔''

''مرتی ہی ہیں نا کوئی بے چاری تمہیں دیکھ کر زندہ بھی بچی ہے۔'' قرۃ العین نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم ہو نا۔''

''میرا دل بہت مضبوط ہے۔''

''یہ مضبوط دل اس لیے ہے کہ میری محبت سے مزین ہے۔''

''جی نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے نظریں چرالیں۔

''میری بات کا جواب نہیں دیا تم نے۔'' قرۃ العین نے بے چینی سے کہا۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ تم میرے لیے ہاں کرو۔''

''خوامخواہ ہی۔ دو آپشن دیئے ہیں امی نے مجھے خالد اور ماجد، تمہارا تو کہیں ذکر ہی نہیں ہے جو تمہارے لیے ہاں کردوں۔'' وہ خفگی سے بولتی چلی گئی۔

''اے اے اتنے سنگین الزامات مت دینا مجھے، مجھ سے باوفا اور محبت سے گندھا شخص تمہیں پوری دنیا میں نہیں ملے گا۔ تمہارے معاملے میں پوری طرح فیئر ہوں میں، سمجھیں۔'' وہ ایک دم سے بے چین ہو کر بولا۔

''مجھے مت سمجھاؤ امی، ابو کو سمجھاؤ سمجھے۔'' وہ اسی خفگی سے بولی۔

''قرۃ! میرے جیسی سچی اور بے لوث محبت کوئی دوسرا بندہ تمہیں نہیں دے سکے گا۔'' وہ والہانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اوہو۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''آزمالینا۔''

''خیر میں نے کیا آزمانا ہے تمہیں میں نے جس کیلئے ہاں کرنی ہے اس کا پرپوزل تو آیا ہی ہوا ہے۔'' وہ اسے ستانے کیلئے سنجیدگی سے جھوٹ بول گئی۔

''کیا مطلب؟''

''اب دیکھو نا احمر! ہم نے بچپن جوانی تو ساتھ گزار لی ہے۔ اب کیا ساری زندگی میں تمہارا ہی چہرہ دیکھتی رہوں گی ایک ہی چہرہ دیکھ، دیکھ کر انسان اکتا جاتا ہے بیزار ہو جاتا ہے۔ شادی تو کسی کم مانوس یا نئے چہرے سے کرنی چاہیے زندگی میں کچھ تو چینج آئے کچھ تو نیا پن آئے۔ پتا نہیں لوگ بچپن سے بڑھاپے تک کیسے ایک ہی صورت دیکھتے گزار دیتے ہیں۔ اف مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''بس یا اور کچھ بھی کہنا ہے تمہیں؟'' احمر نے بجھے لہجے میں پوچھا۔

''نہیں میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا اب تم جا کر سو جاؤ۔''

''شکریہ مادام!'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وہ مسکراتی ہوئی نیچے آگئی۔

☆☆☆

صبح اس نے معمول کے مطابق اپنے کام کیے۔ انور رؤف اور اشعر بھائی آفس چلے گئے تو وہ عائشہ بیگم کی طرف جانے کیلئے تیار ہوگئی۔ بے بی پنک ٹراؤزر شرٹ پر سفید نیٹ کا دوپٹہ پہنے، بالوں کی شریر لٹوں کو ہیر بینڈ میں مقید کر کے اونچی سی پونی بنائے پاؤں میں سفید اسٹرپ کی خوبصورت چپل پہنے میک اپ سے مبرا چہرہ لیے وہ بے حد دلکش اور حسین لگ رہی تھی۔ اس کا اپنا رنگ بھی لباس کے رنگ سے ہم آہنگ ہو رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو احمر کو منانے کے خیال میں گم تھی۔ جانتی تھی وہ رات خفا ہو کر گیا تھا اس نے بات ہی ایسی کہی تھی اور جان بوجھ کر کہی تھی کیونکہ وہ اپنے اور اس کے بیچ ہوا کو بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا اور ایسی بات تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا جو اس نے بڑے دھڑلے سے سنجیدگی سے اس کے رو برو کہہ دی تھی اس کی قرۃ العین سے محبت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید گہری اور سچی ہوتی جارہی تھی اور قرۃ العین اس حقیقت سے بے خبر بھی تو نہ تھی سب جانتی تھی اور خوش رہتی تھی احمر کی محبت کا احساس اسے ہر دم تر و تازہ اور خوشی سے بھرپور رکھتا تھا۔

''امی! میں پھپھو کے گھر جارہی ہوں۔''

اس نے جاتے جاتے ہمیشہ کی طرح بتانا ضروری سمجھا حالانکہ لان کی دیوار کے آخری کونے پر دروازہ لگا تھا جہاں سے وہ بالآسانی ایک دوسرے کے گھر آجاتے تھے۔

''احمر سے ملنے۔'' عامرہ بیگم نے اخبار ایک سائیڈ پر رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔

''جی امی! وہ اسٹوپڈ مجھ سے خفا ہے اسے منانے جانا ہے۔''

''قرۃ العین! میرا خیال ہے کہ اب یہ روٹھنے منانے کا سلسلہ ختم ہوجانا چاہیے۔''

''میں سمجھی نہیں امی!''

''اتنی ناسمجھ بھی نہیں ہو تم، تمہاری شادی کی بات چل رہی ہے گھر میں۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ تمہاری تائی اور ان کے گھر والوں کو اور تمہاری خالہ شاکرہ اور ان کے بیٹے ماجد کو تمہارا احمر کے ساتھ پھرنا، ہنسنا، بولنا پسند نہیں ہے۔'' انہوں نے صاف بات کہہ دی۔

''مگر مجھے تو پسند ہے امی اور جب تک میں یہاں ہوں میں احمر سے ملنا نہیں چھوڑ سکتی وہ میرے بچپن کا ساتھی ہے، دوست ہے میرا آج تک کوئی دن ایسا نہیں گزرا جو ہم دونوں نے ایک دوسرے سے ملے بغیر بتا دیا ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اب تو ساری زندگی تمہیں احمر کے بغیر ہی گزارنی ہے۔''

نبیلہ بھابھی نے بھی وہاں آتے ہوئے اس کی بات سن کر کہا۔

''اللہ نہ کرے۔'' قرۃ العین کی زبان سے بے اختیار نکلا ان دونوں نے پہلے اسے اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا جیسے انہیں اس کا یہ جواب پسند نہ آیا ہو، جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔

''جیتے جی تو مجھے احمر سے ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا، میں جارہی ہوں پھپھو کے گھر۔''

قرۃ العین نے اپنی بات مکمل کی اور جانے لگی تو عامرہ بیگم نے پیچھے سے کہا۔

''قرۃ العین! اب تم بڑی ہوگئی ہو تمہاری احمر کے ساتھ یہ بے تکلفی اب ختم ہو جانی چاہیے۔''

''امی میری زندگی میں احمر سے نہ ملنے کا کوئی تصور ہے ہی نہیں، خدا حافظ۔'' اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا اور باہر نکل گئی اور وہ دونوں دیکھتی رہ گئیں۔

''السلام علیکم! پھپھو!'' اس نے عائشہ بیگم کو دیکھتے ہی دور سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو، ارے بھئی تمہیں دیکھے بغیر تو ہماری صبح ہی نہیں ہوتی۔'' عائشہ بیگم نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''لیں پھر مجھے دیکھیں اور اپنی صبح کا آغاز کریں۔'' اس نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑیں پھر اس کی پیشانی چوم لی۔

''اللہ تمہیں سدا ہنستا، مسکراتا اور شاد رکھے۔''

''آمین!'' قرۃ العین نے دل سے کہا پھر نظریں ادھر ادھر دوڑاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''پھپھو! احمر کہاں ہے؟''

''اچھا تو تم احمر سے ملنے آئی ہو مجھ سے نہیں۔''

''نہیں تو پھپھو!'' وہ خجل سی ہو کر بولی تو انہیں ہنسی آگئی۔

''میں تو مذاق کر رہی تھی، میں نہیں جانتی کیا کہ تم دونوں کی جان تو ایک دوسرے میں بند ہے۔ جیسے پرانے وقتوں میں جن کی جان کسی طوطے میں بند ہوا کرتی تھی نا اسی طرح تم دونوں ایک دوسرے کے طوطے ہو۔'' عائشہ بیگم نے کہا تو وہ شرمیلے پن سے ہنس پڑی۔

''پھپھو! احمر اپنے کمرے میں ہے نا۔''

''نہیں بیٹا! وہ تو آفس چلا گیا ہے۔''

''مجھ سے ملے بغیر ناممکن۔'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''اسے جلدی تھی نا اسی لیے۔''

''پھپھو! اسے جتنی بھی جلدی ہوتی ہے وہ ہمیشہ مجھ سے مل کر جاتا ہے اور اب تو مجھ سے خفا بھی تھا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''احمر اور تم سے خفا تھا بھئی میں نہیں مانتی۔''

عائشہ بیگم ہنستے ہوئے بولیں۔

''ایسے ہی جھوٹ موٹ، سچ مچ مجھ سے خفا ہونے کی جرأت ہے بھلا اس میں۔'' قرۃ العین نے معصومیت سے کہا تو وہ ہنستی چلی گئیں۔

''بالکل بھی نہیں ہے جاؤ اس جھوٹ موٹ کے خفا کو منا لو وہ اسٹڈی میں ہوگا۔'' عائشہ بیگم نے اس کی پریشان صورت دیکھ کر کہا۔

''پھپھو! آپ بھی مذاق کرنے لگی ہیں۔''

''آخر پھپھو اور ماں کس کی ہوں؟'' انہوں نے کہا تو وہ ہنس دی۔

پھر وہ اسٹڈی میں دبے قدموں داخل ہوگئی۔ احمر میز پر اخبار رکھے بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ قرۃ العین نے چپکے سے اس کی کرسی کے پیچھے آ کر اس کی آنکھوں پر اپنے نرم ملائم ہاتھ رکھ دیئے۔

''تم پہیلی تو نہیں ہو قرۃ العین نور کہ میں تمہیں بوجھوں یا پہچاننے کی کوشش کروں تم تو مجھے بند آنکھوں سے بھی دکھائی دے رہی ہو۔'' احمر نے اس کے نرم ملائم لمس کو پہچانتے، محسوس کرتے ہوئے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو بتاؤ بھلا کہ میں نے کس رنگ کے کپڑے پہنے ہیں؟''

''تم نے بے بی پنک کلر کے کپڑے پہنے ہیں اور بالوں کی اونچی سے پونی بنائی ہے۔''

''ہائے اللہ! احمر تم تو قرۃ العین شناس ہوگئے۔'' وہ اس کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اس کے سامنے آتے ہوئے حیرانگی سے بولی۔

''دیکھ لو پھر، یہ تمہاری محبت کا کرشمہ ہے۔'' وہ اسے محبت سے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا تو اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''میری محبت...... میں نے کب کی ہے تم سے محبت؟''

''اب یہ تو تم جانو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا اور اخبار تہہ کر کے رکھ دی۔

''میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ تمہارے بغیر تم سے ملے بغیر میں نہیں رہ سکتی اس کا تصور

بھی نہیں کر سکتی اور میں نے یہ بات امی سے بھی کہہ دی ہے۔'' وہ نظریں جھکائے اپنے دوپٹے کے کونے کو انگلی پر لپیٹتے ہوئے بولی۔

''تم نے ان سے یہ کہا۔'' وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو کر بولا۔

''ہاں تو اور کیا کہتی وہ مجھے ڈانٹ رہی تھیں کہ مجھے تم سے نہیں ملنا چاہیے۔ تایا اور خالہ وغیرہ کو پسند نہیں ہے میرا تم سے ملنا۔'' وہ فکرمند اور الجھے ہوئے لہجے میں اسے بتا رہی تھی۔

''احمر! امی کی باتیں سن کر میرا دل گھبرانے لگتا ہے بھابھی بھی یہی کہہ رہی تھیں۔'' وہ پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''کہنے دو نور! وہ لوگ تو ویسے ہی ہم سے جلتے ہیں۔ تمہاری خالہ اور ہمارے تایا کی فیملی اور وہ خود، اب ہم ان کی خوشی کیلئے اپنی زندگی تو خراب نہیں کر سکتے نا۔'' احمر نے بے نیازی سے کہا۔

''تم رات والی بات پر مجھ سے خفا نہیں ہونا۔''

''تم سے تو میں کسی بھی بات پر خفا نہیں ہو سکتا۔'' وہ ہنسا۔

''تو رات منہ بسور کر کیوں چلے آئے تھے؟''

''تاکہ تم مجھے منانے آؤ اسی لیے تو میں آفس بھی نہیں گیا۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''میں جا رہی ہوں بہت ڈرامے باز ہو تم۔'' وہ جانے لگی تو اس نے اس کا آنچل پکڑ لیا۔

''چھوڑ دو آنچل زمانہ کیا کہے گا؟'' وہ دوپٹہ اس کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے بولی۔

''محبت تیرا میرا مسئلہ ہے
زمانے کو شریک مت کرو''

احمر نے مسکراتے ہوئے یہ شعر پڑھا تو وہ سنجیدگی سے بولی۔

''زمانہ تو خود ہی شریک کار بن جاتا ہے تمہیں پتا ہے تائی اور خالہ وغیرہ ہمارے ہر وقت ساتھ گھومنے پر کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں؟''

''بنانے دو کچھ تو بناتے ہیں بے چارے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''مذاق نہیں احمر!''

''محبت چلے گی۔'' اس نے کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''محبت یہ تو چل رہی ہے تمہارے ساتھ میری شکل میں۔''

''تو میری محبت میری روشنی پھر بھول جاؤ کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ زمانہ کیا کہتا ہے؟''

وہ اسے تسلی دلاتے ہوئے نرمی اور محبت سے بولا۔

''تم نے آج آفس نہیں جانا کیا؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں آج کا دن تمہارے نام کر دیا ہے۔''

''صرف آج کا دن، جاؤ میں تم سے نہیں بولتی۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''ارے پگلی، خفا کیوں ہوتی ہو میں نے تو اپنی پوری زندگی تمہارے نام کر دی ہے اب تو خوش ہو جاؤ۔'' اس نے اس کی اس ادا پر نثار ہوتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''یہ کیا؟ تم نے چوڑیاں کیوں نہیں پہنیں؟'' احمر کی نظر اس کی سونی کلائیوں پر پڑی تو فوراً پوچھا تو اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''ٹوٹ گئی تھیں اس رنگ کی چوڑیاں اور جو باقی تھیں وہ میں نے کام والی کی بیٹی کو دے دیں اسے چوڑیاں بہت پسند ہیں نا اس لیے۔''

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے تمہاری کلائیوں میں کھنکتی چوڑیاں کتنی اچھی لگتی ہیں۔ چوڑیاں بہت بجتی ہیں تمہاری ان خوبصورت کلائیوں میں اور تمہاری سونی کلائیاں مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔'' اس نے اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''آج تمہیں میری کلائیاں اچھی نہیں لگتیں، کل کو میں بھی اچھی نہیں لگوں گی ہے نا۔'' اس نے معصومیت سے روٹھے لہجے میں کہا۔

''نہ، نہ ایسا نہ کہو قرۃ! تم تو مجھے ہمیشہ اچھی لگتی ہو اور مرتے دم تک اچھی لگتی رہو گی۔ بس عادت ہو گئی ہے نا شروع سے تمہاری کلائیوں میں چوڑیاں دیکھنے کی تو جب نہیں ہوتیں تو مجھے عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ چلو بازار چلتے ہیں میں تمہیں ڈھیر ساری چوڑیاں خرید کر دوں گا۔'' اس نے نرمی سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''آئس کریم کھلاؤ گے۔''

''ضرور کھلاؤں گا۔'' اس نے ایسے کہا جیسے وہ کوئی چار پانچ برس کی بچی سے بات کر رہا ہے۔

''تو چلو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی وہ بائیک کی چابی لے کر اس کے ساتھ باہر آ گیا۔

''میں بائیک پر نہیں بیٹھوں گی۔''

''کیوں پہلے تو بیٹھتی رہی ہو؟''

''ہاں مگر اب نہیں، میں بائیک پر بہت ان ایزی اور غیر محفوظ فیل کرتی ہوں۔ لوگ لڑکی لڑکے کو بائیک پر اکٹھے دیکھ کر عجیب عجیب نظروں سے گھورتے ہیں۔'' قرۃ العین نے اسے دیکھتے

ہوئے کہا۔

''کالج بھی تو ہم دونوں اسی بائیک پر آتے جاتے رہے ہیں پھر یہ یکا یک جناب کو لوگوں کی نظروں کا خیال کیسے آ گیا؟''

''لوگوں کے احساس دلانے سے۔'' اس نے اداسی سے جواب دیا۔

''قرۃ العین! تم احمر کے ساتھ بائیک پر ایسے چپک کر بیٹھتی ہو یوں لگتا ہے جیسے فلمی سین ریکارڈ کروا رہی ہو۔'' نبیلہ بھابی نے کچھ دن پہلے اس سے کہا تھا جب وہ اپنا آخری پرچہ دے کر احمر کے ساتھ بائیک پر گھر آ گئی تھی حالانکہ وہ اس سے کافی فاصلے پر بیٹھتی تھی ہمیشہ، اور بائیک کے کیریئر کو پکڑ کر بیٹھتی تھی۔

احمر کو نہیں پکڑتی تھی اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ باہر لوگ اسے اس طرح بیٹھا دیکھ کر باتیں بنائیں مگر نبیلہ بھابی اپنی ماں کا مزاج بھی رکھتی تھیں۔ کچھ کچھ اس لیے کبھی کبھار ایسے جملے ضرور کہتی تھیں جن سے قرۃ العین کو دکھ ہوتا تھا مگر وہ چپ ہو کر سن لیتی تھی آگے سے کچھ نہیں کہتی تھی۔

''مثلاً کن لوگوں کے؟'' احمر نے اس کی افسردگی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''نبیلہ بھابی کے۔''

''یار چھوڑو انہیں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''آؤ بیٹھو۔''

''پتا ہے میری کالج کی کلاس فیلوز تمہیں میرا بھائی سمجھتی ہیں۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔'' اس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بتایا تو وہ ہنس پڑا۔

''ان کا مجھے تمہارا بھائی کہنا۔''

''تو اور کیا؟''

''تو کیا ہوں میں تمہارا؟'' وہ شرارت اور شوخی سے پوچھنے لگا۔

''تمہیں نہیں پتا؟'' اس نے شرمگیں لہجے میں کہا وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''مجھے تو پتا ہے تم انہیں بھی بتا دو نا کہ تمہارا مجھ سے بھائی والا نہیں دل والا پیار محبت والا رشتہ ہے جو ازل سے ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ابد تک رہے گا۔''

''میں کیوں بتاؤں؟ لوگ جیلس ہوتے ہیں ابھی سے ہمیں نظر لگا دیں گے۔''

قرۃ العین نے اتنی معصومیت سے کہا کہ احمر کے اندر محبت کے خزانے ابل پڑے۔

''فکر نہ کرو روشنی ڈیئر، جب تک اللہ کی نظر کرم ہم پر ہے نا ہمیں کسی کی نظر نہیں لگے۔

سکتی۔'' وہ اپنے جذبوں کے اظہار پر بند باندھتے ہوئے پر یقین لہجے میں بولا۔

''یہ تو ہے۔'' وہ مسکرا دی۔

''تو چلیں بازار۔''

''جانا ضروری ہے کیا؟''

''بالکل، تمہارے لیے چوڑیاں جو خریدنی ہیں۔ قرۃ! تم دوسری جیولری پہنو نہ پہنو مگر چوڑیاں ضرور پہنا کرو۔'' احمر حسن نے اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا بابا اب گاڑی نکالو اگر بازار جانا ہے تو۔''

''جو حکم مادام!'' اس نے سرخم کر کے کہا تو اسے ہنسی آ گئی۔

وہ اپنی بائیک ایک طرف کھڑی کر کے گاڑی کی چابی لے آیا اور دونوں اس میں بیٹھ کر بازار کی طرف روانہ ہو گئے۔

''یہ رنگ کم کم پہنا کرو۔'' احمر نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس سے کہا۔

''تم بھی کم کم خفا ہوا کرو۔'' اس نے جواباً کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''مجھے معلوم ہے کہ میں جب بھی تم سے خفا ہوتا ہوں نا تو تم یہ رنگ پہن کر مجھے منانے آتی ہوں جانتی ہو نا کہ میں تمہیں اس رنگ میں دیکھ کر بہکنے لگتا ہوں۔'' اس نے اسے دیکھ کر کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''تو جبھی تم نے پہچان لیا تھا کہ میں نے یہ رنگ پہنا ہے میں ایویں ہی خوش ہو رہی تھی کہ تم مجھے دیکھے بنا پہچان لیتے ہوئے کپڑوں کا رنگ تک جان لیتے ہو۔''

''یہ حقیقت ہے نور! تمہیں میں نہیں پہچانوں گا تو اور کون پہچانے گا؟'' وہ بالکل چوڑیوں کی دکان کے قریب گاڑی روک کر بولا۔

''یہ تو ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی اور پھر دونوں چوڑیوں کی دکان میں داخل ہو گئے۔

احمر نے سبز رنگ کی چوڑیاں پسند کرلیں۔ اسے ایمان کا خیال آیا تو اس کے ہاتھ سائز کی بہت پیاری چوڑیاں اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''احمر! میں یہ چوڑیاں بھی خریدوں گی۔'' اس نے قریب کھڑے احمر سے کہا۔

''ابھی سے کیا جلدی ہے وقت آنے پر خرید لینا۔'' وہ شریر اور معنی خیز لہجے میں بولا۔

''احمر!'' قرۃ العین نے حیا سے سرخ ہوتے ہوئے اس کے بازو پر مکہ جڑ دیا وہ ہنس دیا۔

''میں یہ چوڑیاں اپنی بھتیجی ایمان گڑیا کیلئے خرید رہی ہوں۔''

''چلو تم اپنی گڑیا ایمان کیلئے چوڑیاں خرید لو میں اپنی گڑیا کیلئے چوڑیاں خرید لیتا ہوں جسے دیکھ کر میرا دل ہر وقت بے ایمان ہوا جاتا ہے۔''

احمر نے اسے دیکھتے ہوئے شرارتی اور معنی خیز مدھم لہجے میں سرگوشی کی۔

''یہ دکاندار کہاں چلا گیا چوڑیاں لو پے منٹ کرو اور چلو یہاں سے۔'' قرۃ العین نے نظریں چراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''بات گھمانا تو کوئی تم سے سیکھے۔''

''ہاں تو سیکھ لونا۔''

''سیکھوں گا ذرا...... یار کہاں چلے گئے تھے تم چوڑیاں پیک کرنے کو کہا تھا تم سے تم چوڑیاں بنانے چلے گئے۔'' احمر نے دکاندار کو سٹور روم سے نکلتے دیکھ کر کہا۔ اس سے پرانی واقفیت تھی کیونکہ وہ ہمیشہ اسی کی دکان سے قرۃ العین کیلئے چوڑیاں خریدتا تھا اسی لیے بے تکلفی سے بات کر رہا تھا۔

''یس سر! آپ کیلئے تو اسپیشل چوڑیاں اور اسپیشل پیکنگ ہوتی ہے اس لیے تھوڑا ٹائم تو لگتا ہے نا۔'' دکاندار نے ہنس کر کہا اور چوڑیوں کا ڈبہ اس کی طرف بڑھا دیا اور احمر نے پانچ سو کا نوٹ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ چوڑیاں بھی ہم خرید رہے ہیں ان کی قیمت بھی کاٹ لینا۔''

احمر نے قرۃ العین کے ہاتھوں میں ایمان کیلئے پسند کی گئیں چوڑیوں کے دو سیٹ دیکھتے ہوئے اس سے کہا اس نے پیسے لے کر اپنی مطلوبہ رقم رکھی اور بقایا اسے واپس کر دیئے۔

وہاں سے وہ قریبی آئس کریم پارلر پر آ گئے۔ احمر نے اس کی اور اپنی پسند کے دو بڑے سائز کے آئس کریم کپ خریدے۔

''تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟'' جونہی وہ آئس کریم کے کپ لے کر واپس پلٹے اکبر رؤف کی درشت آواز نے انہیں سٹپٹا کر رکھ دیا۔

''وہ ہم، ماموں جان السلام وعلیکم! ہم آئس کریم کھانے آئے تھے یہاں۔'' احمر نے اکبر رؤف کو دیکھتے ہوئے بوکھلا کر جلدی سے جواب دیا۔

''تم دونوں اب بچے نہیں رہے ہو کہ ہر وقت ہر جگہ ساتھ ساتھ پھرتے رہو۔ بڑے ہو گئے ہو تم اپنی عمریں دیکھو اور اپنی حرکتیں دیکھو آئس کریم کھانے آئے ہیں۔'' اکبر رؤف نے غصے سے کہا قرۃ العین تو مارے غصے کے رونے والی ہو گئی۔ احمر نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ماموں جان! آئس کریم تو بچے، بڑے اور بوڑھے سبھی کھاتے ہیں۔''

''بہرحال آئندہ میں تم دونوں کو اس طرح ایک ساتھ گھومتے پھرتے نہ دیکھوں۔'' انہوں نے دونوں کو شعلہ بار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آئندہ تو آپ ہمیں اور بھی زیادہ ایک ساتھ گھومتے پھرتے دیکھیں گے۔'' احمر نے دل میں کہا۔

''جی تایا جان!'' قرۃ العین نے آہستگی سے کہا۔

''چلو اب سیدھے گھر جاؤ۔'' اکبر رؤف نے غصے سے کہا۔

''جی بہتر۔'' احمر نے چبا کر کہا اور قرۃ العین کے ساتھ اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

اکبر رؤف بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر آگے بڑھ گئے۔

''پڑوا دی نا ڈانٹ۔'' قرۃ العین نے احمر کو پرنم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو اسے اس پر بے انتہا پیار آنے لگا۔

''چھوڑو یار! اصل میں یہ لوگ ہمیں ساتھ دیکھ کر جلتے ہیں۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''ان کے جلنے کی بو امی ابو تک پہنچے گی نا تو اور ڈانٹ پڑے گی۔''

''تو کھا لینا۔''

''میں اکیلی۔''

''نہیں میں بھی تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''احمر! تایا جان کو ہمارا ساتھ رہنا اچھا نہیں لگتا نا۔''

''ہاں لیکن ہمیں تو اچھا لگتا ہے نا ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا اور قرۃ العین تم ان لوگوں کی باتوں کی پرواہ مت کیا کرو۔''

''پتا نہیں کیا ہوگا ہمارا؟'' وہ افسردگی سے بولی۔

ہم نے کیا ہے پیار زمانہ لاکھ بنے دیوار
جو ہوگا دیکھا جائے گا، جو ہوگا دیکھا جائے گا
بھول کے ہر ایک بات رہیں گے ہر دم دونوں ساتھ
جو ہوگا دیکھا جائے گا، جو ہوگا دیکھا جائے گا

احمر نے اسے دیکھتے ہوئے اپنی سریلی آواز میں گانا شروع کر دیا۔

''یار! تم بھی تو میرے ساتھ دو نا گانے میں۔'' اس نے گانا چھوڑ کر اس سے کہا۔

''میں تمہارا ساتھ صرف گانے میں دوں گی۔'' اس نے آئس کریم کا کپ کھولتے ہوئے کہا

''صرف کھانے میں۔''

''احمر! میں زندگی کے ہر معاملے، ہر مسئلے، ہر مرحلے میں تمہارا ساتھ دوں گی۔'' قرۃ العین نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے دل سے کہا۔

''وعدہ۔'' احمر نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا۔

''پکا وعدہ۔''

''اسی خوشی میں تمہیں ایک اور گانا سناتا ہوں۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔

''گانا چھوڑو اور آئس کریم کا کپ پکڑو یہ پگھل جائے گی۔'' قرۃ العین نے ڈیش بورڈ پر رکھا آئس کریم کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جیسے میں تمہیں دیکھ کر پگھل جاتا ہوں ہے نا۔'' وہ شوخ و شریر لہجے میں بولا۔

''تم بھی نا۔'' وہ شرما گئی۔

''تم بنا جینا نہیں جینا۔'' وہ دھیرے سے گنگنایا۔

''جھوٹے۔'' وہ مسکرائی۔

''سچ قرۃ العین! کبھی کسی لمحے مجھے یہ خیال آ جائے کہ اگر تمہیں میری زندگی سے نکال دیا جائے۔ دور کر دیا جائے تو...... تو یہاں کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔'' احمر نے اپنے سینے پر دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''خالی ہونے لگتا ہوں میں اندر سے، سناٹا چھا جاتا ہے میرے اندر اور مجھے اس لمحے سے خوف آنے لگتا ہے۔''

''اچھا اب مجھے خوفزدہ مت کرو، آئس کریم ختم کرو پھر گھر جا کر ڈانٹ بھی کھانی ہے۔'' قرۃ العین نے اس کی بے پناہ محبتوں پر خوش ہو کر مسکرا کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''لاؤ ہاتھ میں تمہیں چوڑیاں پہنا دوں۔''

احمر نے اپنی آئس کریم ختم کر کے ڈبے میں سے اس کے لباس کے رنگ کی چوڑیوں کا سیٹ نکالتے ہوئے کہا۔

''میں خود پہن لوں گی۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''مستقبل میں بھی تو یہ فرض مجھے ہی ادا کرنا ہے تو کیوں نہ ابھی سے پریکٹس شروع

کردوں۔'' وہ شوخ و شریر نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''رہنے دو مستقبل میں ہی یہ شوق پورا کر لینا۔'' وہ حیا سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''آں ہاں مستقبل کی مستقبل میں پہنا دوں گا فی الحال تو مجھے پہنانے دو۔ مجھے تمہارے ہاتھوں میں چوڑیاں پہنانا بہت اچھا لگتا ہے۔''

وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر چوڑیاں پہنانے لگا۔

''تایا جان نے دیکھ لیا نا تو پھر شامت لے آئیں گے ہماری...... جانتے ہو وہ عقیلہ آپی کی شادی تم سے کرنا چاہتے ہیں۔'' قرۃ العین نے دھیمی آواز میں کہا تو وہ جھلا کر بولا۔

''یار روشنی! موڈ خراب مت کرو ایسی باتیں کر کے ان کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں جسے چاہتا ہوں میری شادی اسی سے ہوگی۔ میں اس بدمزاج اور حاسدانہ ذہن رکھنے والی لڑکی سے ہرگز ہرگز شادی نہیں کرسکتا۔''

''تو کس قسم کا مزاج اور ذہن رکھنے والی لڑکی سے شادی کرو گے؟''

''اس سے جس کا انداز و مزاج دلبرانہ ہو۔'' وہ اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا تو اس نے شرگیں انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ایسی لڑکی کہاں ملے گی تمہیں؟''

''ایسی لڑکی یہاں ملے گی مجھے۔'' اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''اور میرے سامنے موجود ہے ایسی لڑکی بس پکے کاغذ پر دستخط کروانے باقی ہیں ورنہ یہ لڑکی تو ازل سے میری ہے میرے نام لکھ دی گئی ہے۔''

''بڑا یقین ہے تمہیں۔'' وہ حیا آلود مسکان لبوں پر سجا کر بولی۔

''کیا تمہیں یقین نہیں ہے؟'' احمر نے الٹا اس سے سوال کرلیا۔

''ہے تو...... مگر ڈر سا لگنے لگا ہے۔''

''کم آن قرۃ! میں ہوں نا تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''یعنی میرے حصے کا بھی تم ہی ڈرو گے۔''

''ناٹی گرل۔'' وہ ہنس پڑا اور پھر اس کا چوڑیوں بھرا ہاتھ دیکھتے ہوئے بولا۔

''دیکھو چوڑیاں کتنی اچھی لگ رہی ہیں تمہارے ہاتھوں میں۔ قرۃ! مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اپنی کلائیاں کبھی خالی نہیں رہنے دو گی چاہے میں کہوں یا نہ کہوں، میں رہوں یا نہ رہوں تم چوڑیاں ضرور پہنو گی۔''

''تمہیں ہمیشہ میرے ساتھ رہنا ہے ایسی باتیں کر کے میرا دل مت دکھاؤ۔'' وہ تڑپ کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''سوری۔''

''اتنی جان لیوا بات کہہ کر ذرا سا سوری کہہ دیا۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''تو کیا مرغا بن کر معافی مانگوں؟'' اس کو اس کی بے قراری پر بے حد پیار آیا شرارت سے بولا۔

''رہنے دو، اصلی مرغ تمہارا مذاق اڑائیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اور تم۔''

''میں تمہارے ساتھ مذاق تو کرسکتی ہوں لیکن تمہارا مذاق اڑانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' اس نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ نہال ہوگیا۔

''او قرۃ! اجالا میری زندگی تم تو میری سوچ سے بھی زیادہ حسین ہو، تمہاری یہ محبت میری زندگی کا قیمتی اثاثہ ہے تمہارا ایک ایک لفظ میرے اندر توانائی بھر دیتا ہے۔''

''اب بس بھی کرو گھر نہیں چلنا کیا؟''

وہ گھبرا کر اس کی بات کاٹ کر بولی تو اس نے ہنس کر پوچھا۔

''کوئی ڈریس خریدو گی؟''

''نہیں شکریہ۔''

''ایمان سے بہت ہی قناعت پسند ہو تم، تمہاری جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی نا تو اب تک میری جیبیں خالی کرا چکی ہوتی۔ لڑکیوں کو تو اتنا خبط ہوتا ہے شاپنگ کرنے کا ایک تم ہو چوڑیوں سے خوش ہوگئیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''اس لیے کہ میں خبطی نہیں ہوں اور اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے ایک دو بار اگر میں نے ٹھیک ٹھاک شاپنگ کرلی نا تو جناب دوبارہ شاپنگ کرانے کا نام نہیں لیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ارے تم کہہ کر تو دیکھو تمہارے لیے تو میں اپنا بینک اکاؤنٹ بھی خالی کردوں گا۔''

''نہ بابا نہ میں تمہاری محنت کی کمائی کو اتنی بے دردی سے اور فضول خرچی میں برباد نہیں کرسکتی۔ بس اب گھر چلو۔'' قرۃ العین نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''تم بہت اچھی ہو قرۃ العین میرا سکھ میرا چین۔'' احمر نے کہا تو وہ ہنس پڑی اور پھر احمر

نے گاڑی کا رخ گھر کی طرف موڑ دیا۔

☆☆☆

"آ گئیں آئس کریم کھا کر۔" وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو نبیلہ بھابھی نے اسے دیکھتے ہی کہا وہ سمجھ گئی کہ اکبر رؤف نے انہیں فون کر کے بتایا ہوگا۔

"جی ہاں اور تایا جان کی ڈانٹ بھی کھا کر، میں کوئی پہلی بار تو احمر کے ساتھ آئس کریم کھانے نہیں گئی تھی۔" اس نے بھی سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں مگر اب تم بڑی ہوگئی ہو۔"

"تو بڑوں کو اب نظر آ رہا ہے کہ میں اب بڑی ہوگئی ہوں اور احمر میرا کزن ہے دوست ہے میں کسی غیر کے ساتھ تو باہر نہیں گئی تھی۔" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"خالہ کو تمہارا احمر سے ملنا پسند نہیں ہے۔"

"مجھے تو پسند ہے۔"

"جانتی ہو گھر میں تمہارے رشتے کی بات چل رہی ہے۔" نبیلہ بھابھی نے نرمی سے کہا۔

"تو نیا رشتہ بنانے کیلئے پرانا رشتہ توڑنا فرض ہے کیا؟"

"میں تو تمہارے بھلے کو کہہ رہی ہوں ورنہ کل کو تمہیں ہی مشکل ہوگی کوئی بھی مرد یہ بات برداشت نہیں کرتا کہ اس کی بیوی اپنے کزن کے ساتھ آزادانہ گھومتی پھرے نہ ہی ماضی میں اس کی دوستی کو اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔" نبیلہ بھابھی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو میرا ماضی احمر کے ساتھ جڑا ہے اور حال بھی، پھر سے کچھ جانتے پوچھتے ایسے کسی تنگ نظر اور فضول سوچ رکھنے والے شخص کو میرے رشتے کی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں ایسے کسی شکی مزاج اور تنگ نظر، تنگ دل شخص کا رشتہ قبول ہی نہیں کروں گی۔" قرۃ العین نے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ چپ ہوگئیں۔

"آنی! ڈبے میں کیا ہے؟" چار سالہ ایمان دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی اور ڈبہ اس کی گود میں رکھا دیکھ کر تجسس ہو کر پوچھا تو اس نے ڈبہ کھول کر اسے چوڑیاں دکھائیں۔

"ڈبے میں چوڑیاں ہیں دیکھو میں اپنی ایمان کیلئے بھی چوڑیاں لائی ہوں۔ لاؤ ایمان کے پیارے پیارے ہاتھوں میں پہنا دوں۔" قرۃ العین نے ایمان کی چوڑیاں نکال کر پوچھا۔

"جی۔"

"واہ بھئی واہ ہماری ایمان کے ہاتھ تو بہت خوبصورت ہوگئے ہیں چوڑیاں پہن کر۔"

قرۃ العین نے اسے چوڑیاں پہنانے کے بعد اس کے دونوں ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"آنی کے ہاتھ بھی خوبصورت ہیں۔"

ایمان نے خوش ہو کر اس کے ہاتھوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے ہنس کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"اتنی زیادہ چوڑیاں کس کیلئے خریدی ہیں تم نے؟" نبیلہ بھابھی نے پوچھا۔

"اپنے لیے۔"

"میرے اور امی کیلئے ایک ایک سیٹ خرید لیتیں تو کیا دیوالیہ ہو جاتیں تم؟"

"بھابھی ان میں جو چوڑیاں آپ کو پسند آ جائیں اور آپ کے ہاتھ میں پوری آ جائیں وہ آپ لے لیں، میں اگر خود شاپنگ کیلئے جاتی تو آپ کے اور امی کیلئے ضرور خرید کر لاتی۔ یہ چوڑیاں تو مجھے احمر نے دلائی ہیں۔ میں تو ایک روپیہ بھی ساتھ نہیں لے گئی تھی اور احمر ہی مجھے اکثر چوڑیاں خرید کر گفٹ کرتا ہے یہ تو آپ بھی جانتی ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا کر رہ گئیں اور وہ ایمان کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

احمر بہت سوچ سمجھ کر گھر میں داخل ہوا تھا۔ لاؤنج میں عائشہ بیگم کو کشن پر کور چڑھاتے دیکھا تو چہرے پر افسردگی سجا کر وہیں ان کے سامنے کاؤچ پر بیٹھ گیا۔ عائشہ بیگم نے دیکھا وہ بہت پریشان اور افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔

"احمر! کیا بات ہے تم قرۃ العین سے مل کر آ رہے ہو پھر بھی افسردہ ہو کہیں وہ تم سے خفا تو نہیں ہوگئی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"امی! اگر وہ مجھ سے خفا ہوگئی نا تو میں زندگی سے خفا ہو جاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے ایسی باتیں نہیں کرتے۔" عائشہ بیگم نے تڑپ کر کہا۔

"چھوڑیں امی آپ کو ذرا خیال نہیں ہے اپنے بیٹے کی خوشی کا۔" وہ افسردہ ہونے کی کمال اداکاری کرتے ہوئے بولا آخر انہیں قرۃ العین کا رشتہ مانگنے کیلئے فوری طور پر تیاری بھی تو کرنی تھی۔

"احمر میری جان! آخر ہوا کیا ہے؟" عائشہ بیگم کشن ایک طرف رکھ کر پریشانی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھ رہی تھیں۔

"میری زندگی میں طوفان آ گیا ہے اور آپ کو خبر ہی نہیں ہے۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا خدا خیر کرے چندا مجھے کچھ بتاؤ میری جان تمہاری ماں کو

تمہاری خوشی کا خیال سب سے زیادہ ہے بتاؤ کیا بات ہے؟''

عائشہ بیگم نے اپنے لاڈلے بیٹے کو ممتا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''امی! کیا قرۃ العین آپ کو بری لگتی ہے؟''

''او، وہ تو اتنی معصوم سی اور پیاری سی ہے کہ کسی کو بری لگ ہی نہیں سکتی۔ میری سگی بھتیجی ہے عینی، اور میں نے تو اسے ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا ہے۔'' وہ قرۃ العین کی محبت سے پر لہجے میں بولیں۔

''بیٹی سمجھا ہے نا جبھی تو اسے اپنے بیٹے کی دلہن بنانے کا خیال نہیں آیا۔''

''خیال کیوں نہیں آتا میں نے تو انور بھائی سے کچھ روز پہلے اس کی اور تمہاری شادی کی بات بھی کی تھی۔ بس باتوں میں ذکر کر دیا تھا کہ قرۃ العین میرے احمر کی دلہن بنے گی۔'' انہوں نے سنجیدگی سے بتایا۔

''کیا فائدہ ایسی بات کا کہ جس کی آپ اور ماموں جان کے سوا کسی کو خبر ہی نہیں ہے۔ آپ کو پتا ہے قرۃ کی خالہ اور وہ آپ کے بڑے بھائی صاحب اپنے اپنے بیٹوں کیلئے قرۃ العین کا رشتہ مانگ چکے ہیں اور ماموں جان نے سوچنے کیلئے وقت مانگا ہے۔ ممانی نے قرۃ سے اس کی مرضی معلوم کی ہے۔'' وہ خفا خفا سا بتا رہا تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ عینی تمہارا ہی نام لے گی۔'' عائشہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیسے میرا نام لے گی میرا رشتہ لے کر گئیں ہیں آپ ماموں کے پاس، آپ اگر پہلے ہی ساری بات طے کر لیتیں تو اس کی خالہ اور بڑے ماموں کو بات کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔''

وہ پریشان لہجے میں بولا تو عائشہ بیگم کو اس پر پیار آنے لگا۔

''کہتے تو تم ٹھیک ہو لیکن اس میں خرابی کیا ہے ہم اب بات کر لیں گے۔''

''جو بدمزگی پیدا ہوگی تایا اور شاکرہ آنٹی کو انکار کی صورت میں اس کا سوچا ہے آپ نے۔''

وہ سنجیدگی سے بولا وہ واقعی اس صورتحال میں اب سنجیدہ اور پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوگا لڑکی کے رشتے تو آتے ہی ہیں اب سارے رشتے تو قبول نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ عینی کو تم پسند ہو وہ تمہارا ہی نام لے گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولیں۔

''تو امی آپ ماموں ممانی سے بات تو کریں نا جا کر۔''

''کر لوں گی تم پریشان کیوں ہو رہے ہو؟''

''اسی لیے کہ اکبر ماموں اپنی بیٹی عقیلہ کا نکاح مجھ سے کرنا چاہتے ہیں جو مجھے کسی طور

قبول نہیں ہے اور آپ کو پتا ہے آج ممانی اور نبیلہ بھابھی نے قرۃ کو مجھ سے ملنے سے منع کر دیا ہے اور آپ کے بڑے بھائی صاحب نے آج آئس کریم کارنر کے باہر ہم دونوں کو خوب ڈانٹ پلائی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اب ہم بچے نہیں رہے جو ہر وقت ایک ساتھ گھومتے پھرتے ہیں آئس کریم کھاتے ہیں۔ روشنی تو رونے والی ہوگئی تھی اور امی، آپ جانتی ہیں نا کہ میں اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر پریشان اور بےکلی سے بولا۔

''جانتی ہوں بیٹا! اور تم کیا اس کی آنکھوں میں آنسو تو ہم بھی نہیں دیکھ سکتے اور یہ اکبر بھائی اور عامرہ بھابھی کو اچانک کیا سوجھی ہے ہمیشہ سے تم دونوں اکٹھے رہے ہو آج ایک دم انہیں تم دونوں کا ملنا برا لگنے لگا ہے یہ تو کوئی بات نہ ہوئی اور اکبر بھائی کو میرے بچوں سے سر بازار اس طرح بات کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ تم پریشان مت ہو میں تمہارے ابو سے بات کروں گی پھر ہم انور بھائی کے گھر باقاعدہ رشتہ لے کر جائیں گے۔'' عائشہ بیگم نے سنجیدہ لہجے میں کہا انہیں یہ ساری باتیں سن کر بہت افسوس ہو رہا تھا۔

''امی! پلیز دیر مت کریں آپ آج ہی ماموں کے گھر جائیں اور شادی کی تاریخ لے کر آئیں جب تک وہ میرے نام سے منسوب نہیں ہو جائے گی میری پریشانی دور نہیں ہوگی، پلیز امی میری سویٹ امی آپ ابھی ابو سے اور ماموں سے فون پر بات کریں اور شام کو شادی کی تاریخ لے کر آئیں۔''

احمر نے انہیں دیکھتے ہوئے منت بھرے لہجے میں کہا تو انہیں اپنے بیٹے پر دل و جان سے پیار آنے لگا وہ اس کی دیوانگی اور قرۃ العین کیلئے بےچینی پر ہنس دی۔

''کس کی شادی کی تاریخ لانی ہے بھئی؟''

نغمہ بھابھی نہا کر نکلیں تھیں بالوں میں تولیہ رگڑتے ہوئے ادھر سے گزر رہی تھیں اس کی بات سن کر لاؤنج میں چلی آئیں۔

''تم تیاری کر لو احمر کی شادی کی تاریخ لانی ہے اور یہ بضد ہے کہ آج ہی جائیں اور شادی کی تاریخ لے کر آئیں۔'' عائشہ بیگم نے انہیں بتایا۔

''واہ دیور جی اتنی بےصبری ویسے ایمرجنسی کی منگنی یا شادی کا بھی اپنا ہی مزا ہوتا ہے امی کیا لانا ہے مجھے بتا دیں تاکہ تیاری شروع کریں ہم۔''

''تم نے یہ پوچھا ہی نہیں کہ احمر کا رشتہ لے کر جانا کہاں ہے؟'' عائشہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیں بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے سارا زمانہ جانتا ہے کہ احمر اپنی دلہن کے روپ میں صرف اور صرف قرۃ العین کو دیکھنا چاہتا ہے۔ کیوں احمر جی ٹھیک کہا میں نے۔'' نغمہ بھابھی نے مسکراتے ہوئے احمر کی طرف دیکھ کر تصدیق چاہی۔

''سو فیصد ٹھیک کہا بھابھی۔'' وہ ہنس پڑا۔

''چلو اللہ مبارک کرے تم دونوں کی جوڑی خوب جچے گی۔'' نغمہ بھابھی نے دل سے کہا۔

''شکریہ بھابھی۔''

''میرا بیٹا تو دیوانہ ہے عینی کا۔'' عائشہ بیگم نے احمر کی پیشانی چوم کر کہا۔

''امی! عینی بھی کچھ کم دیوانی نہیں ہے آپ کے بیٹے کی۔'' نغمہ بھابھی نے شوخ لہجے میں کہا۔

''ہاں یہ تو ہے اللہ ان دونوں کی محبت ہمیشہ سلامت رکھے۔''

''آمین۔'' دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

''لیں امی ابو اور ماموں سے بات کریں۔''

احمر نے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

''احمر چندا! وہ گھر آ جائیں تو میں بات کرلوں گی۔'' عائشہ نے پیار سے کہا۔

''نہیں امی! آپ ابھی بات کریں انہیں گھر آنے کا کہیں، ساری باتیں ابھی طے کریں شام کو ہر صورت شادی کی تاریخ لے کر آئیں بس۔'' وہ بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے بولا۔ تو ان دونوں کو ہنسی آ گئی۔

''اور اگر ادھر سے انکار ہو گیا دیور جی تو۔'' نغمہ بھابھی نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''تو میں جینے سے انکار کر دوں گا۔'' احمر نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ ان دونوں نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''امی! آپ ابو اور انور ماموں کو فون کر ہی لیں احمر عینی کے معاملے میں بہت حساس ہے ضرور کوئی اہم بات ہے ورنہ احمر اس طرح بے صبری اور جلدی نہیں دکھاتا۔'' نغمہ بھابھی نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے بیٹا! اصل میں عینی کی خالہ اور اکبر بھائی اپنے بیٹے کیلئے عینی کا رشتہ مانگ چکے ہیں اسی لیے احمر پریشان ہے۔''

''بس تو امی پھر دیر نہیں ہونی چاہیے آپ ابھی بات کریں ابو اور ماموں سے۔ احمر اور قرۃ

العین تو ایک ساتھ ہی اچھے لگتے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے لگتے ہیں انہیں ایک ہو جانا چاہیے۔'' نغمہ بھابھی نے سنجیدگی سے کہا انہیں احمر اپنے بھائیوں کی طرح عزیز تھا اور قرۃ العین چھوٹی بہن جیسی لگتی تھی اس سے انہیں بھی بہت پیار تھا۔ انہیں خوش دیکھ کر انہیں بھی خوشی ہوتی تھی۔

''ٹھیک ہے میں احمر کے ابو سے بات کر کے انور بھائی کو فون کرتی ہوں۔'' عائشہ بیگم نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور احمد حسن کا موبائل نمبر ملایا۔ ان کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا تو وہ بھی احمر کے ہم خیال ہو گئے گھر آنے کا کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ پھر عائشہ بیگم نے انور رؤف کو ان کے آفس کے نمبر پر فون کیا۔ انہیں ساری صورتحال بتائی تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔

''بھائی! یہ ہمارے بچوں کی پوری زندگی کا ان کی خوشی کا سوال ہے آپ جانتے ہیں ناں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لیے بھائی انکار مت کیجیے گا۔ مجھے آج ہی شادی کی تاریخ چاہیے تاکہ ہمارے بچوں کی پریشانی ختم ہو۔'' عائشہ بیگم نے انہیں خاموش پا کر سنجیدگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے عائشہ تم شام کو سات بجے گھر آ کر عینی بیٹی کو انگوٹھی پہنا دینا اور شادی کی تاریخ ہم مل بیٹھ کر اسی وقت طے کر لیں گے۔''

انور رؤف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بہت بہت شکریہ بھائی بس آپ بے شک تین کپڑوں میں عینی کو ہمارے گھر بھیج دیں، ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔'' عائشہ بیگم نے خوش ہو کر کہا۔

''تین کپڑوں میں کیوں بھیجوں گا میں اپنی بیٹی کو آخر کو میری اکلوتی اور لاڈلی بیٹی ہے عینی، اسے میں وہ سب کچھ دے کر رخصت کروں گا جو اس کا مجھ پر حق ہے۔ تم بے فکر ہو کر تیاری کرو میں گھر جا کر عامرہ اور عینی سے بات کرتا ہوں۔ عینی تو یقیناً احمر کے حق میں فیصلہ سنائے گی لیکن عامرہ اپنی بہن کی وجہ سے کچھ اعتراض کر سکتی ہے اس لیے اسے قائل کرنا ضروری ہے۔''

انور رؤف نے سنجیدگی سے کہا تو وہ خوش ہو کر بولیں۔

''ٹھیک ہے بھائی پھر ہم انشاء اللہ شام کو آپ کے گھر آئیں گے۔''

''خدا حافظ۔'' انور رؤف نے جواباً کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

دوپہر کے کھانے کا وقت بھی ہونے والا تھا انور رؤف اپنے آفس سے نکلے اشعر کو ساتھ لیا اور ''انور لاج'' آ گئے۔ وہ دونوں لنچ ٹائم میں کم کم ہی اکٹھے گھر آتے تھے اس لیے عامرہ بیگم کو ان

کے آنے پر حیرت ہوئی اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

''خیر تو ہے آج آپ دونوں اس وقت گھر کیسے آ گئے؟''

''کیوں بیگم صاحبہ کیا ہم لنچ ٹائم میں گھر نہیں آ سکتے؟'' انور رؤف نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس کر بولیں۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا آپ بیٹھیں میں کھانا لگواتی ہوں۔''

''آپ رہنے دیں نبیلہ سے کہیں کھانا وہ لگوا دیں گی آپ بیٹھیں مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' انور رؤف نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''خیریت ہے نا۔''

''ہاں ہاں سب خیریت ہے اشعر بیٹا تم بھی بیٹھو ادھر۔''

اشعر بھی ان کے کہنے پر ان کے برابر بیٹھ گئے۔ عامرہ بیگم نے نبیلہ سے کھانا لگوانے کا کہا اور ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''عینی بیٹی کہاں ہے؟'' انہوں نے قرۃ العین کا پوچھا۔

''عینی اپنے کمرے میں ہو گی بلواؤں اسے۔''

''ابھی رہنے دو یہ بتاؤ کہ اس نے خالد اور ماجد کے سلسلے میں کوئی جواب نہیں دیا ابھی تک۔''

''نہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ ان میں انٹرسٹڈ ہی نہیں ہے۔'' عامرہ بیگم نے بتایا۔

''کیونکہ اس کی باتیں تو یہی ظاہر کر رہی تھیں۔''

''آپ کا خیال ہے بیگم صاحبہ! جبکہ مجھے یقین ہے کہ عینی ان دونوں کے رشتے سے خوش نہیں ہے اگر وہ ان میں سے کسی کو پسند کرتی ہوتی تو اسی وقت بتا دیتی سوچنے کیلئے وقت نہ مانگتی۔ لہٰذا ان دونوں کے رشتے کیلئے تو ہمیں انکار ہی کرنا پڑے گا اور تیسرے رشتے پر غور کرنا ہوگا اور عینی کی رائے اور مرضی معلوم کرنی ہوگی۔''

انور رؤف نے سنجیدگی سے کہا۔

''تیسرا رشتہ کونسا آیا ہے؟'' عامرہ بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''احمر اور عینی کے رشتے کی بات تو عائشہ اور حسن نے مجھ سے کی تھی اور آج بھی انہوں نے مجھ سے بات کی ہے شام کو وہ لوگ باقاعدہ رشتہ لے کر آ رہے ہیں اور شادی کی تاریخ بھی ہم انہیں آج ہی دیں گے۔''

''گویا آپ نے رشتہ طے بھی کر دیا اور مجھ سے پوچھنا تک پسند نہیں کیا۔'' عامرہ بیگم نے حیرت اور صدمے سے دوچار ہوتے ہوئے کہا۔

''عامرہ بیگم! آپ غلط سمجھ رہی ہیں میں نے رشتہ طے نہیں کیا۔ عائشہ نے جب عینی کو اپنی بہو بنانے کی بات کی تھی تب آپ بھی وہاں موجود تھی اور اب جب انہیں خالد اور ماجد کے رشتوں کا پتا چلا ہے تو وہ بھی باقاعدہ رشتہ لے کر آ رہی ہیں۔ دوسرا یہ کہ وہ تیسرا رشتہ لے کر آ رہی ہیں، اور ہم ان تینوں رشتوں میں سے آنکھیں بند کر کے عینی کا ہاتھ احمر کے ہاتھ میں تھما سکتے ہیں۔ مجھے تو احمر ہر اعتبار سے عینی کیلئے مناسب لگتا ہے وہ ہمارے سامنے کا بچہ ہے۔ ذہین اور قابل ہے محنتی اور اعلیٰ عہدے پر فائز ہے اور سب سے بڑھ کر وہ ہماری عینی کی پسند ہے احمر بھی عینی کو بہت چاہتا ہے پھر ہم باہر کیوں دیکھیں؟'' انور رؤف نے نرمی سے سنجیدگی سے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میرا بھانجا تو باہر کا ہو گیا اور آپ کا بھانجا گھر کا بچہ ہے واہ انور صاحب خوب انصاف کیا ہے آپ نے۔ آپ اپنی بھتیجی کو بہو بنا لائے میں نے اعتراض نہیں کیا لیکن بیٹی کی شادی میں اپنی مرضی سے اپنے بھانجے ماجد سے کروں گی کہہ دیا ہے میں نے، آپ نے تو اپنے گھر والوں سے رشتہ جوڑ لیا ہے میں اپنے میکے سے رشتہ نہ جوڑوں یہ ناممکن ہے عینی کی شادی ماجد سے ہوگی۔'' عامرہ بیگم نے غصے میں آتے ہوئے کہا قرۃ العین کمرے سے باہر نکلی تھی ان کی باتیں سن کر سن سی کھڑی رہ گئی۔

''عامرہ بیگم! آپ اپنی بہن سے رشتہ جوڑنے کیلئے اپنی سگی اور اکلوتی بیٹی کا زندگی سے خوشی سے رشتہ توڑنا چاہتی ہیں۔ آپ کو بیٹی سے زیادہ بہن عزیز ہے بہت افسوس کی بات ہے میں اگر ماجد کیلئے انکار کر رہا ہوں تو خالد کیلئے بھی انکار کر رہا ہوں وہ دونوں عینی کیلئے مناسب نہیں ہیں ان کے مزاج اور ماحول میں بہت فرق ہے۔ ہماری عینی ان کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر سکے گی اور وہ لوگ عینی سے زیادہ اس کی جائیداد میں انٹرسٹڈ ہیں یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہماری بیٹی ناز و نعم میں پلی بڑھی ہے وہ وہاں اپنی ضرورتوں کیلئے ترستی رہے گی۔'' انور رؤف نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے ماجد اچھا خاصا کماتا ہے۔'' عامرہ بیگم نے کہا۔

''جی ہاں وہ اچھا خاصا رشوت کا پیسہ کماتا ہے اور یار دوستوں میں اڑاتا ہے کوئی شریفوں والی بات بھی ہے اس میں۔''

''نہیں شریفوں والی بات تو صرف احمر میں ہے۔'' عامرہ بیگم نے چڑ کر کہا۔

''ہاں تو اس میں کیا شک ہے وہ ایک شریف اور محنتی لڑکا ہے وہ چاہتا تو اپنے باپ کا بزنس سنبھال سکتا تھا مگر اس نے اپنی تعلیمی قابلیت کی بنیاد پر ملازمت حاصل کی ہے اور وہ انشاء اللہ

مزید ترقی کرے گا۔ جو انسان محنت کرنے کا عادی ہوتا ہے وہ ترقی ضرور کرتا ہے دوسروں کے مال پر نظر نہیں رکھتا اور احمر کا اور عینی کا بچپن کا ساتھ ہے ہم دونوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور احمر سے شادی کے بعد ہماری بیٹی ہماری نظروں کے سامنے ہی رہے گی ہم روز اس سے مل سکیں گے۔''

''ماجد کا گھر بھی دور نہیں ہے پندرہ بیس منٹ کی تو ڈرائیو ہے۔'' عامرہ بیگم نے کہا تو وہ جھلا کر بولے۔

''پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ، ماجد ہماری بیٹی کو کچھ نہیں دے سکے گا سوائے احمر کے ساتھ رہنے کے طعنے دینے کے۔ وہ لوگ تو ہماری بچی کو احمر کے نام کے طعنے دے دے کر ہی مار دیں گے اور عینی ایک کروڑ پتی باپ کی بیٹی ہے۔ اٹھارہ بیس ہزار ماہوار کمانے والے شخص کے ساتھ کیسے گزارا کر سکتی ہے جب کہ وہ شخص اپنی کمائی اپنے آوارہ قسم کے دوستوں پر لٹانے کا عادی ہو وہ تو بیوی سے ہی کہے گا نا کہ میکے سے پیسے لے کر آؤ۔''

''ہاں تو تمہارے پاس کس چیز کی کمی ہے ہم اس کو الگ سے کاروبار کروا سکتے ہیں۔''

عامرہ بیگم کی سوئی بس ماجد پر ہی اٹکی ہوئی تھی۔

''یہی تو وہ لوگ چاہتے ہیں انہیں پیسہ چاہیے پیسہ، ہماری بیٹی سے انہیں کوئی پیار محبت نہیں ہے اور احمر وہ عینی کے سوا کچھ نہیں چاہتا ہم سے، اشعر بیٹا تمہارا کیا خیال ہے عینی کیلئے ان تینوں میں سے کون سا رشتہ مناسب رہے گا؟'' انور رؤف نے اشعر سے پوچھا۔

''ابو! میرا ووٹ تو احمر کے حق میں ہے۔ عینی اس کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے آپ عینی سے پوچھ لیں ابو۔'' اشعر نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے عامرہ بیگم نہ میری مرضی نہ آپ کی مرضی ہم اپنی بیٹی کی مرضی سے اس کی شادی کریں گے۔ اس کی خوشی ہی میں ہماری خوشی ہونی چاہیے کیوں کیا خیال ہے آپ کا؟'' انور رؤف نے عامرہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ناراض لہجے میں بولیں۔

''میں ماں ہوں عینی کی کوئی دشمن نہیں ہوں اس کی، مجھے بھی اس کی خوشی عزیز ہے میں نے تو سوچا تھا کہ میرے میکے سے میرا رشتہ جڑا رہے گا۔''

''ارے تو ہم نے کب آپ کو میکے سے رشتہ توڑنے کیلئے کہا ہے آپ میکے جائیں میکے والے یہاں آئیں ہم نے کبھی اعتراض کیا، نہیں کیا نا تو یہ سلسلہ بغیر عینی کی ماجد سے شادی کیے بھی تو چل سکتا ہے نا۔'' وہ نرمی سے بولے۔

''عینی! قرۃ العین! ادھر آؤ۔'' عامرہ بیگم نے ان کی بات کا جواب دیئے بغیر اسے

آواز دی۔ وہ چند سیکنڈ بعد وہاں آ گئی۔

''السلام علیکم ابو! السلام علیکم بھائی جان!'' اس نے ان دونوں کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام عینی بیٹا! یہاں آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو۔''

''جی ابو۔'' وہ انور رؤف کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔ دل و نظر پریشان سے تھے۔

''عینی بیٹا! اب ماشاء اللہ تم اتنی بڑی ہوگئی ہو کہ تمہیں بیاہ کر تمہارے نئے گھر میں رخصت کر دیا جائے۔ بیٹا خالد اور ماجد کے رشتے تمہارے لیے آئے ہیں یہ تو تمہیں معلوم ہے نا۔'' وہ اس کے شانوں کے گرد بازو حمائل کر کے پیار سے بولے۔

''جی ابو۔''

''تو بیٹا ہم ان میں سے کس کیلئے ہاں کریں؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ بے بسی اور پریشانی کے عالم میں ہونٹ کاٹتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی۔

''ماجد کیلئے ہاں کریں۔'' انہوں نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''خالد کیلئے۔'' قرۃ العین نے دوبارہ نفی میں سر کو ہلایا۔

''ایک رشتہ اور ہے احمر کا اس کیلئے ہاں کریں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو اس کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے اور اس نے نظریں جھکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ اشعر اور انور رؤف ہنس دیئے۔ نبیلہ بھابھی جو انہیں کھانے کیلئے بلانے آئی تھیں یہ منظر دیکھ کر حسد اور غصے سے جل کر رہ گئیں۔ عامرہ بیگم کا چہرہ سپاٹ تھا انہیں اس وقت یہ خیال ستا رہا تھا کہ وہ بہن کو کیسے انکار کریں گے اور وہ کس ردعمل کا مظاہرہ کریں گی؟

''جیتی رہو خوش رہو بیٹا مجھے یقین تھا کہ میری بیٹی بہتر فیصلہ کرے گی اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے تم احمر کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو۔''

انور رؤف نے اس کی پیشانی چومی اور اسے اپنے سینے سے لگا کر دل سے دعا دی۔

''بیگم صاحبہ! آپ کن خیالوں میں گم ہیں مبارک ہو آپ کو، آپ کی بیٹی نے احمر کیلئے ہاں کر دی ہے۔'' انور رؤف نے عامرہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو ہم سب کو ہی معلوم تھا کہ عینی احمر کیلئے فوراً ہاں کر دے گی۔''

''پھر بھی آپ ماجد کیلئے اصرار کرتی رہیں جو خوشی ہم اپنی بیٹی کو دے سکتے ہیں وہ ہم کیوں نہ دیں اپنی بیٹی کو، آپ اب خوشی خوشی ہماری بیٹی کی شادی کی تیاریاں شروع کر دیں اور آج شام گھر میں اکبر بھائی اور شاکرہ بہن کی فیملیز کو بھی مدعو کر لیں سارے معاملات آج ہی طے ہوں گے انشاء

اللہ۔'' انور رؤف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جیسے آپ کی مرضی۔'' عامرہ بیگم سنجیدگی سے بولیں۔

''میری مرضی میری بیٹی کی خوشی میں ہے آپ عینی کی ماں ہیں لہٰذا اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھیں اور مسکرا دیجیے۔''

''چلیں کھانا کھالیں پہلے، شام کا پروگرام بھی مرتب کرنا ہے۔'' عامرہ بیگم نے مسکرا کر اٹھتے ہوئے کہا تو وہ تینوں بھی مسکراتے ہوئے اٹھ گئے۔

شام کو ''انور لاج'' کے ڈرائنگ روم میں اکبر رؤف اور شاکرہ بیگم اپنی اپنی فیملیز سمیت موجود تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں قرۃ العین کے رشتے کیلئے ہاں کرنے کیلئے مدعو کیا گیا ہے مگر ایک ساتھ سب کو وہاں دیکھ کر ان کا خیال خام ہوگیا لیکن جب انور رؤف نے انہیں بتایا کہ انہیں احمر اور قرۃ العین کی منگنی کی تقریب میں مدعو کیا گیا ہے تو وہ سب حیرت زدہ ہوگئے۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو انور، ہم نے تم سے خالد کیلئے بات کی تھی۔'' اکبر رؤف نے کہا۔

''اور ہم نے اپنے ماجد کیلئے۔'' شاکرہ بیگم غصے سے بولیں۔

''ہم آپ دونوں میں سے جسے انکار کرتے وہ برا منا جاتا اور پھر رشتے تو آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔ احمر اور عینی کا ساتھ بچپن سے ہے اور ہم نے دونوں کی شادی کا بہت پہلے سوچ رکھا تھا۔ پھر عائشہ بہن نے کئی بار بات کی تھی اس لیے آج ہم نے انہیں ہاں کردی ہے اور وہ شادی کی تاریخ لینے آرہے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ احمر ہماری بیٹی کی پسند اور خوشی، اور آپ سب لوگ یقیناً جانتے ہوں گے کہ یہ دونوں ہمیشہ اکٹھے رہے ہیں تو مستقبل میں بھی ان کا رشتہ بن سکتا ہے پھر بھی آپ لوگوں نے سوال کیا مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو مثبت جواب نہیں دے سکا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری رشتے داری میں فرق آجائے۔ ہم پہلے کی طرح ملتے رہیں گے۔''

انور رؤف اور جمیلہ بیگم اس لیے نہیں بولے کہ نبیلہ ان کی بہو تھی اور اپنے شوہر کے ساتھ یہاں بہت خوش تھی عیش و آرام میں رہ رہی تھی۔ عقیلہ کو احمر سے شادی کا جو مدھم سا امکان نظر آرہا تھا۔ وہ بھی ختم ہوگیا تھا جس کے باعث وہ بہت حاسدانہ نظروں سے قرۃ العین کو دیکھ رہی تھی۔

شاکرہ بیگم اور حامد بیگ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل جانے کے صدمے سے گنگ تھے ماجد اور خالد احساس ذلت سے دوچار ہوئے ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملا پا رہے تھے اور غصے اور بے بسی سے ہاتھ مل رہے تھے۔ عامرہ بیگم بھی خوش نظر آرہی تھیں کہ جب سب گھر والے شوہر، بیٹا، بیٹی اس

رشتے سے خوش تھے تو وہ ناخوش نظر آکر کون سا ان کا فیصلہ بدل سکتی تھیں۔ انہوں نے بھی خوشگوار مسکراہٹ لبوں پر سجا رکھی تھی۔ پونے سات بجے عائشہ بیگم، صمد حسن، اظفر، نغمہ بھابھی، احمر، زین اور عروشہ ''انور لاج'' میں داخل ہوئے تو انور رؤف اور عامرہ بیگم نے اشعر بھائی اور نبیلہ بھابھی نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

احمر اور قرۃ العین سب سے زیادہ خوش تھے۔ احمر نے سفید کرتا شلوار زیب تن کر رکھا تھا۔ پشاوری چپل پہنے وہ خوشبو سے مہکتا بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔ خوبصورت تو وہ پہلے ہی بہت تھا آج خوشی کے رنگوں نے اسے اور بھی حسین بنا دیا تھا۔ قرۃ العین نے کاسنی رنگ کا سلور کام والا خوبصورت لباس پہنا تھا۔ یہ رنگ اس کے رنگ پر بہت کھل رہا تھا۔ رسمی باتوں کے بعد قرۃ العین کو سب کے درمیان لایا گیا۔ احمر کی نظریں اس کے اجلے اجلے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ عائشہ بیگم نے قرۃ العین کو منگنی کی انگوٹھی پہنائی اور اس کا ماتھا چوم لیا۔ عامرہ بیگم نے احمر کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنائی اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''مبارک ہو آپ سب کو۔'' صمد حسن نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کر انور رؤف سے بغل گیر ہوئے۔

''آپ کو بھی مبارک ہو۔'' انور رؤف نے کہا رسماً سبھی مبارکباد دے رہے تھے۔

''بھائی، اب ٹھیک ایک ماہ بعد میں قرۃ العین کو اپنے احمر کی دلہن بنا کر لے جاؤں گی۔ آپ کو اور بھابھی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا۔'' عائشہ بیگم نے انور رؤف سے کہا تو انور رؤف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ہمیں بھلا کیوں اعتراض ہوگا عینی کل بھی تمہاری تھی اور آج بھی تمہاری ہے جب تمہارا دل چاہے اسے اپنی بہو بنا کر لے جاؤ اور بیٹی بنا کر رکھنا۔''

''آپ فکر ہی نہیں کریں عینی کو میں بہت محبت سے رکھوں گی۔''

عائشہ بیگم نے قرۃ العین کو اپنے ساتھ لگا کر مسکراتے ہوئے کہا تو قرۃ العین نے حیا سے مسکراتے ہوئے کنکھیوں سے برابر میں بیٹھے احمر کو دیکھا وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا خوشی سے مسکرا رہا تھا۔ دل میں مچلتے جذبوں کو تھپک رہا تھا۔ جب سب ڈائننگ ہال میں کھانا کھانے چلے گئے تو احمر اور قرۃ العین اکیلے بیٹھے رہ گئے۔ احمر نے بہت محبت سے اس کے حیا سے گل رنگ ہوتے چہرے کو دیکھا۔

''منگنی مبارک ہو۔'' احمر نے آہستہ سے کہا۔

''تمہیں بھی۔'' اس نے شرگیں دبے دبے لہجے میں کہا۔

''شکریہ، ویسے دیکھا میرا کمال چند گھنٹوں میں سب کچھ طے کرالیا۔''

''اچھا جاؤ جا کر کھانا کھالو۔'' وہ شرماتے ہوئے بولی۔

''تم بھی ساتھ چلو۔''

''میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔'' وہ ایک دم اٹھ کر جانے لگی۔

''اے سنو تو۔'' احمر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا وہ بری طرح سٹپٹا گئی۔

''احمر کوئی دیکھ لے گا۔'' وہ گھبرائی آواز میں بولی۔

''تو دیکھ لے آدھا حق میں حاصل کر چکا ہوں آدھا کچھ دنوں میں حاصل کرلوں گا، خیر یہ لو منگنی کا تحفہ۔''

احمر نے اپنے کرتے کی جیب میں سے ایک کیسٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

''بونگے یہ منگنی کا تحفہ ہے۔'' اس نے اسے پیار سے گھور کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''اتنی جلدی میں یہی دے سکتا ہوں اصل تحفہ تو شادی پر دوں گا۔
تمہیں نیند تو آج ویسے بھی نہیں آئے گی تم یہ کیسٹ سن لینا وقت اچھا گزر جائے گا۔''

''بہت فضول ہو تم۔'' قرۃ العین نے شرماتے ہوئے اس کے بازو پر مکہ سید کر دیا۔

''او با کسر لڑکی۔'' وہ اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولا وہ ہنستی ہوئی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو اس نے فوراً آگے آکر راستہ روک لیا اس نے گھبرا کر دیکھا تو احمر نے اپنے گلے میں پہنائے ہوئے گلاب کے پھولوں کے ہار اتار کر اس کے گلے میں پہنا دیئے اور اسے جانے کیلئے راستہ دے دیا۔ وہ شرمیلے پن سے مسکراتی ہوئی اس کے قریب سے گزر کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور سب سے پہلے اس نے وضو کر کے شکرانے کے نفل ادا کیے۔ رات کو قرۃ العین کو نیند واقعی نہیں آرہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوش رنگ خواب سجے ہوئے تھے۔ احمر کے سنگ وہ سرسبز وادیوں میں گل رنگ فضاؤں میں اڑتی پھر رہی تھی۔ اچانک اسے احمر کی دی ہوئی کیسٹ کا خیال آیا اس نے کیسٹ اٹھا کر ڈیک میں لگا کر پلے کا بٹن دبا دیا۔ فضاء میں پیار بھرے سریلے گیت بکھرنے لگے۔ مگر کوئی بھی گیت مکمل نہیں تھا سب کا ایک ایک شعر ریکارڈ تھا۔

زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہوں گا

''خبردار جو جان سے جانے کی بات کی ہو۔'' قرۃ العین نے یہ بول سنتے ہی ڈیک آف

کر دیا۔

''میں تو جیتے جی تمہارے نہ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی! احمر! تیری بانہوں میں دم نکلے حسرت یہ ہماری ہے۔'' وہ آنکھیں بند کیے اس کو محسوس کرتے ہوئے اس سے مخاطب تھی۔ ادھر احمر بھی اس کے خوابوں میں گم خوشی سے جاگ رہا تھا۔

☆☆☆

گھر میں قرۃ العین کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ نبیلہ بھابھی بھی عامرہ بیگم کے ساتھ شاپنگ کروا رہی تھیں مگر وہ دل سے اس رشتے پر خوش نہیں تھیں۔ عامرہ بیگم تو بیٹی کو خوش دیکھ کر اپنی ضد بھول گئی تھیں۔ شاکرہ بیگم اور اکبر رؤف کی طرف سے خاموشی چھا گئی تھی مگر چونکہ رشتہ داری تھی لہٰذا ان کی خوشی میں شریک تو ہونا ہی تھا۔ قرۃ العین منگنی کے بعد سے احمر سے کم ہی مل رہی تھی۔ صبح کو وہ آفس جاتے وقت اسے خدا حافظ کہنے آتا اور شام کو وہ اسے بالکونی سے دیکھ کر واپس پلٹ آتی اور احمر اسے آواز ہی دیتا رہ جاتا۔

''ہیلو مغرور منگیتر۔'' وہ اپنے کمرے میں بیٹھی میگزین پڑھ رہی تھی کہ وہ اچانک چلا آیا۔

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' اس نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم وہاں کیوں نہیں آتیں؟''

''آجاؤں گی تھوڑا سا صبر نہیں کر سکتے تم۔''

اس نے شرمیلے سے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''جبر کر رہا ہوں صبر کی بچی اب کیا مہینہ بھر میں تم سے ملنے کو ترستا رہوں گا مغرور منگیتر۔''

وہ اس کے ہاتھ سے میگزین چھین کر بولا۔

''مغرور کیوں کہا تم نے؟''

''ملتی جو نہیں ہو اب منگنی کے بعد تو تم مغرور ہو گئی ہو لفٹ ہی نہیں کراتیں۔''

''تو نہ کراتے منگنی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے کون سا شوق تھا منگنی کرانے کا تم ہی نے میرے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ میں نے تو ماجد اور خالد سے تمہاری جان چھڑانے کیلئے یہ کڑوا گھونٹ پی لیا ہے ورنہ۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ورنہ کیا بولو؟'' وہ اسے مارنے کو لپکی۔

''میں نے تمہارے ناک میں دم کیا تھا تو لے جاؤ اپنی انگوٹھی اور یہ کیسٹ بھی جس میں

عشقیہ گانے ریکارڈ کر کے مجھے گفٹ کی تھی۔'' اس نے کیسٹ ڈیک سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

''محبت مذاق میں تو نہیں کی جاتی سیریس ہو کر ہی کی جاتی ہے۔''

''تمہیں مجھ سے محبت ہے قرۃ؟''

''احمر کے بچے، انجان مت بنو۔'' اس نے اس کے سینے پر مکہ رسید کر دیا وہ ہنسنے لگا۔

''ہٹو پرے۔'' اسے اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا تو شرما کر اسے ایک طرف دھکیلتی کمرے سے باہر بھاگ گئی اور وہ خوش دلی سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جب قرۃ العین اور احمر رشتہ ازدواج میں بندھ گئے۔ دونوں کی خوشی دیدنی تھی۔ دونوں گھرانوں کے افراد بہت خوش تھے۔ انور رؤف اور عامرہ بیگم نے قرۃ العین کو بہت شان سے احمر کے سنگ رخصت کیا۔ احمر حسن سفید شلوار قمیض اور جدید طرز کی سیاہ شیروانی میں بے حد اچھا رہا تھا اور اس کے پہلو میں بیٹھی قرۃ العین پیور ریڈ کلر کے سنہری کامدار شرارہ سوٹ طلائی زیورات کلیوں، گجروں اور میک اپ سے سجی سنوری اس کے دل پر بجلیاں گرا رہی تھی۔

''حسن ولا'' میں اس کا بہت والہانہ استقبال کیا گیا۔ فوٹو سیشن کے بعد نغمہ بھابھی عائشہ بیگم نے قرۃ العین کو احمر کے کمرے میں بھیج دیا۔ کمرے میں قرۃ العین کے جہیز کی چیزیں بھی سیٹ تھیں۔ احمر، احمد حسن اور عائشہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود انور رؤف اور عامرہ بیگم نے قرۃ العین کو جہیز میں ہر چیز دی تھی جسے دیکھ کر خاندان کے لوگ خاص کر شاکرہ بیگم اور جمیلہ بیگم حسد سے جل کر رہ گئے تھے۔

احمر کمرے میں داخل ہوا تو قرۃ العین کو پہلی بار اپنے دل کی دھڑکنوں کا انداز مختلف محسوس ہوا۔ اس نے گھونگھٹ نکالا ہوا تھا اور گھونگھٹ کی اوٹ سے احمر کو پھولوں سے سجے بیڈ کی جانب بڑھتا دیکھ رہی تھی۔ وہ شیروانی کے بٹن کھولتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اس نے لاکٹ سیٹ جو خاص طور پر اس کے لیے خریدا تھا اس کے سامنے پیش کر دیا۔

''بہت پیارا ہے۔'' قرۃ العین نے ڈبہ تھام کر سیٹ دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''کیا تمہارا دولہا یا لاکٹ سیٹ؟''

''دولہا تو پیارا ہے ہی دولہا کا یہ تحفہ بھی پیارا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے شرمیلے لہجے میں بولی تو اس نے خوش ہو کر کہا۔

''پسندیدگی کا بہت شکریہ۔''

اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پکارا۔

''جی مسز احمر!'' احمر نے اس کے ہاتھ کو ہونٹوں سے لگا کر محبت سے کہا۔ تو مارے حیا کے کچھ بول ہی نہ سکی۔ احمر کی محبت بھرا لمس اس کے وجود میں حرارت بن کر پھیلتا جا رہا تھا۔

''شرمائے جاؤ گی کچھ کہو گی نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم ہی کچھ کہو نا۔'' اس نے شرمیلی مسکان لبوں پر سجائے کہا۔

''آج تو تم خطرے کی علامت بنی بیٹھی ہو بالکل ریڈ سگنل کی طرح۔'' شرارت سے اس کے سرخ عروسی جوڑے میں اس کے سندر روپ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''احمر!'' وہ حسب عادت اسے مکہ مارنے لگی تو احمر نے اس کا حنائی ہاتھ پکڑ لیا۔

''اوں ہوں، آج تو یہ نہیں چلے گا۔''

احمر نے محبت سے اسے پناہوں میں لے لیا اور اپنے بے تاب جذبوں کے جام اس پر قطرہ قطرہ انڈیلنے لگا۔

☆☆☆

ولیمہ بھی بہت شاندار طریقے سے ہوا ان دونوں کی خوشی اُن کے چہروں پر رقم تھی۔ احمر کی ہر نگاہ محبت اور قرۃ العین کی ہر ادا حیا اور مسرت سے لبریز۔

وہ دونوں ولیمے کے دوسرے دن ہی اسلام آباد روانہ ہو گئے ایک دن اسلام آباد گزارنے کے بعد وہ مری چلے گئے۔ مری کا موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا ان کے پیار کے موسم کی طرح، احمر نے قرۃ العین کو مال روڈ سے خوب شاپنگ کرائی۔ پھر ایک ہفتے کے بعد وہ سوات، کالام، وغیرہ کی سیر کو نکل گئے۔ پرفضا مقامات پر دونوں ایک ساتھ ہر لمحے کو یادگار بنا رہے تھے۔ ہر لمحے کا لطف اٹھا رہے تھے۔ کیمرے کی آنکھ میں اپنے یادگار لمحات کو محفوظ کر رہے تھے۔

''احمر! ہم واپس کب جائیں گے؟'' قرۃ العین نے رات کے کھانے کے بعد اس سے پوچھا وہ دونوں اس وقت مالم جبہ کے ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھے۔

''بور ہو گئی ہو کیا؟'' احمر نے بہت محبت سے اس کے گلاب چہرے کو دیکھا۔

''نہیں تو یہ دن تو میری زندگی کے حسین ترین دن ہیں۔ خواب سا لگتا ہے سب ہم نے جو چاہا ہمیں مل گیا۔ کبھی کبھی مجھے ڈر سا لگتا ہے احمر کہ کہیں۔''

''کہیں کچھ نہیں ہو گا تم بلاوجہ نہ ڈرا کرو اللہ کا شکر ادا کیا کرو جس نے ہمیں اس مضبوط بندھن میں باندھ دیا ہے۔'' احمر نے اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار سے کہا تو وہ اسے محبت بھری نظروں

سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''اللہ کا شکر تو میں ہر پل ادا کرتی ہوں جس نے مجھے تم سے پیارے اور پیار کرنے والے شوہر سے نوازا ہے۔''

''میں اس ہنی مون کے ایک ایک لمحے کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

''اس ہنی مون سے تمہاری کیا مراد ہے کیا مستقبل میں بھی کسی اور کے ساتھ 'ہنی مون' منانے کا ارادہ ہے؟'' وہ اس سے الگ ہو کر اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''ہاں اگر تم اسی طرح عملی اظہار سے گریز کرتی رہیں تو ایسا ہو بھی سکتا ہے۔'' وہ اسے ستانے کی غرض سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''احمر کے بچے، میں تمہاری جان نکال دوں گی۔ خبردار اگر میرے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا ہو۔'' قرۃ العین نے کشن اٹھا کر اس کو مارتے ہوئے کہا تو وہ ہنسنے لگا۔

''یار قرۃ! تم سے پہلے کسی کو دیکھا، سوچا، چاہا اور نہ تمہیں پانے کے بعد کسی اور کو دیکھنے کی خواہش ہے اور میری جان!''

اور کیا دیکھنے کو باقی ہے؟
آپ سے جی لگا کے دیکھ لیا

احمر نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خوشی سے روح تک سرشار ہوگئی چند سیکنڈ تو وہ اسے دیکھتی رہی پھر کشن ایک طرف پھینک کر اس کے سینے سے آلگی اور احمر حسن اس کی اس ادا پر دل و جان سے نثار ہونے لگا۔

پورے ایک ماہ بعد وہ دونوں واپس لوٹے تو ان کے چہروں پر حقیقی خوشیوں کا نور پھیلا ہوا تھا۔ صحت بھی بہت اچھی ہوگئی تھی۔ پہلے سے محبتوں اور خوشیوں کا یہی تو کرشمہ ہے کہ وہ انسان کے مردہ جسم کو بھی زندہ کر دیتی ہے۔ مرجھائے گلاب بھی کھلا دیتی ہے تروتازہ کر دیتی ہے۔

''شادی اور ہنی مون کے بعد تو عینی کے حسن میں مزید نکھار آگیا ہے۔''

نغمہ بھابھی نے قرۃ العین کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بس احمر کو دیکھ کر شرمیلے پن سے مسکرا دی۔

عائشہ بیگم، احمد حسن، عامرہ بیگم اور انور رؤف بھی انہیں خوش دیکھ کر بہت خوش اور مطمئن ہوگئے تھے۔

دوسرے دن احمر نے آفس جانا تھا کیونکہ اس کی چھٹی ختم ہوگئی تھی۔ اس کا آفس جانے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' قرۃ العین نے اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر پوچھا۔

''دیکھ رہا ہوں کہ تم کتنی خوشی خوشی مجھے آفس بھیج رہی ہو یہ نہیں ہوا کہ ایک بار کہہ دو احمر آفس مت جاؤ میرا دل نہیں لگے گا تمہارے بغیر۔'' احمر نے پیار بھری مصنوعی خفگی سے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''میرا دل تو تم اپنے ساتھ لیے پھرتے ہو پھر بھلا میں کیوں روکوں تمہیں اور سرتاج من آپ کے ایک ماہ کی چھٹی میں خوب مزے کیے ہیں اب کام کی باری ہے اس لیے خوشی خوشی آفس تشریف لے جائیے۔'' اس نے اس کی ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تو اچانک اسے کچھ یاد آگیا وہ مسکرا کر بولا۔

''اوہ یس، یہ تو مجھے یاد ہی نہیں تھا۔''

''کیا یاد نہیں تھا؟''

''واپس آکر بتاؤں گا اور ہاں شام کو بے بی پنک کلر پہننا او کے۔'' وہ اس کے ہاتھ تھام کر اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''خدا حافظ۔'' وہ اس کی کیفیت سے محفوظ ہوتا اسے پیار سے دیکھتے آہستہ سے کہہ کر چلا گیا اور وہ کتنی ہی دیر تک اس کے پیار کی حرارت میں سلگتی مسکراتی رہی۔

☆☆☆

شام کو وہ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد تیار ہوگئی۔ احمر کی فرمائش کے مطابق اس نے اپنا جارجٹ کا بے بی پنک رنگ کا ہلکی اور نفیس سفید دھاگے کی کڑھائی والا سوٹ زیب تن کیا۔ کلائیوں میں لباس کے ہم رنگ چوڑیاں پہنیں۔ گلابی اسٹریپ والی جوتی پہنی، پرفیوم چھڑکا، بالوں کے خوبصورت سٹائل اور سفید پرل کے سیٹ میں وہ دل میں اتر جانے اور روح میں سما جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ عائشہ بیگم نے اسے دیکھا تو فوراً اس کی نظر اتاری۔

''ماشاء اللہ میری عینی تو دن بدن نکھرتی چلی جارہی ہے اللہ نظر بد سے بچائے۔ تمہارے آنے سے تو اس گھر میں سچ مچ اجالا ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اور احمر کو بہت ساری خوشیاں دکھائے تمہارا سہاگ سلامت رکھے۔''

عائشہ بیگم نے دونوں ہاتھوں میں اس کا سندر چہرہ تھام کر اس کی پیشانی چوم کر دل سے کہا

تو اس نے دل میں آمین کہا۔

احمر عموماً چار ساڑھے چار بجے تک گھر آجاتا تھا اور اب پانچ بج گئے تھے وہ گھر نہیں آیا تھا۔

احمد حسن اور اظفر حسن چھ بجے گھر آ گئے۔ قرۃ العین، احمر کے انتظار میں دیر تک لان میں ٹہلتی رہی مگر وہ نہ آیا۔ مغرب کی اذان ہوگئی تو اس کا دل گھبرانے لگا وہ اپنے کمرے میں چلی آئی وضو کر کے نماز ادا کی احمر کی خیریت سے واپسی کی دعا مانگی۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے احمر کا موبائل نمبر ملایا مگر موبائل آف تھا۔ آفس کے نمبر پر فون کیا تو آپریٹر نے بتایا کہ احمر حسن آفس ٹائم ختم ہونے کے بعد آفس سے چلے گئے تھے۔

یہ سن کر تو قرۃ العین کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ احمر اتنا لاپرواہ اور غیر ذمہ دار نہیں تھا وہ کہیں بھی جاتا تو گھر والوں کو بتا کر فون پر اطلاع کر کے جاتا تھا۔ مگر آج رات کے آٹھ بج رہے تھے اور احمر کی کوئی خبر نہیں تھی۔

''یا اللہ! احمر جہاں کہیں بھی ہے خیریت سے ہو اور خیریت سے گھر واپس آجائے۔'' قرۃ العین نے نم لہجے میں دعا مانگی اور نیچے چلی آئی جہاں سب رات کے کھانے کیلئے جمع تھے۔ اس کے برعکس وہ سب مطمئن نظر آرہے تھے۔

''پھپھو! احمر ابھی تک نہیں آیا۔'' اس نے پریشانی سے ان کے پاس آکر پوچھا۔

''اے لو مجھے بتانا یاد ہی نہیں رہا اظفر کو احمر نے آفس سے فون کر کے بتایا تھا کہ آج اسے آنے میں دیر ہو جائے گی آفس کے کام سے کہیں باہر جانا ہے اس لیے ہم پریشان نہ ہوں۔'' عائشہ بیگم نے بتایا۔

''تو اس نے گھر فون کیوں نہیں کیا اس کا موبائل بھی آف ہے۔'' قرۃ العین نے قدرے مطمئن ہو کر کہا۔

''آفس کے کام سے باہر گیا ہے موبائل اسی لیے آف ہوگا وہ آجائے گا تم پریشان مت ہو آؤ کھانا کھالو۔'' انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا۔

''نہیں پھپھو میں احمر کے ساتھ کھانا کھاؤں گی۔''

''وہ نجانے کب آئے تم اس کے انتظار میں تب تک بھوکی بیٹھی رہو گی۔ چلو آؤ تھوڑا سا ہمارے ساتھ کھالو۔ پھر احمر آئے تو اس کے ساتھ کھالینا۔'' عائشہ بیگم نے محبت سے کہا انہیں احمر کیلئے اس کی محبت اور پریشانی دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی اور وہ ان دونوں کی محبت کی سلامتی کی دعا کر رہی

تھیں۔

''جی اچھا!'' وہ ان کے اس قدر پیار سے کہنے پر انکار نہ کر سکی اور سب کے ساتھ کھانے کی میز پر آ گئی۔

دس بجے سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ اداس دل لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کیلئے وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد احمر کی سلامتی سے گھر واپسی کی دعا مانگی اور پھر اپنے بیڈ پر بیٹھ کر درود پاک پڑھنے لگی آنسو اس کی آنکھوں سے بہتے چلے جا رہے تھے۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے اور خیال آ کر اس کی جان نکالے دے رہے تھے وہ کبھی بیڈ سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگتی کبھی ٹیرس پر جا کر گیٹ کی جانب دیکھنے لگتی کبھی کمرے میں آ کر بے دم سی ہو کر بستر پر گر جاتی رات کے بارہ بجے اسے احمر کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ بھاگ کر ٹیرس پر گئی گیٹ کی جانب دیکھا تو چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا۔ احمر اپنی گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا اندر داخل ہوا تو اس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔''

اور پھر وہ کمرے میں آ گئی اتنے گھنٹوں میں جو اذیت اس نے سہی تھی اس نے اس کی روح میں بے کلی پھیلا دی تھی۔ احمر ہاتھوں میں مختلف شاپنگ بیگز اٹھائے کمرے میں داخل ہوا اور اسے سر جھکائے بیٹھا دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ اس سے خفا ہے تمام بیگز اس نے میز پر رکھے اور مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا تو اسے پتہ چلا کہ وہ تو رو رہی ہے۔ وہ پریشان ہو گیا۔

''عینی! کیا ہوا میری جان؟'' احمر نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر پیار سے پوچھا۔

''میری جان نکال کر پوچھتے ہو کہ کیا ہوا؟

یہ تمہارے گھر آنے کا وقت ہے۔ کتنا تڑپایا اور رولایا ہے تم نے مجھے، ظالم، بے پروا آدمی۔ تم نے تو سارے گزرے لمحوں اور دنوں کی کسر ایک ہی دن میں نکال دی۔ ایک فون نہیں کر سکتے تھے۔ تم مجھے، موبائل بھی آف کیے رکھا تم نے۔ تمہیں ایک لمحے کو بھی میری پریشانی کا خیال نہیں آیا۔ تم...... تم بہت برے ہو احمر، کیوں کیا تم نے ایسا، تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''عینی میری جان! آئی ایم سوری رئیلی ویری سوری۔ میں نے اظفر بھائی کو فون کر دیا تھا۔ جانوں میں تمہیں سرپرائز دینے کے ارادے سے لیٹ آیا تھا۔ تم نے تو مجھے ہی سرپرائز دے دیا۔'' وہ اس کے سر کو چوم کر محبت اور قدرے ندامت سے بولا۔

''اچھا سرپرائز دیا ہے تم نے مجھے۔ کہاں تھے اب تک بولو؟'' اس نے روتے ہوئے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے مجرموں کی طرح صفائی پیش کی۔

''آفس کے بعد ایک گھنٹہ تو شاپنگ میں گزر گیا اس کے بعد یار دوستوں نے گھیر لیا شادی کی خوشی میں دعوت کرنا چاہ رہے تھے سو میں اپنے دوست روحیل کے گھر چلا گیا وہاں بھی دوست آگئے اور وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔''

''آفس کے کام سے جانے کا جھوٹ کیوں بولا تھا؟''

وہ تو صرف تمہارے لیے تھا ورنہ گھر امی ابو اور اظفر بھائی کو علم تھا کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہوں اسی لیے تو وہ پریشان نہیں تھے۔''

''مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تم نے۔ کیا میں تمہیں دوستوں کے پاس جانے سے منع کر دیتی؟'' اس نے غصے سے پوچھا تو وہ محبت سے بولا۔

''نہیں جان، لیکن میرا سرپرائز رہ جاتا نا پھر اسی لیے روحیل کی دعوت بھی قبول کر لی تا کہ بارہ بجے تک وقت گزر جائے۔''

''کیوں بارہ بجے ایسا کون سا کارنامہ انجام دینا تھا تمہیں؟''

''تمہیں تمہاری سالگرہ کی مبارکباد دینا تھی۔''

''کیا؟'' وہ رونا بھول کر حیران حیران آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں عینی جان! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' اس نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا اور اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ اس کا سرپرائز جان کر ایک بار پھر رو دی۔

''احمر! احمر! تم نے اتنی سی بات کہنے کیلئے مجھے اتنا تڑپایا اتنا رولایا۔ بارہ گھر میں رہ کر بھی تو بج سکتے تھے۔'' اس نے اس کے بازو پہ مکہ رسید کرتے ہوئے کہا۔

''او عینی! تم تو بارہ بجے تک سو جاتیں۔''

''ہاں تم تو جیسے مجھے سونے دیتے نا اتنی جلدی۔'' اس نے اس انداز سے کہا کہ وہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''اچھا جان احمر! معاف کر دو۔ میری چند گھنٹوں کی دوری نے تمہاری یہ حالت کر دی ہے اگر کبھی مجھے چند برسوں کیلئے تم سے دور جانا پڑا تو تمہارا کیا بنے گا؟''

''مقبرہ۔'' وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی وہ تڑپ کر رہ گیا۔

''نہ مجھ سے پہلے نہیں عینی جان! ہمارا جینا مرنا تو ایک ساتھ ہوگا اب۔'' اس نے اس کے

آنچل سے اس کے چہرے کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''آئندہ مجھے ایسا سرپرائز مت دینا ورنہ میرا مرنا تم سے پہلے بھی ہو سکتا ہے اور مجھے تمہارے بغیر ایک پل کی بھی زندگی نہیں چاہیے۔'' اس نے بھیگتی آواز میں کہا۔

''قرۃ العین!'' وہ محبت سے اسے دیکھتا رہ گیا پھر بے اختیار ہی اس پر اپنی محبتوں کی بارش کر دی۔

''کھانا کھا لیا تم نے۔'' احمر نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم سے مطلب میں کھاؤں یا بھوکی بیٹھی رہوں جناب کے انتظار میں۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''اچھا چلو کھانا لگاؤ دونوں مل کر کھائیں گے۔''

''تم اپنے دوستوں کے ساتھ دعوت اڑا کر آئے ہو میرے لیے اپنے معدے کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے خفا خفا لہجے میں کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''یار اب معاف بھی کر دو نا، دیکھو میں تمہارے لیے کتنی ساری شاپنگ کر کے آیا ہوں کیک بھی لایا ہوں اٹھو شاباش چیچ وغیرہ لے کر آؤ میں تب تک چینج کر لوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپتھپا کر کہا تو وہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

وہ چینج کر کے باہر آیا تو وہ کمرے میں تھی۔

''جنم دن مبارک ہو میری جان!'' احمر نے اس کی کلائی تھام لی اور اس میں گولڈ کی چوڑیاں پہناتے ہوئے اسے وش کیا۔

''تھینک یو احمر۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یو آر ویلکم سوئیٹ ہارٹ، ناراض تو نہیں ہونا۔'' احمر نے اس کا ہاتھ چوم کر پیار سے کہا۔

''نہیں لیکن احمر میرا دل اب تک بجھا بجھا سا ہے تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں نے یہ چند گھنٹے کس اذیت اور پریشانی میں گزارے ہیں میرا تو اس خیال سے ہی دل بند ہوا جا رہا تھا کہ کہیں خدانخواستہ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش آگیا ہو۔ شکر ہے اللہ کا تم خیریت سے گھر آگئے۔'' اس نے نم آواز میں کہا۔

''آئی ایم سوری قرۃ! مجھے ایسی لاپرواہی نہیں برتنی چاہیے تھی تمہیں خود فون کر کے بارہ بجے آنے کا بتا دینا چاہیے تھا۔ رئیلی سوری عینی۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر ندامت آمیز لہجے میں بولا تو وہ اس کی محبت بھری پناہوں میں آ کر پرسکون اور شانت ہو گئی۔

''ارے ہاں ایک سرپرائز اور ہے عینی ڈارلنگ۔'' اچانک سے یاد آیا تو بتانے لگا۔

''وہ کیا؟''

''تمہارا رزلٹ آؤٹ ہوگیا ہے آج، اور تم نے فسٹ پوزیشن میں گریجویشن کرلیا ہے۔''

''سچ۔'' وہ خوشی سے اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے بولی۔

''بالکل سچ۔ میں نے پتہ کیا تھا تمہارے کالج فون کر کے مبارک ہو بہت بہت مبارک ہو عینی۔''

''شکریہ لیکن خالی مبارکباد تحفہ دو پاس ہونے کا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''تو پاس آؤ اور لو تحفہ پاس ہونے کا۔''

اس نے شرارت بھرے لہجے میں معنی خیز جملہ کہا اور اس کا بازو پکڑ کر اسے قریب کرلیا وہ سٹپٹا گئی۔

''احمر! کیک کاٹو صبح آفس بھی جانا ہے تم نے، رات کا ایک بج رہا ہے۔ کب سوؤ گے اور کب صبح کو بیدار ہوگے۔'' اس نے اس کی دیوانگی سے بوکھلاتے ہوئے کہا۔

''آج سونا ضروری ہے کیا؟'' اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

''تم نہیں سدھرو گے۔'' وہ سرخ ہوتے ہوئے بولی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''تمہاری سلور جوبلی پر میں تمہیں ایک شاندار سرپرائز گفٹ دوں گا۔'' وہ اس کے ساتھ کیک کاٹتے ہوئے بولا۔

''وہ کیا؟''

''جو تم کہو گی، جو تم چاہو گی لیکن ہوگا سرپرائز گفٹ اور بہت قیمتی گفٹ ہوگا اور رات کے بارہ بجے ہی دوں گا انشاء اللہ۔'' اس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا قیمتی گفٹ تو تم ہو احمر بس تم میرے پاس رہنا میری ''سلور جوبلی'' بھی یادگار بن جائے گی۔'' قرۃ العین نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ۔'' احمر نے اس کی بے پناہ محبتوں پر روح تک سے سرشار ہو کر کہا۔

دوسرے دن وہ آفس سے چار بجے ہی گھر آ گیا۔ گھر میں قرۃ العین کی سالگرہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ''انور لاج'' سے بھی سبھی آئے ہوئے تھے۔ سب نے اس کو جنم دن کی مبارکباد دی۔ تحائف دیئے۔ رات کی احمد حسن کی جانب سے ''ہالیڈ ان'' میں قرۃ العین کی یہ سالگرہ خوشگوار اور یادگار بن گئی۔ رات کو وہ چینج کر کے کمرے میں آئی تو احمر کو اپنے سوٹ کیس میں کپڑے رکھتے

ہوئے دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

''احمر! تم کہیں جا رہے ہو کیا؟''

''ہاں جانو! میں کل صبح ساڑھے نو بجے کی فلائٹ سے کراچی جا رہا ہوں کمپنی کے کام سے مجھے وہاں ایک ہفتہ لگ جائے گا۔'' احمر نے اسے بتایا تو اداس ہو کر اس کے پاس چلی آئی۔

''تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''پہلے بتا دیتا تو تم آج کا فنکشن انجوائے نہ کر پاتیں۔ میرے جانے کے خیال سے ہی اداس ہوتی رہتیں اس لیے اب بتا رہا ہوں امی ابو کو بھی بتا کر آیا ہوں اچھا ذرا سامان پیک کرنے میں میری ہیلپ تو کروا دو۔'' احمر نے اپنی شیونگ کٹ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں کرواتی، کل سارا دن تڑپایا، رات کو رلا دیا اور اب کل کو کراچی جا رہے ہو وہ بھی ایک ہفتے کیلئے۔'' قرۃ العین نے افسردگی سے معصومیت سے کہا۔

''پگلی۔'' احمر کو اس پر بے اختیار پیار آنے لگا اس نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

''میں ایک ہفتے کیلئے کراچی جا رہا ہوں اور تم ایسے افسردہ ہو رہی ہو جیسے میں ایک صدی کیلئے جا کر رہا ہوں۔''

''سارا قصور تمہارا ہے نہ تم مجھے اتنا پیار دیتے نہ میں اتنی بے قرار ہوتی۔'' قرۃ العین نے بڑی معصومیت سے سارا الزام اس کے سر دھر دیا۔

''قسم سے تمہاری باتیں سن کر تو میرا تمہارے سامنے سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا کراچی جانا تو اور بھی محال ہے۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولا۔

''تو تم نہیں جا رہے نا کراچی۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''قرۃ العین!'' اس نے اس کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کردی اور اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''تمہاری محبت مجھے کہیں نہیں جانے دے گی لیکن جانا ضروری ہے ورنہ گھر اور دفتر والے میرا مذاق اڑائیں گے مجھے طعنے دیں گے کہ احمر بیوی کا غلام بن گیا ہے۔ شادی کے بعد کام سے جاتا رہا ہے کیا تم چاہو گی کہ تمہارے اس پیارے سے شوہر کو ایسی باتیں سننے کو ملیں؟''

''ٹھیک ہے جاؤ لیکن، جلدی واپس آنا اور مجھے روز فون بھی کرنا۔''

''صبح شام فون کروں گا فکر کیوں کرتی ہو، تم اپنا خیال رکھنا۔'' احمر نے محبت سے کہا۔

''تم بھی اپنا خیال رکھنا، وقت پر کھانا، وقت پر سونا اور مجھے فون کرنا مت بھولنا۔'' اس

نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

''میں سانس لینا بھول سکتا ہوں کیا؟''

''احمر!'' وہ اس کے سینے سے لپٹ کر رونے لگی۔

''بس اب رونا نہیں ہے تم نے چلو مسکراؤ۔'' احمر نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو وہ ذرا سا مسکرائی پھر اس کا سوٹ کیس دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''تمہارے سوٹ کیس میں ضرورت کا سب سامان ہے نا؟''

''نہیں۔''

''پھر کیا ہے جو یہ اتنا بھرا ہوا ہے؟''

عکس تیرے۔ تیری خوشبو تیرے رنگ
بس یہی کچھ ہے میرے سامان میں

احمر نے اس کے خساروں پر اپنے ہاتھ رکھ کر یہ شعر پڑھا تو اس کی آنکھیں پھر سے برسنے لگی جس نے احمر کے دامن دل کو پھر سے بھگو دیا۔

☆☆☆

صبح وہ اسے بہت سی ہدایات دیتا، بہت سا پیار کر کے کراچی کیلئے چلا گیا اور وہ اس کے جانے کے بعد بہت دیر تک اپنے بستر پر پڑی رہی اور اپنی حالت پر حیران رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسی محبت ہے جو محبوب کی لمحے بھر کی جدائی سے ہی چیخ اٹھتی ہے۔ روح تک کانپ جاتی ہے۔ دل بند ہونے لگتا ہے۔ دنیا تاریک لگنے لگتی ہے۔ سب کچھ ایک محبوب کے ہونے سے حسین لگتا ہے اور نہ ہونے سے غمگین لگتا ہے۔ قرۃ العین نے اس کی خیریت سے کراچی سے واپسی کی دعا مانگی پھر بھی دل مضطرب تھا۔ بے کل اور بے قرار تھا اور احمر اسے ایک ہفتے کی جدائی دے گیا تھا۔ وہ خود کو مصروف رکھنے کیلئے کام کرنا چاہتی تھی لیکن عائشہ بیگم نے کچن اور گھر کے دوسرے کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ گھر میں ملازمہ بھی موجود تھی اور نغمہ بھابھی اور عائشہ بیگم کچن اور گھر کے دوسرے کام اپنی نگرانی میں کرتی اور کرواتی تھیں۔ کھانا تو نغمہ بھابھی اور عائشہ بیگم ہی پکایا کرتی تھیں۔ قرۃ العین کو کوکنگ آتی تھی۔ میکے میں بھی کبھی کبھار اپنی مرضی اور شوق سے نت نئی ڈشز بنایا کرتی تھی اور احمر کو ضرور کھلایا کرتی تھی، وہی اس کے ہر طرح کے تجربوں کی زد میں آتا تھا اور ہمیشہ اس کی پکائی ہوئی ڈش کی تعریف ہی کرتا تھا۔ برائی کرتا تو قرۃ العین اس کی شامت لے آتی، اس سے روٹھ جاتی اور وہ سو سو جتن کر کے اسے منایا کرتا۔ قرۃ العین نے زین، عروشہ اور ایمان کو پڑھانے ان کے ساتھ

کھیلنے اور سٹڈی کرنے میں خود کو مصروف کر لیا تھا۔ احمر کا روز صبح شام فون آ جاتا اور وہ خوش ہو جاتی۔ اس کے اگلے فون کے انتظار میں بے کل رہتی۔ دو دن بعد احمر نے آنا تھا۔ رات کو وہ جلد سو گئی تھی نیند میں اسے ایسا لگا جیسے احمر اسے پکار رہا ہے مگر اس کا لہجہ اسے بہت تکلیف دہ محسوس ہو رہا تھا وہ اٹک اٹک کر تکلیف سے نڈھال لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''عینی، نور، میری، قرۃ العین اٹھو میں آ گیا ہوں اٹھو عینی میں بہت تکلیف میں ہوں۔ یہ درد مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا عینی۔''

''احمر!'' وہ ایک دم آنکھیں کھول کر اٹھ بیٹھی احمر پر نگاہ پڑی تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ تیزی سے بستر سے اتری۔

''احمر! تم نے تو دو دن بعد آنا تھا۔ یہ کیا ہوا ہے احمر۔ تمہارا یہ حال کس نے کیا ہے؟'' وہ اس کا بازو پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھاتے ہوئے بے قراری سے بے کلی سے پوچھ رہی تھی۔ احمر نے بند ہوتی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''عینی! میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا عین گھر کے قریب پہنچ کر، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے عینی۔ مجھے تمہاری محبت ہی بچا سکتی ہے نور۔ مجھے اپنی محبت کے حصار میں لے لو روشنی مجھے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولتا ہوا ایک دم سے خاموش ہو گیا۔

''احمر! احمر!'' قرۃ العین اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے روتے ہوئے چیخی وہ اس کے شانے سے لگ کر آنکھیں موند چکا تھا۔

''احمر! تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ نہیں احمر دیکھو میری ساری محبت لے لو مگر آنکھیں کھول دو پلیز احمر! احمر میری جان! اٹھو نا احمر۔'' وہ روتے ہوئے چیختے ہوئے بولی اور ایک دم سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ خواب دیکھ رہی تھی۔ بہت ہی ڈراؤنا اور بہت ہی جان لیوا خواب تھا یہ، اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ جلا دیا۔

''احمر! یا اللہ میرے احمر کو تندرست اور سلامت رکھنا، میرا یہ خواب محض خواب ہی ہو۔ احمر کو کچھ نہ ہو یا اللہ۔'' وہ روتے ہوئے بستر سے نکل آئی۔ اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا اس نے لائٹ آن کر کے وال کلاک پر نظر ڈالی رات کے ڈھائی بج رہے تھے وہ دوبارہ بیڈ پر آ بیٹھی۔

''احمر! احمر تم بے شک دو چار دن لیٹ آ جانا مگر تندرستی اور سلامتی کے ساتھ واپس آنا۔ تمہیں میری قسم احمر مجھے چھوڑ کر مت جانا ورنہ میں مر جاؤں گی۔'' وہ اس کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی فریم شدہ تصویر اٹھا کر روتے ہوئے بولی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اچانک اسے عائشہ

بیگم کا خیال آیا وہ اس وقت نماز تہجد کیلئے اٹھتی تھیں۔ وہ احمر کی تصویر واپس رکھ کر نیچے آ گئی۔ لاؤنج کی لائٹ جل رہی تھی اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا عائشہ بیگم جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں۔ وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

''پھپھو! احمر کیلئے دعا مانگیں کہ وہ خیریت سے ہو۔ میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے پھپھو، احمر کو زخمی دیکھا ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا وہ میرے پاس آ کر بے ہوش ہو گیا یا شاید، نہیں اسے کچھ نہیں ہو سکتا پھپھو۔ پھپھو اللہ میاں سے کہیں کہ احمر کو صحت مند اور سلامت رکھیں۔ نہیں تو میں مر جاؤں گی پھپھو۔''

اس کی باتوں نے عائشہ بیگم کے دل پر قیامت سی ڈھا دی تھی۔ وہ جو ہاتھ پھیلائے ان سب کی خوشیوں کی دعائیں مانگ رہی تھیں اب بے اختیار روتے ہوئے احمر کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ کتنی ہی دیر تک وہ رو رو کر اپنے رب سے اپنے لاڈلے جگر گوشے کی سلامتی اور خیریت سے واپسی کی دعا مانگتی رہیں جب فارغ ہوئیں تو ان کے پاس بیٹھی قرۃ العین ان کے سینے میں منہ چھپا کر بلک بلک کر رونے لگی۔ عائشہ بیگم کا دل خوف اور پریشانی میں گھر گیا۔ وہ قرۃ العین کو پیار سے کہنے لگیں۔

''عینی بیٹا! روؤ نہیں خواب تو خواب ہوتا ہے نا کچھ نہیں ہوگا ہمارے احمر کو۔''

''پھپھو! میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے میں، میں احمر کو فون کر لوں پھپھو۔'' وہ ان سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

''اس وقت چندا تین بجنے والے ہیں۔ احمر سو رہا ہوگا۔''

''پھپھو! اس سے بات کر کے مجھے تسلی ہو جائے گی۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''اچھا بیٹا کر لو اسے فون ویسے بھی وہ تمہارے بے وقت جگانے پر خفا نہیں ہوگا۔''

انہوں نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو وہ اٹھ کر ٹیلی فون سیٹ کے پاس آ بیٹھی اور احمر کے موبائل کا نمبر ملانے لگی۔ عائشہ بیگم دل ہی دل میں بیٹے کی سلامتی کی دعا مانگ رہی تھیں۔

''احمر کا موبائل آف ہے پھپھو۔'' وہ ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے پریشانی سے بولی تو انہوں نے اس کے پاس بیٹھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر پیار سے بولیں۔

''احمر نے سونے سے پہلے موبائل خود آف کر دیا ہوگا تم سے تو اس نے رات بات کی تھی

نا۔''

''جی پھپھو! لیکن وہ میٹنگ ختم ہونے کے بعد ہوٹل جانے سے پہلے کی تھی۔''

''کیا بات ہے بھئی یہ ہماری بیٹی اس وقت کیوں رو رہی ہے؟'' احمر حسن کی آنکھ کھلی تو وہ بھی کمرے سے باہر نکل آئے اور لاؤنج میں لائٹ جلی دیکھ کر وہیں آ گئے۔

''احمر کو خواب میں زخمی حالت میں دیکھا ہے عینی تب سے روئے جا رہی ہے۔'' عائشہ بیگم نے انہیں دیکھتے ہوئے بتایا تو وہ نرمی سے بولے۔

''اللہ خیر کرے گا۔ عینی بیٹا! خواب تو خواب ہی ہوتا ہے انشاء اللہ احمر بیٹا بالکل ٹھیک ہوگا۔''

''مگر میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا پھپھو جان! احمر کا موبائل بھی آف ہے وہ ضرور کسی تکلیف میں ہے اس نے خود مجھ سے کہا تھا۔ اٹھو عینی میں بہت تکلیف میں ہوں۔'' اس نے روتے ہوئے بتایا۔

''یا اللہ میرے بیٹے کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔'' احمر حسن نے بے اختیار ہو کر دعا مانگی۔

''آمین!'' تم احمر سے بہت محبت کرتی ہو نا۔ تو محبت کرنے والوں کی دعائیں تو اللہ ضرور سنتا ہے تم اپنے کمرے میں جاؤ وضو کر کے نماز حاجت ادا کرو اور احمر کی صحت اور سلامتی کی دعا مانگو انشاء اللہ تمہارا احمر سلامتی کے ساتھ واپس آ جائے گا۔'' احمر حسن نے اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر کہا۔

''انشاء اللہ۔'' ان دونوں نے کہا قرۃ العین اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''عائشہ بیگم دیکھا آپ نے آپ کی بہو آپ کے بیٹے سے کتنی شدید محبت کرتی ہے۔ خدانخواستہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی کچھ ہو جائے تو یہ کیسے جیئیں گے ایک دوسرے کے بغیر اللہ ان معصوموں کی محبت اور زندگی کی حفاظت کرے۔'' احمر حسن نے عائشہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آمین۔'' وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں اور ان کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ قرۃ العین نے دو رکعت نماز حاجت ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے احمر کی صحت اور سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ نماز فجر تک وہ جائے نماز پر بیٹھی روتی رہی احمر کیلئے دعائیں مانگتی نماز ادا کر کے نڈھال سی ہو کر بستر پر لیٹی تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ پھر آٹھ بجے کے قریب کاٹن کا سوٹ وارڈ روب میں سے نکالا اور واش روم میں چلی گئی، نہا کر تیار ہو کر نیچے آئی تو سب ناشتے کی

میز پر موجود تھے۔قرۃ العین کے خواب کا ذکر عائشہ بیگم نے سب کے سامنے کر دیا تھا۔اظفر حسن اور نغمہ بھابھی نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔قرۃ العین سب کو سلام کر کے ایک کرسی پر بیٹھ گئی اپنے برابر احمر کی خالی کرسی دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔روح میں بے چینی و بے کلی سرایت کر گئی۔

وہ احمر کی صورت آنکھوں میں بسائے اسی کو سوچ رہی تھی۔

”عینی بیٹا! ناشتہ شروع کرو نا۔“ عائشہ بیگم نے اس کے سامنے سلائس اور آملیٹ رکھتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ چونک سی گئی۔

”پھپھو! میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”عینی بیٹا! وہ نالائق ہوٹل میں بیٹھا کہیں مزے سے ناشتہ اڑا رہا ہوگا اور تم ہو کہ اس کیلئے بھوکی رہنا چاہتی ہو۔شاباش ناشتہ کرلو ورنہ وہ شریر آ کر ہم سے گلہ کرے گا کہ آپ لوگوں نے میری روشنی کا خیال نہیں رکھا تمہارے معاملے میں تو وہ کسی کو بھی بخشنے والا نہیں ہے۔“ احمد حسن نے اسے دیکھتے ہوئے اس کا دل بہلانے کی غرض سے پر مزاح انداز میں کہا تو شرمندگی میں لپٹی سر جھکا کر ناشتہ کرنے لگی۔

”اظفر بھائی! آپ احمر کو فون کر کے بلالیں پلیز۔پتا نہیں اس کے موبائل سے کوئی جواب کیوں نہیں آرہا؟“ وہ سب ناشتے سے فارغ ہوئے تو قرۃ العین نے ان سے کہا۔

”ڈونٹ وری بیٹا! میں ابھی فون کرتا ہوں اسے، اور حکم دیتا ہوں کہ فوراً گھر واپس آجاؤ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا ہماری گڑیا سی بہن کو رلایا ہے اس نے۔“ وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر بولے تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔اس سے پہلے کہ اظفر حسن احمر کو فون کرتے فون کی بیل بج اٹھی۔

”ہیلو۔“ اظفر حسن نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔دوسری جانب جو کوئی بھی تھا اظفر بھائی نے اپنے نام کی تصدیق کرنے کے بعد تعارف چاہا۔

قرۃ العین ان کے سامنے کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔

”جی کہاں کس وقت او میرے خدایا! آپ مجھے تفصیل بتایئے، میں پہلی فلائٹ سے پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔آپ تو وہیں ہیں ناں۔“

”او کے اللہ حافظ۔“ اظفر حسن نے پریشانی اور فکرمندی سے کہا اور فون بند کر کے قرۃ العین کی معصوم صورت کو دیکھا۔

”کس کا فون تھا اظفر بھائی احمر تو ٹھیک ہے نا۔“ قرۃ العین نے بے چین ہو کر پوچھا۔

”اسے ٹھیک ہی رہنا ہے تمہارے لیے ہم سب کیلئے۔تم دعا کرو اس کے لئے۔“

اظفر حسن نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کا سر تھپک کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔نغمہ بھابھی بھی متفکر ہو کر ان کے پیچھے گئیں۔

”دعا کرو اس کیلئے پھپھو، یہ اظفر بھائی کیا کہہ گئے ہیں۔یہ بتاتے کیوں نہیں کیا ہوا ہے احمر کو۔ضرور کوئی گڑبڑ ہے میرا دل ایسے ہی تو نہیں گھبرا رہا۔“ وہ عائشہ بیگم کا بازو پکڑے کہہ رہی تھی وہ اسے اپنے سینے سے لگا کر پریشان ہو کر وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں ان کے دل میں بھی ہول اٹھ رہے تھے۔نغمہ بھابھی کمرے میں آئیں تو اظفر حسن کو بیڈ کے کنارے پر بیٹھے دیکھا وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

”اظفر!“ نغمہ بھابھی نے قریب آ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ انہیں دیکھ کر بے چینی کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔

”نغمہ! عینی کا خواب سچا ہے۔“ وہ پرنم لہجے میں بولے۔

”کیا؟“ نغمہ بھابھی نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

”ہاں نغمہ میرا بھائی میرا دوست احمر اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔اس کے ایم ڈی کا فون تھا۔رات میٹنگ سے واپسی پر احمر کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا ایک تیز رفتار ٹرک نے اس کی گاڑی کو ٹکر ماری تھی۔ڈرائیور تو موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا اور میرا بھائی اس وقت آغا خان ہسپتال کے آئی سی یو میں رات سے بے ہوش پڑا ہے اس کے سر پر شدید چوٹیں آئی ہیں۔“ اظفر بھائی نے بھیگتی آواز میں ساری تفصیل بتائی۔

”یا اللہ! یہ کیا ہو گیا۔قرۃ العین کا خواب سچا ہو گیا وہ تو پہلے ہی اتنی نڈھال اور بے حال ہو رہی ہے یہ خبر سن کر نجانے اس کا کیا حال ہوگا؟“

”نغمہ! مجھے پہلی فلائٹ سے ہی کراچی پہنچنا ہے پلیز تم امی اور عینی کو سنبھال لینا وہ یہ خبر سن کر بکھر جائیں گی۔“ اظفر حسن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”آپ جانے کی تیاری کریں میں انہیں سنبھال لوں گی۔آپ بھی خود کو سنبھالیں اللہ نے چاہا تو احمر تندرست ہو کر واپس آئے گا۔“ نغمہ بھابھی نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”انشاء اللہ۔“ اظفر بھائی نے دل سے کہا اور اپنے موبائل پر فلائٹ انکوائری کا نمبر ملانے لگے۔

☆☆☆

قرۃ العین نے یہ خبر سنی تو لمحے بھر کو اسے لگا جیسے اس کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا ہے گم صم سی ہوگئی۔ خواب کا ایک ایک منظر اسے یاد آنے لگا۔ جونہی احمر کے بے ہوش ہونے کا منظر یاد آیا وہ چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔ نغمہ بھابھی اور عائشہ بیگم اسے ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگیں۔ اظفر حسن کراچی روانہ ہوگئے۔ احمد حسن نے انور رؤف اور عامرہ بیگم کو احمر کے ایکسیڈنٹ کا بتایا تو وہ بھی پریشان ہو کر ان کی طرف آگئے۔ قرۃ العین کو ہوش آیا تھا ڈاکٹر آیا اس کا چیک اپ کیا اور اسے سکون کا انجیکشن لگا دیا اس کی بے ہوشی کو کسی صدمے کا موجب قرار دیا تھا ڈاکٹر نے، اور سب جانتے تھے کہ اسے کس صدمے نے اس حال کو پہنچایا ہے۔ سب کے ہونٹ ہل رہے تھے سب ہی احمر کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ عائشہ بیگم جائے نماز پر ہی بیٹھ گئی تھیں نماز حاجت ادا کرنے کے بعد احمر کیلئے دعا مانگ رہی تھیں۔ آنسو مسلسل ان کی آنکھوں سے بہتے چلے جا رہے تھے۔ اظفر حسن نے کراچی پہنچ کر احمر کی حالت دیکھنے کے بعد گھر فون کر کے احمد حسن کو اس کی حالت کے بارے میں آگاہ کیا۔ ساتھ ہی لاہور میں کسی اسپیشلسٹ سے احمر کی کنڈیشن ڈسکس کرنے کا کہا کیونکہ وہ احمر کو لاہور لانا چاہتے تھے تاکہ سب گھر والے اس کی دیکھ بھال کر سکیں۔ احمد حسن اور انور رؤف کے جاننے والے ڈاکٹر اور سرجن یہاں موجود تھے۔ لہٰذا انہوں نے احمر کے متعلق ان سے مشورہ کیا۔ احمر کی حالت خطرے سے باہر آنے کے بعد انہوں نے اسے یہاں لانے کی تجویز اور رائے دی تھی۔

قرۃ العین کی آنکھ کھلی تو چند لمحوں کو تو اسے کچھ یاد نہ آیا کہ اسے کیا ہوا تھا اور جب یاد آیا تو وہ ''احمر! احمر'' پکارتی بیڈ سے اتر آئی۔

''عینی! خود کو سنبھالو بیٹا'' عامرہ بیگم جو ایک سائیڈ پر کرسی پر بیٹھی تھیں اسے بیدار اور بے قرار دیکھ کر اٹھ کر اس کے پاس چلی آئیں۔

''امی احمر تکلیف میں ہے اسے بہت چوٹ آئی ہے امی مجھے اس کے پاس لے چلیں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا تو انہوں نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

''بیٹا! ہمت سے کام لو انشاء اللہ احمر کی تکلیف دو ہو جائے گی۔ اظفر گیا ہے نا احمر کے پاس وہ اسے یہاں لے آئے گا بس دعا کرو کہ احمر خطرے کی حالت سے باہر آ جائے اس کے سر پر چوٹ لگی ہے نا اسی لیے وہ اب تک بے ہوش ہے۔''

''امی! وہ بچ جائے گا نا۔ مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائے گا نا'' اس نے تڑپ کر روتے ہوئے ان سے پوچھا تو وہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''وہ بہت پیار کرتا ہے تم سے بھلا وہ تمہیں کیسے چھوڑ کر جا سکتا ہے۔''

''اللہ میاں! مجھے احمر کی صحت و زندگی چاہیے میں نہیں رہ سکتی احمر کے بغیر آپ کے کرم کی حد تو لامحدود ہے نا اللہ میاں تو اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کے صدقے میرے احمر کے ساتھ زندگی کی آخری سانس تک جینے کی نعمت عنایت فرما دیں۔ میرے احمر کو بچا لیں اللہ میاں اپنے پیارے اور محبوب بندوں کے طفیل یا کریم یا رحیم یا ودود یا رؤف میرے احمر کو صحت و زندگی عطا کر دیں۔''

قرۃ العین نے ظہر کی نماز ادا کرتے ہوئے رو رو کر بلک بلک کر دعا مانگی۔ گھر میں پریشانی اور دکھ کے سائے پھیل گئے تھے۔ دوسرے دن احمر کو کچھ دیر کیلئے ہوش آیا تھا۔ اس کی حالت اب خطرے سے باہر آ چکی تھی۔ دو دن بعد اظفر حسن اسے وہاں کے ڈاکٹرز کے مشورے سے جہاز میں خصوصی انتظام کے ساتھ لاہور لے آئے۔ جناح ہسپتال کے وی آئی پی وارڈ میں احمر کو چیک اپ کے بعد پہنچا دیا گیا گھر سے قرۃ العین سمیت سب ہی احمر سے ملنے آئے تھے۔ عائشہ بیگم اور قرۃ العین کے تو آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ وہ سفید بستر پر بے سدھ لیٹا تھا اس کے سر پر سفید پٹیاں بندھی تھیں بائیں ہاتھ کی کلائی پر بھی زخم آیا تھا وہاں بھی پٹی بندھی تھی۔ اس کا چہرہ جو سرخ و سفید تھا اب پیلا ہو رہا تھا کئی جگہ چہرے پر نیل کے نشان دکھائی دے رہے تھے وہ پانچ دن میں اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ عائشہ بیگم سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

''نغمہ آؤ ہم بھی امی کے پاس چلیں۔'' اظفر حسن نے نغمہ بھابھی سے آہستگی سے کہا وہ احمر اور قرۃ العین کو تنہائی میں ملنے کا موقع دینا چاہتے تھے۔ احمر بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹا تھا اسے سب کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ قرۃ العین کی چوڑیوں کی کھنک اور اس کی سسکیوں کی درد بھری آواز اس کے کانوں میں اب بھی آ رہی تھی۔ اس نے کسی سے بات نہیں کی تھی مگر اب قرۃ العین سے بات کرنے کو اسے دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔

''روشنی! میرے پاس آؤ روشنی! میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

احمر نے مدھم آواز میں کہا مگر قرۃ العین چونکہ بیڈ کے قریب کھڑی تھی اور پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھی اس لیے اس نے اس کی آواز سن لی تھی اور فوراً اس کے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی احمر نے آنکھیں کھول دیں۔

''احمر! یہ کیا ہو گیا احمر؟'' وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر روتے ہوئے بولی۔

''اندھیرا ہو گیا ہے روشنی۔ لائٹ جلاؤ میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ مدھم آواز میں بولا۔

''کیا کہہ رہے ہو احمر! لائٹ تو جل رہی ہے؟''

''اچھا شاید پھر میری ہی آنکھوں کی لائٹ چلی گئی ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''احمر پلیز مذاق مت کرو، دیکھو میں تمہارے سامنے ہوں احمر!'' وہ تڑپ کر بولی۔

''کیسے دیکھوں کیسے میری جان! میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا قرۃ العین، کتنا بے چین اور بے تاب تھا میں تمہیں دیکھنے کیلئے مگر......'' وہ درد سے چھلکتی آواز میں بولا۔

وہ تڑپ کر بولی:

''ایسا کیوں کہہ رہے ہو، احمر کیوں نہیں دیکھ سکتے تم مجھے اپنی روشنی کو ہاں؟''

''اس لیے عینی جان! کہ میری بینائی چلی گئی ہے میری آنکھیں بے نور ہو گئی ہیں۔ میں اندھا ہو گیا ہوں عینی میں کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ تمہیں بھی نہیں عینی۔'' احمر نے ڈولتی آواز میں اس پر یہ قیامت خیز انکشاف کیا تو وہ روح تک سے کانپ اٹھی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔

''نہیں احمر! احمر! تم مذاق کر رہے ہو نا احمر۔'' وہ روتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بے قراری سے بولی اور اسے خود کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا وہ کسی کے سامنے اپنی اس معذوری اور بے بسی پر رونا نہیں چاہتا تھا۔ سب نے آج تک اسے ہنستا مسکراتا دیکھا تھا پھر وہ کیسے ان کے سامنے رو پڑتا اس کے آنسو اس کے اندر ہی گر رہے تھے۔

''یہ مذاق نہیں ہے اجالا یہ حقیقت ہے اس حادثے نے مجھ سے میری بینائی چھین لی ہے۔ یہاں آ کر آنکھیں کھولیں تو دھندلا سا عکس نظر آ رہا تھا۔ پھر میں نے آنکھیں نہیں کھولیں کہ اپنی عینی کے سامنے آنکھیں کھولوں گا تو ہر عکس صاف شفاف دکھائی دینے لگے گا مگر اب تو وہ دھندلا سا عکس بھی معدوم ہو چکا ہے میں نہیں دیکھ سکتا عینی میں کچھ نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ پرنم لہجے میں بولا۔

''نہیں اللہ میاں! میرے احمر کے ساتھ ایسا نہ کریں اللہ میاں میرے احمر کی آنکھیں روشن کر دیں احمر! احمر میری زندگی یہ کیوں ہو گیا احمر؟'' وہ بے اختیار اس کے سینے سے لپٹ کر روتے ہوئے بولی تو احمر کا دل پھٹنے لگا اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پھر سے آنکھیں موند لیں۔ اس کی سسکیاں اس کے سینے میں دم توڑ رہی تھیں وہ خود کو رونے سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر پھر بھی چند آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے اور اس کے بالوں میں جذب ہو گئے۔ احمر نے قرۃ العین کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے نرم اور پرنم لہجے میں کہا۔

''عینی! مت روؤ بس کرو جان! دیکھو میں تو نہیں رو رہا۔''

''تم...... تم مجھ سے اپنے آنسو چھپا نہیں سکتے احمر! جانتی ہوں تم اندر سے کتنے دل فگار

اور اشکبار ہو۔'' وہ سر اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے روتے ہوئے بولی تو وہ اس کی بات پر تڑپ اٹھا کتنی گہری تھی اس کی محبت اس کے اندر تک جھانک لیتی تھی۔

''جانتی ہو تو کیوں رو رو کر میرا حوصلہ پست کرتی ہو پلیز مت روؤ عینی۔'' احمر نے بے بسی سے کہا تو اس نے اس کے ہاتھ چوم لیے احمر کو ایک نئی توانائی اور نیا حوصلہ مل گیا اس نے گہرا سانس لبوں سے خارج کیا۔

''امی، پھپھو، اظفر بھائی۔'' وہ ان کو آوازیں دیتی ایک دم سے کمرے سے باہر نکلی تو سب گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

''کیا ہوا عینی؟'' سب نے بیک وقت یہی سوال کیا۔

''وہ احمر پھپھو احمر۔'' وہ ان کے سامنے روتی بلکتی ہوئی بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''کیا ہوا میرے بچے کو یا اللہ خیر۔'' وہ پریشانی سے بولیں اور کمرے میں بھاگیں سب کچھ اور ہی سمجھے تھے پل میں وہ سب احمر کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہ بھی روتے ہوئے اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی۔ احمر آنکھیں موندے بے سدھ لیٹا رہا۔

''احمر! احمر بیٹا آنکھیں کھولو بیٹا ہمیں اپنی جدائی کا دکھ مت دینا۔'' عائشہ بیگم اس کے پاس بیٹھ کر اس کے چہرے کو ہاتھوں میں بھر کر روتے ہوئے بولیں سب اشکبار تھے۔

''احمر یار! آنکھیں کھول نا دیکھ تو ہمیں ہمیشہ ہنساتا رہا ہے تو اب کیوں رلا رہا ہے۔ دیکھ تیری عینی نے رو رو کر اپنی کیا حالت بنالی ہے اس کیلئے بھی آنکھیں نہیں کھولے گا۔'' اظفر حسن نے احمر کا ہاتھ تھام کر روتے ہوئے کہا تو اس نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں مگر سوائے تاریکی کے اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی رنگ نہیں تھا کوئی چہرہ نہیں تھا۔

''احمر کی بینائی چلی گئی ہے پھپھو۔'' قرۃ العین نے روتے ہوئے بتایا۔

''کیا؟'' سب کی سماعتوں پہ جیسے ایٹم بم گرا تھا سب نے حیرت، دکھ اور صدمے سے ایک دوجے کو دیکھا اور پھر احمر کو دیکھتے ہوئے اس کے پاس آ بیٹھے۔

''احمر میرے چاند! یہ کیا ہو گیا بیٹا؟'' احمد حسن نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا اور اس کے ہاتھ چومتے رو دیئے۔ اظفر حسن نے بھی اسے سینے سے لگایا پیار کیا وہ بھی رو رہے تھے عائشہ بیگم کی حالت تو سب سے زیادہ بری ہو رہی تھی جوان بیٹے کی اتنی بڑی معذوری کا سن کر ان کی ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈی برف پگھلنے لگی تھی۔

انور رؤف دوڑ کر گئے اور ڈاکٹر رفیع جان کو بلا لائے۔ انہوں نے آ کر احمر کی آنکھوں کا

معائنہ کیا اور اس کے ٹیسٹ کی رپورٹ دیکھنے کے بعد اس کی بینائی ختم ہو جانے کی تصدیق کر دی۔
یہ خبر حسن فیملی اور انور رؤف کی فیملی کیلئے کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ انور رؤف روتی بلکتی قرۃ العین کو اپنے ساتھ لگائے کھڑے سوچ رہے تھے کہ ''ان کی بیٹی کی خوشیوں کو آخر کس کی نظر لگ گئی۔ ابھی تو بمشکل ڈیڑھ ماہ ہوا تھا اس کی شادی کو اور اس کی محبت کی دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ اس کے سامنے تو پوری زندگی پڑی تھی وہ کیسے گزارے گی یہ زندگی کس کے سہارے گزارے گی احمر کو تو اب خود کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ انہیں بہت دکھ اور صدمہ تھا اپنے پیارے بھانجے کی بینائی کھو جانے کا وہ عائشہ بیگم کو بھی حوصلہ دے رہے تھے احمد حسن کی بھی دلجوئی کر رہے تھے۔ احمر کو بھی ہمت سے کام لینے کی تلقین کر رہے تھے۔ عامرہ بیگم اپنی بیٹی کے نصیب پر رو رہی تھیں۔ نغمہ بھابھی اور اظفر حسن الگ اشک بہا رہے تھے۔

''امی، ابو پلیز آپ لوگ روئیں نہیں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ کیا ہوا جو میں نہیں دیکھ سکتا اتنے برسوں سے دیکھ ہی تو رہا تھا نا۔ اب مجھے بینائی کی قدر و اہمیت کا احساس ہو جائے گا۔ وہ لوگ بھی تو ہیں جو پیدائشی نابینا ہیں جو میری عمر میں پہنچ کر بینائی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میں زندہ سلامت ہوں آپ کے پاس ہوں اگر میں مر جاتا تو۔''

''نہیں خدا نہ کرے احمر بیٹا ایسی باتیں نہ کرو۔'' عائشہ بیگم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی بات مکمل ہونے نہیں دی اور تڑپ کر روتے ہوئے بولیں۔

''بیٹا میں ماں ہوں تمہاری مجھے تمہاری تکلیف، تمہارا درد محسوس نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے آئندہ مرنے کی بات مت کرنا۔''

''آپ بھی وعدہ کریں کہ اب آپ میں سے کوئی نہیں روئے گا ورنہ میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔'' احمر نے دل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''ہم نہیں روئیں گے بس بیٹا تم جلدی سے تندرست ہو جاؤ۔'' احمد حسن نے اس کا ہاتھ چوم کر دل گیر لہجے میں کہا۔

''تندرست تو میں ہو ہی جاؤں گا جس انسان کے اتنے چاہنے والے اتنے تیمار دار ہوں وہ تو وقت سے پہلے ہی تندرست ہو جاتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو عائشہ بیگم نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''میرا بیٹا بہت بہادر ہے۔''

''او امی جان! بہادر کہہ کر آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے اب تو مجھے بہادر بن کر

دکھانا ہی پڑے گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''مسٹر احمر! آپ واقعی بہت بہادر نوجوان ہیں انشاء اللہ آپ کو بہت جلد ریکور کر لیں گے۔'' ڈاکٹر رفیع جان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کی بات سن کر کہا۔

''انشاء اللہ۔'' سب نے ایک ساتھ کہا۔

وہ سب احمر کے کمرے میں موجود تھے اور احمر کی رپورٹ اور کنڈیشن سے متعلق ڈاکٹر رفیع جان کی بات جاننے کے منتظر تھے۔

''احمر ایک زندہ دل اور حوصلہ مند نوجوان ہے مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی ول پاور سے کام لیتے ہوئے اس تکلیف دہ صورتحال پر قابو پا لے گا۔ بینائی بہت بڑی نعمت ہے اس کا نہ ہونا بہت بڑا نقصان ہے لیکن آپ لوگوں کو مسٹر احمر کو تنہا نہیں چھوڑنا اسے اپنی موجودگی کا محبت اور تعاون کا ہر پل احساس دلانا ہے تاکہ وہ خود کو اکیلا نہ سمجھے اور ہمت نہ ہار بیٹھے اور قرۃ العین بیٹا۔''
ڈاکٹر رفیع جان نے قرۃ العین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی انکل!''

''بیٹا! آپ کو سب سے زیادہ حوصلے اور ہمت سے کام لینا ہے۔ آپ کی شادی کو بہت کم عرصہ ہوا ہے ایسے میں اگر آپ کے رویے میں ذرا سی بھی منفی تبدیلی آ گئی احمر بکھر جائے گا۔ آپ دونوں تو بچپن کے ساتھی ہیں اور ساتھی ایسے کٹھن وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ نبھاتے ہیں۔ آپ کی محبت اور توجہ احمر کیلئے کسی بھی دوا سے بڑھ کر مؤثر ثابت ہو گی۔ آپ کو احمر کی آنکھیں بن کر اس کا ساتھ دینا ہو گا اس کا خیال رکھنا ہو گا۔'' وہ نرمی سے بولے۔

''میں جانتی ہوں انکل! مجھے خود بھی ان ساری باتوں کا احساس ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ویری گڈ، بھئی انور رؤف ہماری بیٹی تو بہت سمجھدار اور حساس ہے۔'' ڈاکٹر رفیع جان نے مسکراتے ہوئے کہا تو انور رؤف نے فخر سے قرۃ العین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس میں کیا شک ہے اللہ اس کی محبت سے ہمکنار کرے۔''

''آمین!'' سب نے کہا۔

''رفیع مجھے احمر کی کنڈیشن کے متعلق بتاؤ کہ وہ کب تک دیکھنے کے قابل ہو جائے گا۔ وہ دیکھ بھی سکے گا یا......'' انور رؤف نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے اللہ پر بھروسہ رکھیں دعا کریں کہ اس قسم کے حادثات

میں بعض اوقات انسان اپنی بینائی سے محروم ہو جاتا ہے لیکن کئی کیسز ایسے بھی سامنے آئے ہیں جن میں مریض پھر سے دیکھنے لگے تھے۔'' ڈاکٹر رفیع جان نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو کیا احمر دیکھ سکے گا؟'' احمد حسن نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

''انشاء اللہ فی الحال میں حتمی رائے نہیں دے سکتا۔ تین ماہ تک ہم احمر کی آنکھوں کا کسی قسم کا علاج نہیں کریں گے۔ احمر کے سر کے زخم بھر جائیں وہ تندرست ہو جائے کیونکہ پہلے ہی اس کا کافی خون بہہ چکا ہے اس میں مزید کسی آپریشن کی صورت میں کمزوری بھی پیدا ہو سکتی ہے جو کہ پہلے سے موجود ہے اور کوئی پیچیدگی بھی ہو سکتی ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تین ماہ بعد احمر کے ٹیسٹ دوبارہ لیے جائیں اس کے بعد علاج شروع کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی بینائی اچانک لوٹ آئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کئی برس لگ جائیں۔ ہمیں ناامید نہیں ہونا چاہیے ہمارا کام علاج، دوا اور دعا ہے باقی کام اللہ کا ہے وہ کرم کر دے تو احمر کی آنکھیں پھر سے روشن ہو جائیں گی۔'' ڈاکٹر رفیع نے سنجیدگی سے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب! کیا احمر کو علاج کیلئے باہر لے جا سکتے ہیں؟'' احمد حسن نے پوچھا۔

''لے تو جا سکتے ہیں لیکن میں نے کہا نا کہ تین ماہ تک آپ احمر کو مزید کسی آپریشن سے گزارنے کا رسک مت لیں میں نے بھی امریکہ اور لندن سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی ہے اس لیے وہاں کے ڈاکٹرز کی رائے بھی وہی ہوگی جو میں نے دی ہے بہر حال میں احمر کی رپورٹس امریکہ اور لندن کے ڈاکٹرز کو بھجوا دیتا ہوں پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟''

''انکل! ویسے احمر کب تک ڈسچارج ہو جائیں گے۔'' قرۃ العین نے پوچھا۔

''زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے تک ہم احمر کو گھر جانے کی اجازت دے دیں گے۔ وہ یہاں رہے گا تو اس کی دیکھ بھال میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے بہتر ہو جائے گی اور آپ سب کی محبت اور توجہ بھی احمر کو جلد صحت یاب کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔'' ڈاکٹر رفیع نے اس کی طرف دیکھ کر نرمی سے جواب دیا۔

''او کے رفیع تھینک یو ویری مچ۔'' انور روف نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''شکریہ کیسا یار! احمر میرے بچوں جیسا ہے تم فکر نہ کرو میں ہر طرح سے اس کا خیال رکھوں گا اور مجھ سے اس کے علاج کے سلسلے میں جو بھی ممکن ہو سکا میں ضرور کروں گا۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے بھی یہ میرا فرض اولین ہے کہ میں اپنے مریض کا پوری توجہ سے علاج کروں۔'' ڈاکٹر رفیع نے کھڑے ہو کر نرمی سے محبت اور خلوص سے کہا وہ سب ان کا شکریہ ادا کر کے احمر کے پاس

چلے آئے۔ رات کو عائشہ بیگم اور احمد حسن نے احمر کے پاس ٹھہرنے کا ذکر کیا تو احمر کہنے لگا۔

''نہیں امی، ابو آپ سب گھر جا کر آرام کریں۔ یہاں ڈاکٹرز اور نرسیں ہیں ناں۔''

''پھر بھی بیٹا کسی اپنے کا تمہارے پاس ہونا ضروری ہے۔'' عائشہ بیگم نے پیار سے کہا۔

''پھپھو! میں ہوں نا احمر کے پاس آپ سب جائیں۔'' قرۃ العین نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی امی! عینی کو میرے پاس رہنے دیں آپ لوگ جائیں صبح آ جایئے گا۔'' احمر نے بھی فوراً اس کی بات کی تائید میں کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! عینی تمہارے پاس رہے گی اور باہر ملازم بشیر بھی موجود ہوگا کسی چیز کی ضرورت ہو تو بشیر سے کہہ دینا۔ عینی بیٹا یہ موبائل اپنے پاس رکھو اگر خدانخواستہ کوئی ایمرجنسی ہو جائے تو ہمیں فوراً فون بند کر دینا۔'' احمد حسن نے قرۃ العین کو اپنا موبائل فون دیتے ہوئے کہا۔

پھر وہ سب احمر سے مل کر گھر چلے گئے۔ ڈاکٹر رفیع جان نے رات دس بجے احمر کا معائنہ کیا اور اس کی حالت بہتر محسوس کر کے اطمینان سے چلے گئے۔

''احمر! تم تھک گئے ہو گے بیٹھے بیٹھے لیٹ جاؤ اور آرام سے سو جاؤ۔''

قرۃ العین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا وہ بیڈ کی بیک سے تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''نیند نہیں آ رہی قرۃ!''

''احمر! خود پہ جبر مت کرو اس حالت میں خود کو مزید تکلیف مت دو۔'' قرۃ العین نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو حائل کر کے پیار سے بھیگتی آواز میں کہا تو وہ پرنم آواز میں بولا۔

''روشنی! میں ان کے سامنے آنسو نہیں بہا سکتا۔''

''اور میرے سامنے احمر! مجھ سے تم اپنے آنسو چھپا سکتے ہو کیا؟''

''تم سے تو میں کچھ بھی نہیں چھپا سکتا حتیٰ کہ اپنے آنسو بھی نہیں۔ عینی کیا میں تمہارے مہربان دامن میں چھپ کر اپنے آنسو بہانے کا حق رکھتا ہوں؟'' وہ بھرائی آواز میں پوچھ رہا تھا آنسو اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

''احمر تم تو سارے حق رکھتے ہو۔''

قرۃ العین نے روتے ہوئے تڑپتے ہوئے کہا اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ جو

ہر وقت ہنسنے کھیلنے اور شرارتیں کرنے میں مگن رہتا تھا اس وقت بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔
قرۃ العین اسے کسی معصوم بچے کی طرح اپنے سینے میں چھپائے خود بھی زار و قطار رو رہی تھی۔ روتے روتے جب وہ تھک گیا تو اس کی آغوش میں ہی سر رکھے سو گیا۔ قرۃ العین نے اس کا چہرہ اپنے آنچل سے صاف کیا اور بہت احتیاط سے اس کا سر تکیے پر رکھ دیا اور خود منہ ہاتھ دھونے کیلئے وہاں سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

احمر کے علاج کے تمام اخراجات اس کی کمپنی نے اپنے ذمے لیے تھے یوں بھی وہ کمپنی کا ہونہار اور فعال آفیسر تھا۔ میڈیکل کی سہولت ویسے بھی کمپنی کے ملازمین کو فری ملی ہوئی تھی۔ کمپنی کے ملازمین کے علاوہ ایم ڈی اور منیجر بھی احمر کی عیادت کیلئے ہسپتال آئے۔ کمپنی کے ایم ڈی نے احمر کے بیرون ملک علاج کے اخراجات برداشت کرنے کا یقین دلایا تھا۔ اس کی بینائی جانے کا سب کو بہت دکھ پہنچا تھا۔ وہ سب کی پسندیدہ شخصیت تھا آفس میں بھی گھر اور یار دوستوں میں بھی۔ احمد حسن نے ایم ڈی کا شکریہ ادا کیا کہ وہ خود احمر کا علاج کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں لیکن ایم ڈی نے یہ ذمہ داری خود اٹھانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے ان کی پیشکش قبول کر لی۔ احمر کا دوست روحیل ہر روز اپنے والد اور والدہ کے ساتھ ملنے آتا رہا۔ دیگر دوستوں نے بھی اس کی عیادت اور تیمارداری کی۔ شاکرہ بیگم اور اکبر رؤف اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ ہسپتال آئے احمر کو تاسف سے دیکھا ان کی نظروں میں اس کیلئے ترس، افسوس تھا۔

☆☆☆

”مجھے انکار کیا تھا نا میری ہائے لگی ہے اسے۔“ شاکرہ بیگم نے قرۃ العین کی طرف دیکھتے ہوئے سنگدلی سے کہا احمر کا دل دکھ سے بھر گیا۔
”بہت شوق تھا انور کو بیٹی بھانجے سے بیاہنے کا دیکھ لیا نتیجہ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔ اب بھگتیں اندھے داماد کو۔“
جمیلہ بیگم نے سفاکی سے کہا وہ دونوں تڑپ کر رہ گئے۔ یہ اس کی مزاج پرسی کرنے آئی تھیں یا اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے آئی تھیں۔
”خالہ اور تائی آپ اگر میٹھا بول نہیں بول سکتیں تو کڑوا بھی مت بولیں۔ کیا بگاڑا ہے ہم نے آپ کا۔ اتنے بڑے بول بول کر خدا کے غضب کو مت للکاریں یہ حادثہ تو آپ کے بیٹے کے ساتھ بھی پیش آ سکتا ہے۔“ قرۃ العین نے انہیں دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”اللہ نہ کرے میرے بیٹے کو کچھ ہو، تمہارے منہ میں خاک۔ تم رہو اس اندھے کے ساتھ، لگ پتا جائے گا چار دن میں تنگ آ جاؤ گی اور پھر ہم ہی ہوں گے جو تمہیں سہارا دیں گے۔“
جمیلہ بیگم نے سلگ کر کہا۔
”آپ نے سب کو اپنے جیسا حریص، لالچی، بے حس اور خود غرض سمجھ کر رکھا ہے آپ خدا کب سے بن بیٹھی ہیں جو اس قسم کے فتویٰ جاری کر رہی ہیں۔ روشنی کی ضرورت تو آپ کے تاریک دل و دماغ کو ہے ہمارے احمر کا دل ماشاء اللہ روشن ہے۔ کوئی تاریکی نہیں ہے اس کی زندگی میں ایسی عیادت کرنے سے بہتر ہے کہ آپ خواتین اپنے اپنے گھروں کا رستہ ناپیں سب جانتا ہوں میں کہ قرۃ العین کے ذریعے انور ماموں کی جائیداد ہتھیانے کے منصوبے تھے آپ کے جو ناکام ہو گئے ہیں اسی لیے آپ کو پتنگے لگ گئے ہیں، جائیے یہاں اور اپنی اولاد کی خبر لیجئے۔ ہم اپنے بچوں کو سنبھالنا جانتے ہیں۔“
اظفر حسن جو دروازے کے قریب کھڑے کافی دیر سے ان کی گفتگو سن رہے تھے نغمہ بھابھی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے اور شاکرہ بیگم اور جمیلہ بیگم کو کھری کھری سنا دیں۔ وہ دونوں حیران، پریشان سی حواس باختہ ہو کر کھڑی ہوئیں اور ان تینوں کو غصے سے دیکھتی باہر نکل گئیں۔
”احمر یار! تم دل چھوٹا مت کرنا یہ لالچی اور کم ظرف لوگ ہیں انہیں دوسرے کی تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہے تم انشاء اللہ اپنے سہارے خود چلو گے۔“
اظفر حسن نے احمر کا ہاتھ تھام کر اس کی ہمت بندھاتے ہوئے نرم اور پرامید لہجے میں کہا۔
”جی بھائی۔“ احمر بس اتنا ہی کہہ سکا کیونکہ ان دونوں خواتین کی باتوں نے اس کی روح کو گھائل کر دیا تھا۔
”عینی! تم اتنی خاموش کیوں ہو یہاں آؤ میرے پاس۔“ کمرے میں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا قرۃ العین شاکرہ بیگم اور جمیلہ بیگم کی باتوں پر دکھی تھی اور بے آواز رو رہی تھی۔
”احمر! یہ لوگ اتنے سنگدل کیوں ہیں آخر؟“ وہ اٹھ کر اس کے سینے سے لگ کر روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وہ اس کے رونے سے اور بھی بے قرار ہو گیا۔
”انہیں تم جو نہیں ملیں۔“ اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
”میں انہیں کبھی مل بھی نہیں سکتی تھی نہ پہلے نہ اب میں صرف تمہاری ہوں۔“ وہ روتے

ہوئے بولی تو احمر کی روح کے زخموں پر مرہم لگ گیا۔

''تو میری جان! ان کی باتوں پر کیوں روتی ہو، پلیز روؤ نہیں میرا دل ڈوبنے لگتا ہے تمہارے آنسوؤں میں۔'' اس نے محبت سے نرمی سے کہا تو وہ پیار بھری خفگی سے بولی۔

''منع کیا تھا نا کہ مت جاؤ کراچی مگر تم نے میری نہیں مانی اگر اس وقت میرے آنسو دیکھ کر رک جاتے تو آج میرے آنسو تمہارا دامن نہ بھگو رہے ہوتے۔''

''جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے نا قرۃ العین! وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔'' اس نے پیار سے سمجھایا۔

''ہاں اب اپنی بے وقوفی کو قسمت کے سر دھر دو۔'' اس نے کہا تو دھیرے سے مسکرا دیا۔

''واقعی یار! میں تمہیں رلا کر تمہاری بات نہ مان کر زخم زخم ہو گیا ہوں مجھے معاف کر دو عینی!''

وہ کرب سے بولا۔

''ایسا نہ کہو احمر!'' اس نے تڑپ کر سر اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

''میں تو یونہی کہہ رہی تھی۔ تم سے پیار ہے تو تم پر غصہ کرنے کا حق بھی تو ہے نا مجھے۔''

''ہاں ہے تمہیں ہر حق حاصل ہے قرۃ العین! تم تو میرے دل کا چین ہو، مگر میری وجہ سے کتنی بے چین ہو آج کل، اس کا احساس ہے مجھے بہت دکھی کر دیا ہے نا میں نے تمہیں۔'' احمر نے دکھ اور بے بسی سے پر لہجے میں کہا۔

''احمر! تم میرے اپنے ہو اور اپنوں کی تکلیف دکھ تو دیتی ہے نا۔ تم دل چھوٹا نہ کرو یہ حادثے تو زندگی کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور میں ہوں نہ تمہارے ساتھ، میں تمہاری روشنی، تمہاری اجالا، تمہاری قرۃ العین، تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک پھر تمہیں کیا فکر ہے؟'' قرۃ العین نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے کہا۔

''مجھے تمہاری فکر ہے میری جان!'' وہ محبت اور بے بسی سے بولا۔

''یہ حادثہ تمہارے لیے کسی آزمائش سے کم نہیں ہے۔''

''احمر میری زندگی۔''

ہے ازل سے ملاپ روحوں کا
پیار کب آزما کے ہوتے ہیں
بجلیاں پوچھ کر نہیں گرتیں

حادثے کب بتا کے ہوتے ہیں

قرۃ العین نے بہت شہد آگیں لہجے میں یہ اشعار پڑھے۔

''تم نے تو اس حادثے کو خواب میں دیکھ لیا تھا۔ میری تکلیف کو اسی وقت محسوس کر لیا جس وقت میں اس حادثے کا شکار ہوا۔ امی نے مجھے بتایا تھا تمہارے خواب کے متعلق اور تمہاری حالت کے بارے میں، مجھے بہت حیرت بھی ہوئی تھی اور خوشی بھی کہ تم مجھے محسوس کر لیتی ہو۔'' احمر نے مسکرا کر دھیمے لہجے میں کہا۔

''تمہیں اپنی اس سچی اور بے لوث محبت کا واسطہ ہے احمر تم جلدی سے صحت یاب ہو جاؤ۔'' وہ اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں سمو کر محبت سے بولی۔

''جو حکم بیگم صاحبہ!'' احمر نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

☆☆☆

''اظفر! تمہیں میری بہن سے بدتمیزی کرنے کی اجازت کس نے دی تھی وہ احمر کی عیادت کیلئے آئی تھی؟'' عامرہ بیگم نے اظفر حسن کو آڑے ہاتھوں لیا۔ شاکرہ بیگم نے ان کی باتوں کو اپنے طریقے سے عامرہ بیگم کے کانوں تک پہنچایا تھا ان کا غصہ کرنا لازمی تھا۔

''ممانی! وہ احمر کی عیادت کیلئے نہیں آئی تھیں بلکہ احمر کی اذیت کا باعث بننے کیلئے آئی تھیں۔ میں اپنے بھائی کو ان کی زبان کی تلوار سے زخمی ہوتے اور کتنی دیر تک دیکھتا رہتا۔ وہ تو دشمنوں کا سا انداز اپنائے ہوئے تھیں ان کو تو احمر کے حادثے کی اس کی بینائی چلے جانے کی بہت خوشی ہوئی ہے۔ پوچھ لیجیے عینی سے کہ وہ کیا کیا زہر اگل کر گئی ہیں۔'' اظفر حسن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''امی! اظفر بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں خالہ نے ہمیں بہت ہرٹ کیا ہے ان میں بڑوں والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ زہر لگتی ہیں مجھے آپ کی یہ خود غرض اور بے حس بہن۔'' قرۃ العین نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ تلخی سے بولیں۔

''عینی! تمہیں تو احمر کی محبت نے پاگل کر دیا ہے جو جی میں آتا ہے بولے چلی جاتی ہو۔ کب تک چپکی رہو گی احمر کے زخمی وجود سے؟''

''امی! کب تک سے کیا مراد ہے آپ کی؟'' وہ حیران پریشان ہو کر بولی۔

''اگر تو احمر کی بینائی واپس آنے کا امکان ہے تو ٹھیک ہے تم کرو اس کی تیمار داری ورنہ۔''

''امی! پلیز آپ خالہ اور تائی والی باتیں مت کریں احمر بینا یا نابینا دونوں صورتوں میں

مجھے عزیز ہے اور مجھے احمر سے کوئی بھی جدا نہیں کر سکتا۔'' قرۃ العین نے ان کی بات کاٹ کر اٹل لہجے میں کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

اظفر حسن نے بہت دکھ سے عامرہ بیگم کو دیکھا تھا وہ کتنی سنگدلی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ وہ اس وقت ''حسن لاج'' کے ڈرائنگ روم میں تھے۔ باقی سب ہسپتال میں احمر کے پاس تھے۔ قرۃ العین کو احمر نے بہت اصرار کر کے گھر بھیجا تھا تا کہ وہ آرام کر لے۔ یہاں عامرہ بیگم نے اسے بے آرام کر دیا تھا۔

اگلے دن وہ سب احمر کو گھر لے آئے۔ عائشہ بیگم نے اس کیلئے نیچے کمرہ سیٹ کر دیا تھا لیکن قرۃ العین نے اوپر جانا ہی مناسب سمجھا۔ احمر کے سر اور کلائی کے زخم تقریباً مندمل ہو گئے تھے۔ قرۃ العین اسے کمرے میں لے جا رہی تھی۔ اس نے ایک جانب سے احمر کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور دوسری جانب سے احمر زینے کی ریلنگ کو پکڑ کر اس کے ساتھ زینہ چڑھ رہا تھا وہ سب پرنم آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اوپر پہنچ کر وہ احمر کو بیڈروم میں لے آئی۔

''احمر! ادھر بیٹھ جاؤ۔'' قرۃ العین نے احمر کو بیڈ پر بیٹھا دیا۔

''یہ کیا تمہاری کلائیاں کیوں خالی ہیں تم نے چوڑیاں کیوں نہیں پہنیں؟''

احمر نے اس کی کلائیوں کو پکڑ کر محسوس کرتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہسپتال جاتے تمہیں گھر لانے کی جلدی تھی نا تو جلدی میں بھول گئی تھی۔''

''چلو ابھی پہنو چوڑیاں۔''

''تم پہناؤ گے۔''

''ہاں کیوں نہیں تم جانتی ہو کہ مجھے تمہارے ہاتھوں میں چوڑیاں پہنانا بہت اچھا لگتا ہے۔''

''لو پھر پہناؤ۔'' وہ اپنے لباس سے ہم رنگ سبز اور سفید چوڑیاں اٹھا لائی اور اس کے سامنے بیٹھ کر اس کے ہاتھوں میں دے دیں۔

''تم نے کس رنگ کے کپڑے پہنے ہیں عینی؟'' وہ اسے چوڑیاں پہناتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''بوجھو تو جانیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی وہ اس کے لباس کے متعلق اندازے جو لگایا کرتا تھا۔

''اب اندازے لگاتے ہوئے ڈر لگتا ہے عینی! اگر غلط ہو گیا تو مجھے سچ مچ اپنے اندھا ہونے

کا یقین آ جائے گا۔'' اس نے چوڑیاں پہنا کر دکھ سے کہا وہ تڑپ اٹھی۔

''احمر! پلیز میری خاطر۔'' قرۃ العین نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لے کر کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ آج تمہارا موڈ کیسا ہے؟''

''میرا موڈ۔''

''خوش ہو۔''

''ہاں تم ہسپتال سے گھر جو آ گئے ہو۔''

''ہوں، تو تمہارے لباس میں سبز رنگ کی آمیزش ضرور ہو گی۔''

''احمر! او مائی گاڈ، تمہیں کیسے پتا چلا؟'' وہ حیرت اور مسرت سے چیخ اٹھی۔

''تمہارے ہر موڈ کا مجھے علم ہے اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے بتایا ہے کیا میرا اندازہ درست ہوا؟''

''پہلے کبھی غلط ہوا ہے جواب ہو گا۔ کون کہتا ہے کہ تم دیکھ نہیں سکتے تم دیکھ سکتے ہو تم دیکھ سکتے ہو۔'' وہ خوشی سے بے خودی سے اس کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے بولی تو وہ اس کی دیوانگی پر خوشی اور محبت پر مسرور ہو کر ہنس پڑا۔

''تم ہنستے ہوئے بہت اچھے لگتے ہو، ہنستے رہا کرو احمر؟''

''اس حالت میں ہنستا رہوں گا تو لوگ مجھے عقل کا بھی اندھا کہیں گے۔''

''خیر عقل کے اندھے تو پہلے ہی تھے۔''

اس نے شوخی سے کہا تو وہ اس کی بات سے محفوظ ہو کر ہنس کر بولا۔

''ہاں ظاہر ہے تم پر جو مرمٹا ہوں۔''

''بے ایمان۔'' قرۃ العین نے اس کے سینے پر ہلکا سا مکہ مارا اور ہنس دی۔

''ویسے اس حادثے کا ایک فائدہ تو ہوا ہے مجھے۔''

''وہ کیا؟''

''تمہاری محبت مجھے عملی صورت میں بھی ملنی شروع ہو گئی ہے۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں یونہی بیمار رہوں اور تمہاری محبتیں سمیٹتا رہتا ہوں۔''

''بہت فضول ہو تم، مجھے تو شک ہے کہ تم نے جان بوجھ کر اپنا ایکسیڈنٹ کرایا ہے تا کہ تم میری عملی محبت کے اظہار سے لطف اندوز ہو سکو۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی تو وہ بے ساختہ قہقہہ لگا

کرہنس پڑا کتنے دنوں بعد وہ یوں کھل کر ہنس رہا تھا۔قرۃ العین کا خوشی اور اس کی حالت کی بے بسی پر دل بھر آیا آنکھیں ایک دم چھلک پڑیں۔

''اگر مجھے اندھا ہو جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو شاید میں ایسا کر گزرتا۔''

''بکومت۔'' قرۃ العین نے اس کے بازو پر مکہ رسید کر دیا۔

''او باکسنگ گرل۔'' وہ ہنس رہا تھا اور وہ رو رہی تھی قسمت کی اس ستم ظریفی پر اس کا دل لہولہو ہو رہا تھا۔

''عینی! کیا ہوا تم چپ کیوں ہو گئیں؟'' چند لمحوں تک اس کی آواز سنائی نہ دی تو اس نے متفکر ہو کر پوچھا مگر وہ منہ پر ہاتھ رکھے اسے دیکھتے ہوئے اشک بہاتی رہی۔

''عینی!''

''ہوں۔''

''تم رو رہی ہو۔'' اس نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا مگر دیکھ کہاں سکتا تھا جو اس کے اس جواب کو جان پاتا۔

''عینی! بات کرو نا مجھ سے۔''

''احمر! مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔'' وہ اس کے سینے سے لگ کر سسک اٹھی۔

''تو میں تم سے دور کسی ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں تم مجھے نہ دیکھ سکو۔''

''نہیں احمر! ایسا غضب مت کرنا ورنہ میں جیتے جی مر جاؤں گی وعدہ کرو تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، کوئی کچھ بھی کہے تم مجھے نہیں چھوڑو گے مجھے خود سے جدا نہیں کرو گے۔ مجھے اپنے نام سے اپنی محبت سے اپنے ساتھ سے کبھی محروم نہیں کرو گے۔ وعدہ کرو احمر! کھاؤ قسم میرے سر کی۔''

اس نے تڑپ کر روتے ہوئے اس سے الگ ہو کر اسے دیکھتے ہوئے اس کا دایاں ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر کہا تو وہ بے قراری سے بھیگتی آواز میں بولا۔

''اتنی بڑی قسم کیوں دے رہی ہو مجھے؟''

''تاکہ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں اسی وقت مر جاؤں۔''

''چپ ایسے نہیں کہتے۔'' احمر نے تڑپ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور خود بھی رو دیا۔

☆☆☆

جب سے احمر نے شاکرہ بیگم اور جمیلہ بیگم کی باتیں سنیں تب سے وہ یہ سوچ سوچ کر

پریشان ہو رہا تھا کہ اس کی بینائی سے محرومی نے قرۃ العین کی زندگی بھی اندھیر کر دی ہے ابھی تو آغاز تھا اس سفر کا، اور وہ آنکھوں کا نور کھو بیٹھا تھا ایک طویل سفر اس کے سامنے باقی تھا آخر وہ اپنی معذوری کے سبب اپنی عینی کا سفر کیوں دشوار کرے۔ وہ اسے چھوڑنے کا سوچ کر ہی تڑپنے لگتا مگر جذبات کی دنیا سے ہٹ کر سوچتا تو اسے لگتا کہ وہ قرۃ العین پر بوجھ بن گیا ہے وہ اسے کوئی خوشی، کوئی سکھ دینے کے قابل نہیں رہا ہے مگر اس کی دیوانگی اور محبت کی شدت اسے کوئی فیصلہ نہیں کرنے دے رہی تھی وہ خود کو بہت بے بس بہت مجبور محسوس کر رہا تھا۔قرۃ العین سے جدائی کا تصور ہی اسے اپنی موت کا پیامبر لگنے لگتا۔ وہ اسے دکھی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ کیسی آزمائش کی گھڑی آئی ہے
میں تجھ کو چھوڑنا چاہوں اور نہ چھوڑ سکوں
میں کیسے تجھ سنگ صبا بن کے چلتا رہوں
تیری حیات کا رخ خوشیوں کی سمت نہ موڑ سکوں

احمر نے لیٹر پیڈ پر یہ اشعار اپنے اندازے سے ترتیب سے لکھے تھے اور پھر قرۃ العین کے ہاتھ میں لیٹر پیڈ تھما کر پوچھنے لگا۔

''دیکھنا عینی! میں دیکھے بنا لکھ تو سکتا ہوں نا مجھے لفظوں کی پہچان بھی ہے اور میں لکھنا بھی جانتا ہوں میری بینائی کا اثر میری لکھائی پر تو نہیں پڑا نا۔''

''نہیں لیکن یہ تم نے کیوں لکھا ہے تم کیا سمجھانا چاہ رہے ہو مجھے؟''

وہ اشعار پڑھ کر دکھی ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''یہی کہ اب میں تمہارے قابل نہیں رہا۔''

''کیوں اب ایسا کیا ہوا ہے؟''

''میں دیکھ نہیں سکتا اس سے زیادہ اور کیا ہوگا قرۃ العین؟''

''احمر پلیز۔''

''روشنی! میں اب پہلے جیسا نہیں رہا۔''

''کچھ نہیں ہوا ہے تمہیں تم میرے لیے اب بھی پہلے والے احمر ہو۔ اچھا ہے نا تم میرے سوا اب کسی دوسری لڑکی کو نہیں دیکھ سکو گے۔ مجھے تمہارے ادھر ادھر جھانکنے یا ہاتھ سے نکل جانے کا خدشہ یا خطرہ نہیں ہے اب۔''

وہ اس کا غم غلط کرنے کو لہجے کو پرمزاح بناتے ہوئے بولی۔ وہ مسکرا دیا۔

''تم بہت زندہ دل لڑکی ہو، دل بہلانے کا ہنر جانتی ہو، لیکن میری جان! یہ بھی سچ ہے کہ میں بینائی رکھتے ہوئے بھی تمہارے سوا کسی دوسری لڑکی کی طرف نہیں دیکھ سکتا تھا اور کسی کو دیکھنے کی خواہش بھی کبھی نہیں رہی بقول شاعر۔''

اور کیا دیکھنے کو باقی ہے
آپ سے جی لگا کے دیکھ لیا

''تمہاری ہی صورت میری آنکھوں میں بسی ہے۔ یہ جو اندھیرا میرے آس پاس پھیلا ہے اس میں روشنی کی کرن تو تم ہو قرۃ العین! مگر کب تک؟ کب تک میری آنکھیں بنی رہو گی؟'' احمر نے دھیمے اور نرم لہجے میں کہا۔

''جب تک تم خود پھر سے اپنی آنکھوں سے دیکھنے نہیں لگ جاتے۔''

''اب میری آنکھوں سے اندھیرے کی پٹی کون کھولے گا عینی؟''

''وہ جو ہر شے پر قادر وہ جو سراپا نور ہے مجسم روشنی ہے وہ تمہاری آنکھوں میں پھر سے نور بھر دے گا۔'' قرۃ العین نے اس کا ہاتھ تھام کر پر یقین لہجے میں کہا۔

''مگر تب تک کچھ لوگ تمہارا جینا دوبھر کر دیں گے۔ میری اس معذوری نے تمہاری زندگی میں جو دکھ بھر دیئے ہیں وہ مجھے چین نہیں لینے دیں گے اور میں یوں دوسروں پر کب تک بوجھ بنا رہوں گا۔ خالہ اور تائی کی باتیں تو سنی تھیں ناتم نے وہ لوگ۔''

''احمر! محبت تیرا میرا مسئلہ ہے، زمانے کو شریک کارمت کر۔''

''یاد ہے تم ہی کہا کرتے تھے اب یہ تمہارے اور میرے بیچ لوگ اور زمانہ کہاں سے آ گیا؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''تمہیں انہیں کے ساتھ جیون بیتانا ہے قرۃ العین۔''

''ان کے ساتھ نہیں احمر تمہارے ساتھ۔''

''ادھورا جیون۔''

''ادھورا یا پورا......صرف تمہارے ساتھ۔''

قرۃ العین نے اٹل لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں کیسے سمجھاؤں روشنی؟''

''مجھے ایسی بات مت سمجھاؤ جو تمہیں مجھ سے دور کرنے سے متعلق ہو۔ تم کیا سمجھتے ہوئے احمر محبت کو......محبت کوئی کیسٹ ہے گیتوں، نغموں بھری۔ جس کے ایک سائیڈ پر پاپ اور لو سونگز ہوں

اور دوسری سائیڈ پر سیڈ سونگز ہوں۔ طربیہ اور المیہ نغموں والی کیسٹ کی جب اے سائیڈ ختم ہو جائے تو پلٹ کر بی سائیڈ لگا لو۔ نہیں احمر حسن اگر محبت سچی ہے تو حالات کا مزاج خواہ طربیہ ہو خواہ المیہ، محبت کی کیسٹ کی دونوں سائیڈز پر ایک ہی نغمہ گونجتا ہے۔ محبت کا نغمہ، اس کا آغاز اور اختتام صرف اور صرف محبت ہے۔ محبت جو زندگی کے بڑے سے بڑے دکھ اور المیے کو حادثے اور سانحے کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ طاقت رکھتی ہے۔ تم مجھے اسی محبت سے دور ہونے کی ترغیب کیوں دے رہے ہو احمر؟''

''کیونکہ میں اندھا ہو گیا ہوں قرۃ العین اور آنکھوں کے بغیر انسان آدھا رہ جاتا ہے۔''

احمر نے دکھ سے بھیگی آواز میں کہا۔

''اور دل کے بغیر انسان پورا ختم ہو جاتا ہے۔ تم میرا دل ہو احمر! تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں چھوڑ کر ختم ہو جاؤں، مر جاؤں تم مجھے آدھا جیون بھی نہیں دے سکتے۔ میں تمہاری نصف بہتر ہوں یعنی آدھا جسم کیا تم میرے بغیر رہ سکتے ہو۔ کیا میں جی سکوں گی اپنے آدھے وجود کے ساتھ؟ احمر ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر مکمل ہوتے ہیں۔ پھر آدھا اور پورے کا کیا سوال؟''

''تمہاری ہر دلیل درست سہی، ہر خیال بجا لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے نور کہ اب میں کچھ نہیں دیکھ سکتا حتیٰ کہ تمہیں بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

احمر نے دکھی اور دلگیر لہجے میں کہا۔

''کیا واقعی تم مجھے نہیں دیکھ سکتے احمر؟''

''دل کی آنکھیں چہرے کی آنکھوں کا آئینہ بھی مانگتی ہیں قرۃ العین۔ دل کی آنکھ ہر رستہ نہیں دیکھ سکتی وہ تو صرف محبت کا محبوب کا رستہ دیکھ سکتی ہے۔ اندر کی آنکھ سے باہر کا ہر منظر نہیں دیکھا جا سکتا ایسا تو شاید اللہ کے ولی اور صوفی لوگ دیکھ سکتے ہیں، میں تو اس کا بہت عاجز اور گناہ گار بندہ ہوں جو چہرے کی آنکھوں کا آئینہ مانگتا ہے جس کے بغیر چہرہ دھندلا جاتا ہے۔'' احمر نے پرنم لہجے میں جواب دیا۔

''نہیں احمر! محبت کا چہرہ کبھی نہیں دھندلاتا۔ محبت کا آئینہ ہمیشہ صاف شفاف رہتا ہے۔ اس پر ماہ و سال کی گرد جم بھی جائے تو محبت کی ہلکی سی ہوا سے اڑ جاتی ہے تم سمجھتے ہو کہ میں تھک جاؤں گی۔ نہیں میں نہیں تھکوں گی بہت دم ہے مجھ میں۔ آزما کر دیکھ لو۔''

''میرا نابینا ہو جانا کیا کم بڑی آزمائش ہے تمہارے لیے۔ اگر تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی تو

میں خود تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' وہ اسی کرب سے بولا۔

اس کے دل میں یہ بات کہنے پر چیخ و پکار شروع ہوگئی تھی۔ روح جسم کے پنجرے میں اپنا سر پٹخ رہی تھی، اور خود اپنے آنسوؤں پر ضبط کے بند باندھ رہا تھا۔

''کہاں چلے جاؤ گے؟'' قرۃ العین نے لرزتے اور ہراساں لہجے میں پوچھا۔

''کہیں بھی تمہاری زندگی سے دور تم سے دور۔''

''نہ تم مجھ سے دور جاسکتے ہو اور نہ میری زندگی سے دور جاسکتے ہو لیکن، اگر تم نے ایسا کوئی قدم اٹھایا تو میں ضرور زندگی سے دور چلی جاؤں گی یا تمہارے ہجر میں روتے روتے میں بھی اندھی ہوجاؤں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولی تو اس نے تڑپ کر کہا۔

''اللہ نہ کرے عینی! تم نہیں جانتیں یہ اندھیرے کتنے گہرے اور تاریک ہوتے ہیں انسان کی خوشیوں اور روشنی سے بھرپور زندگی کو نگل لیتے ہیں۔''

''لیکن روشنی کی ایک کرن ہمیشہ باقی رہتی ہے جیسے میں تمہارے پاس ہوں، تم میری آنکھوں سے اس دنیا کو دیکھو احمر۔'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''کب تک؟ تمہیں بھی تو اپنی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنے کا حق حاصل ہے آخر تم میرا ہی چہرہ کیوں دیکھو عمر بھر۔''

''کیونکہ تمہارا چہرہ، میرا چہرہ ہے اور انسان اپنے چہرے سے کبھی بیزار نہیں ہوتا۔ ہمیشہ اپنا ہی چہرہ دیکھنا چاہتا ہے اور میری دنیا تو تم ہو احمر مجھے تم سے ہٹ کر کسی نئی دنیا کو دریافت نہیں کرنا۔''

''اچھا پلیز روؤ تو نہیں قرۃ العین!'' وہ تڑپ کر بے بسی سے بولا۔

''کیوں نہ روؤں خود ہی ایسی باتیں کر کر کے مجھے رلاتے ہو سنگدل آدمی پھر کہتے ہو روؤں نہ۔ بہت برے ہو تم۔ اتنے دن سے مجھے رلاتے جا رہے ہو۔ تم نے ایک بار بھی مجھے پیار نہیں کیا۔'' وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے بولی تو اس کی آخری بات سن کر بے بس اور بے خود ہوگیا اور اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''تم پر تو مجھے بار بار اور بے اختیار پیار آتا ہے میری جان! تمہاری معصوم باتیں تو خود مجھے پیار پر اکساتی ہیں۔'' وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

''جھوٹ بول رہے ہو تم۔''

''سچ عینی جان!'' احمر نے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے۔

☆☆☆

احمر کے سر اور بازو کے زخم بھر گئے تھے۔ پٹی کھل گئی تھی مگر دوائیں اور پرہیز جاری تھا۔ سب ہی اس کی خدمت اور دلجوئی میں لگے ہوئے تھے۔ عائشہ بیگم اور احمد حسن اسے دیکھ کر دکھی اور آبدیدہ ہوجاتے۔ کتنا شوخ و شریر تھا وہ گھر میں ہر وقت اودھم مچائے رکھتا تھا۔ اس کے خاموش ہونے سے جیسے گھر میں سناٹا سا چھا گیا تھا۔ گھر کے ہر فرد کو چپ سی لگ گئی تھی۔ زین اور عروشہ الگ اپنے چاچو کی یہ حالت دیکھ کر چپ چپ اور پریشان رہنے لگے تھے۔ احمر کا دوست روحیل اس سے ملنے آیا تھا۔ احمر اپنی ملازمت سے چھٹی لینا چاہتا تھا مگر کمپنی کے ایم ڈی اسے اس کے مطلب کی سیٹ دے رہے تھے صرف ٹیلی فون پر میسجز ریسیو کرنے تھے اور اپنے شعبے سے متعلق ورکرز کو سمجھانا تھا۔ اس نے سوچنے کیلئے کچھ وقت مانگا تھا۔

قرۃ العین اپنے کمرے سے باہر نکلی تو عامرہ بیگم کو اوپر آتے دیکھ کر وہیں رک گئی۔

''امی! آپ اس وقت یہاں۔'' وہ انہیں دیکھتے ہوئے بولی دن کے بارہ بج رہے تھے اس وقت وہ احمر کیلئے جوس لینے کے ارادے سے کمرے سے باہر آئی تھی۔

''گھر میں بہت خاموشی ہے کہاں ہیں سب لوگ؟'' انہوں نے اوپر آ کر کمرے کے باہر کی لاؤنج نما جگہ پر رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''چچا جان اور اظفر بھائی تو فیکٹری گئے ہیں اور پھپھو بھابھی اور بچوں کے ساتھ ان کے میکے گئے ہیں خیریت تو ہے نا امی!'' قرۃ العین نے تفصیل بتا کر پوچھا۔

''ہاں مجھے تم سے ضروری بات کرنا تھی اچھا ہوا کہ گھر پر کوئی نہیں ہے۔''

''امی! ایسی کون سی بات ہے جو آپ سب کی غیر موجودگی میں ہی کر سکتی تھیں؟''

''عینی! بہت ہوگئی احمر کی خدمت گزاری اور تیمارداری بس اب تم اس سے طلاق لے لو۔''

عامرہ بیگم نے اس سے اس کی زندگی ہی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا حکم صادر کردیا وہ روح تک سے خوف سے کانپ اٹھی۔

''امی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ میں احمر کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔'' قرۃ العین نے بے قراری سے کہا۔

''ایک اندھے شخص کے ساتھ تاریک زندگی گزار سکو گی تم۔''

''ہمارے پاس ہماری محبت کی روشنی ہے امی۔''

"یہ وقتی ابال ہے، تم جذباتی ہو رہی ہو نئی نئی شادی ہوئی ہے نا چند مہینوں تک یہ خمار چڑھا رہتا ہے۔ پھر جب زندگی کے تلخ حقائق سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں تو سارا خمار ہرن ہو جاتا ہے۔ تم بھی جلد ہی اپنے اس خمار سے باہر نکل آؤ گی اور جتنی جلدی نکل آؤ اتنا ہی اچھا ہے تمہارے لیے۔" عامرہ بیگم نے نہایت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میرے لیے کیا اچھا ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں امی! میں احمر کو نہیں چھوڑ سکتی۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔

"تم ساری زندگی اس کے اندھے پن کے ساتھ کیسے گزارو گی۔ دل سے نہیں قرۃ العین دماغ سے سوچو۔ تم ایک معذور شخص کے ساتھ معذور زندگی گزارنا چاہتی ہو۔ تھک جاؤ گی۔ ٹوٹ جاؤ گی۔ اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا سہارا دینے والا نہ ملے تم احمر سے طلاق لے لو۔ ابھی تو صرف دو ماہ ہی ہوئے ہیں تمہاری شادی کو ساری زندگی گزارنی پڑی نہ ایک اندھے کے ساتھ تو لگ پتا جائے گا تمہیں۔" وہ اسی بے رحمی سے بولیں۔

"امی! پلیز آہستہ بولیں احمر کمرے میں ہے وہ سن لے گا۔" وہ پریشان لہجے میں بولی۔

"تو سن لے میں ڈرتی ہوں اس سے اگر تم میری بات نہیں مانو گی تو میں خود احمر سے بات کروں گی۔" عامرہ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"امی! آپ احمر سے کوئی بات نہیں کریں گی یہ اس کا اور میرا معاملہ ہے آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں پلیز۔" وہ تیزی سے بولی۔

"کیسے چھوڑ دیں؟ ابھی تم صرف بیس برس کی ہوئی ہو آگے پوری زندگی پڑی ہے میں تمہیں ایک نابینا شخص کے ساتھ ساری زندگی کیلئے نہیں چھوڑ سکتی۔ احمر سے طلاق لے لو۔ میں ماجد کے ساتھ تمہاری شادی کرا دوں گی۔" وہ غصے سے بلند آواز میں بولیں۔

"ہرگز نہیں، میں احمر کے نام سے خود کو الگ نہیں کر سکتی میں مرتے دم تک احمر کی رہوں گی۔ آپ کے آوارہ بھانجے سے مجھے کبھی بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ اگر احمر کی جگہ یہ حادثہ میرے ساتھ پیش آجاتا تو کیا تب بھی آپ اسی طرح سے سوچتیں؟ کیا تب بھی آپ مجھے احمر سے طلاق لے لینے کا مشورہ دیتیں؟ نہیں امی اگر میری بینائی چلی جاتی تو آپ کو تو یہ فکر لاحق ہو جاتی کہ کہیں احمر مجھے طلاق نہ دے دے۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"جو ہوا نہیں ہے اس کا ذکر کس لیے؟"

"امی! اگر آپ ایسی متکبرانہ خود غرضانہ سوچ اور رویے کا اظہار کرتی رہیں تو ایسا ہو بھی سکتا

ہے۔ قدرت آپ کے اس رویے کی سزا آپ کی بیٹی کو دے بھی سکتی ہے۔ ایسا نہ ہو امی کہ کل کو احمر کی بینائی واپس آجائے اور آپ کی بیٹی کی آنکھیں بے نور ہو جائیں۔" وہ انہیں دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی تو انہوں نے اسے ڈپٹ کر کہا۔

"فضول باتیں مت کرو، جذبات کی عینک سے نہیں حقائق کی عینک سے دیکھو تم کب تک احمر کی بیساکھی بنی رہو گی؟"

"جب تک اس کی بینائی واپس نہیں آجاتی چاہے مجھے زندگی کی آخری سانس تک ایسا کرنا پڑے میں پیچھے نہیں ہٹوں گی اور امی یہ محض جذباتیت نہیں ہے چار دن کی محبت نہیں ہے بیس برس کا ساتھ ہے میرا اور احمر کا، میں کیسے بیس دن کے اس کٹھن وقت کے عوض اسے داؤ پر لگا سکتی ہوں۔" قرۃ العین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تم احمر کی محبت میں اتنی بے خود اور پاگل ہو چکی ہو کہ تمہیں اپنے اچھے برے کی تمیز نہیں رہی۔ بیوقوف لڑکی! زندگی میں صرف محبت کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی زندہ رہنے کیلئے اور بھی بہت کچھ چاہیے ہوتا ہے۔" وہ غصیلے اور درشت لہجے میں بولیں۔

"ہمارے پاس سب کچھ ہے امی اور دنیا میں لاکھوں افراد نابینا ہیں وہ سب بے کار تو نہیں بیٹھے ہوئے یا کسی پر بوجھ تو نہیں بنے بیٹھے۔ وہ سب بھی اپنی تعلیم اور روزگار میں مصروف ہیں ازدواجی زندگی بھی عام لوگوں کی طرح گزار رہے ہیں اور احمر تو بہت بہادر ہے بہت سٹرونگ ول پاور (قوت ارادی) کا مالک ہے وہ زیادہ دیر بیکار اور فارغ بیٹھ ہی نہیں سکتا اور وہ تو آج کل پھر سے اپنی جاب جوائن کرنے کا سوچ رہا ہے۔" قرۃ العین نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہونہہ، اندھے کو ساون میں ہرا ہرا ہی سوجھتا ہے اب کون سی جاب کے قابل رہا ہے وہ؟" تلخی سے سنگدلی سے بولیں۔

"امی! خدا کیلئے بس کیجیے کیوں خدا کے غضب کو دعوت دے رہی ہیں۔ آپ کیوں میری زندگی جہنم بنانا چاہتی ہیں۔ مجھے احمر کے ساتھ رہنے دیجیے وہی میری محبت ہے وہی میری جنت ہے مجھے اس سے دور مت کیجیے امی پلیز۔" اس نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر پرنم لہجے میں کہا وہ "ہونہہ" کہہ کر سر جھٹک کر وہاں سے چلی گئیں۔

"یا اللہ! مجھے ہمت اور حوصلہ دے میرے جذبے میں صداقت اور استقامت پیدا کر دے میرے مالک! مجھے اس آزمائش میں سرخرو کرنا مولا! میرے احمر کی بینائی واپس لوٹا دے۔" قرۃ العین نے بے اختیار اشکبار آنکھوں اور دل فگار لہجے میں دعا مانگی۔ وہ جوس لے کر کمرے میں آئی تو

احمر بیڈ سے سر ٹکائے گم صم بیٹھا تھا۔ اس نے عامرہ بیگم اور قرۃ العین کی باتیں سن لی تھیں اور اپنی معذوری اور بے بسی پر دل ہی دل میں نوحہ کناں تھا۔ قرۃ العین کی محبت اسے کوئی بھی فیصلہ کرنے سے روک رہی تھی۔ وہ اس کی محبت کے شجر سایہ دار میں بہاروں کے احساس میں کھو کر عامرہ بیگم کی باتیں بھلانے کی کوشش کر رہا تھا مگر ان کے الفاظ زہر میں بجھے تیر کی طرح اس کی سماعتوں میں آ کر لگ رہے تھے اسے بے کل کر رہے تھے۔ قرۃ العین جوس کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ احمر کو اس کی چوڑیوں کی کھنک سے اس کی موجودگی کا احساس ہوا۔

''قرۃ العین! تم کب آئیں؟''

''ابھی چند منٹ پہلے۔'' اس نے جواب دیا۔

''تو خاموش کیوں ہو کوئی بات کرو نا۔''

''کیا بات کروں؟''

''کیا کہنے کو کچھ نہیں ہے تمہارے پاس؟''

''کیا کہوں؟''

''لگتا ہے اب تمہارا دل بھی مجھ سے بات کرنے کو نہیں چاہتا۔'' وہ بہت حساس ہو رہا تھا اس وقت ان ماں بیٹی کی باتیں جو سن چکا تھا اور قرۃ العین تو خود اپنی ماں کی باتوں کی آگ میں جل رہی تھی پریشان اور آزردہ تھی جبھی چپ چاپ آ کر بیٹھ گئی تھی مگر اس بات پر وہ تڑپ کر اٹھی تھی۔

''تم نے ایسا سوچا بھی کیسے، میرا دل کیا چاہتا ہے یہ تم سے زیادہ کون جانتا ہے احمر؟'' وہ اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''پہلے کی بات اور تھی قرۃ العین......''

''اب کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر پوچھ رہی تھی۔

''اب میں دیکھ نہیں سکتا۔''

''احمر! تم تو مجھے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک، آنکھوں کی روشنی کہا کرتے تھے کیا وہ محض لفاظی تھی۔ باتیں تھیں، دعوے تھے احمر! کیا تم ایسا نہیں سمجھتے تھے احمر؟'' وہ اس کے چہرے پر پھیلے کرب کو دکھ سے دیکھتے ہوئے جرح کر رہی تھی۔

''میں ایسا ہی سمجھا تھا عینی لیکن میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے لوگوں کو تو یہ بات سمجھ نہیں آ سکتی نا۔'' اس نے دکھی لہجے میں جواب دیا۔

''لوگ جائیں جہنم میں یہ ہماری زندگی ہے وہ کون ہوتے ہیں ہمارے معاملے میں

بولنے والے۔''

''عینی! ان لوگوں سے ہمارے کچھ رشتے بھی جڑے ہوئے ہیں ہم ان کی باتوں کو چاہتے ہوئے بھی نظر انداز نہیں کر سکتے میری جان!'' وہ دکھ سے بولا۔

''احمر! تم اس قدر مایوس کیوں ہو رہے ہو؟ میں ہوں ناں تمہاری آنکھیں، تمہاری روشنی میں اپنی آنکھوں سے تمہیں دیکھنا سکھاؤں گی۔ میں تمہاری آنکھیں بن جاؤں گی۔'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے بولی۔

''اور میں تماشا بن جاؤں گا قرۃ العین! لوگوں کی زمانے کی نظروں میں میرے لیے رحم، ترس، افسوس اور ہمدردی ہوگی یہ سب مجھ سے نہیں سہا جائے گا۔'' وہ دلگیر لہجے میں بولا۔

''تمہیں صرف لوگوں کی پرواہ ہے احمر! میری پرواہ نہیں ہے تمہیں۔ تم لوگوں کی نظروں کا کیوں سوچتے ہو میری نظروں کا سوچو جن میں تمہارے لیے پیار، محبت، چاہت، خلوص اور وفا موجزن ہے اور تم انہیں آنکھوں کو آنسوؤں کی سوغات دینے پر تلے ہو۔ کتنے سنگدل ہوتے جا رہے ہو تم۔'' وہ پرنم آواز میں بولی۔

''آئی ایم سوری جان! دل سے کب کہتا ہوں میں یہ سب باتیں میں تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتا مگر۔''

''چھوڑو اگر مگر کو اور یہ جوس پیئو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی اور جوس کا گلاس اٹھا کر ہاتھ میں پکڑا دیا۔

''تم اپنی امی کی بات مان کیوں نہیں لیتیں؟'' وہ جوس ختم کر کے گلاس اسے دیتے ہوئے بولا تو اس نے چونک کر پوچھا۔

''کون سی بات؟''

''مجھ سے علیحدگی کی بات۔''

''احمر! تم سے علیحدگی، زندگی سے علیحدگی ہے۔ تم سے کٹ کر تو میں زندگی سے بھی کٹ جاؤں گی۔''

''تم جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو قرۃ العین! اگر حقیقت پسندی سے کام لو، اپنے حالات کا جائزہ لو تو تمہیں ممانی کی باتیں درست محسوس ہوں گی۔''

''احمر! ہم نے محبت کیا کسی تصور و خیال یا خواب و تخیل میں کی ہے؟''

''نہیں حقیقت میں کی ہے۔''

''تو پھر تم کیوں مجھے جذباتی ہونے کا دوش دے رہے ہو محبت تو خود ایک جذبہ ہے تم مجھے میری محبت سے دستبردار ہونے کی ترغیب کیوں دے رہے ہو؟'' اس نے بے قراری سے کہا۔

''عینی! تم حقیقت سے منہ نہیں موڑ سکتیں۔''

''ہاں میری محبت تم سے ایک اٹل حقیقت ہے اور میں اس حقیقت سے کبھی منہ نہیں موڑ سکتی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''پھر میں تم سے منہ موڑ لوں گا۔'' وہ دل پر پتھر رکھ کر بولا۔

''کر سکو گے ایسا، اتنا حوصلہ ہے تم میں احمر؟'' اس نے تڑپ کر پوچھا۔

''حوصلہ ہی تو نہیں ہے ورنہ میں کب کا یہ قدم اٹھا چکا ہوتا اور تمہاری امی کو تم سے وہ سب کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''تم نے امی کی باتیں سن لیں ناں۔'' وہ اس کی تکلیف اور دکھ محسوس کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں۔''

''تو پھر تم نے میری باتیں بھی ضرور سنی ہوں گی۔''

''ہاں اور اسی لیے میں خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا ہوں تم نے ٹھیک کہا تھا سارا قصور ہی میرا ہے نہ میں تمہیں اتنی محبت دیتا نہ اب تمہیں چھوڑنے کے خیال سے تمہاری جان پر بن آتی۔''

''صرف میری جان پر احمر!'' اس نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں بھر کر کہا۔

''اتنی محبت مت دو مجھے میں تمہاری محبت کے تمہارے پیار کے قابل نہیں رہا عینی!'' وہ بھیگتی آواز میں بولا۔

''کیوں نہیں رہے تم میری محبت کے میرے پیار کے قابل بولو۔''

''یہ تم پوچھ رہی ہو میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا عینی اور اس سے بڑا ستم اور کیا ہوگا؟''

''اس سے بڑا ستم وہ ہوگا احمر حسن جو تم مجھ پر توڑو گے اپنی بے رخی سے، اپنی جدائی کے دکھ سے۔''

''قرۃ العین!'' وہ مچل کر بولا۔

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم سے طلاق لے کر کسی دوسرے مرد کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لوں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میں مر جاؤں گی آخری سانس تک تمہاری ہی رہوں گی، کسی دوسرے مرد کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی خود پر۔'' قرۃ العین نے نہایت سنجیدہ اور پراعتماد اٹل لہجے میں کہا۔

''تم مجھے خوفزدہ کر رہی ہو۔''

''نہیں میں تو صرف تمہیں آگاہ کر رہی ہوں کہ کچھ بھی کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میری زندگی دو صورتوں میں تم سے جڑی ہے۔ احمر تم کیوں میری سانسوں کا سفر دشوار کرنا چاہتے ہو؟ جس زندگی میں زندگی کا احساس باقی نہ رہے وہ موت سے بھی بدتر ہوتی ہے تم مجھے ایسی زندگی دے کر جانا چاہتے ہو۔ یاد رکھنا احمر حسن اگر تم نے مجھے طلاق دی تو میں اسی لمحے اس گھر اسی کمرے میں اسی جگہ اپنی جان دے دوں گی۔ میں اب مر کر ہی اس گھر سے جاؤں گی۔ یاد رکھنا احمر اگر تم نے ایسا کچھ کیا نا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

قرۃ العین نے خطرناک لہجے میں کہا۔

''عینی!'' احمر کی تو روح کانپ کر رہ گئی۔ اسے قرۃ العین سے ایسی شدت پسندی کی اور گہری محبت کے اظہار کی ہرگز توقع نہ تھی۔

☆☆☆

''عامرہ بیگم میری بات مانو عینی کو میکے بلوالو ارے کب تک اس کی خدمت گزاری میں لگی رہے گی۔ وہ نہیں ہوگی ناپاس تو احمر کے دل میں خود بخود اس کیلئے نفرت پیدا ہو جائے گی وہ یہ سوچے گا کہ مشکل پڑی، بُرا وقت آیا تو عینی مجھے چھوڑ کر چلی گئی مجھ سے بے وفائی کر گئی اور وہ خود ہی عینی کو طلاق دے دے گا۔'' شاکرہ بیگم جو ''انور لاج'' کے ڈرائنگ روم میں موجود تھیں عامرہ بیگم کو پٹی پڑھا رہی تھیں۔

''بات تو تمہاری درست ہے مگر یہ ہوگا کیسے ساتھ ساتھ تو گھر جڑے ہوئے ہیں یوں تو روز کا ہی آنا جانا ہے لیکن گھر کی دیوار ایک ہونے کی وجہ سے عینی یہاں آ کر بھی وہاں جانے سے باز نہیں آئے گی۔'' عامرہ بیگم نے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے پھر تو کوئی ترکیب لڑانی پڑے گی۔'' شاکرہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں ایسا کرو کہ تم بیمار پڑ جاؤ اور عینی کو ہر وقت اپنے پاس دیکھنے کی خواہش کا اظہار کرتی رہو وہ آئے تو اسے پاس سے اٹھنے ہی نہ دینا۔ اسی دوران ہم احمر کو عینی سے بدظن کر دیں گے اور وہ خود ہی اسے چھوڑ دے گا۔'' شاکرہ بیگم کے سازشی دماغ نے انہیں راہ دکھائی۔

''مگر میں بیمار کیسے پڑوں گی میں تو بھلی چنگی ہوں۔'' عامرہ بیگم نے کہا۔

''ارے بھئی تم بھی بہت بھولی ہو کیا ڈرامے نہیں دیکھتیں تم، اس میں جھوٹ موٹ ہی بیمار ہوا جاتا ہے مگر لگتا ہے جیسے سچ مچ بیمار ہو بس تمہیں بھی بیمار ہونے کی اداکاری کرنی ہوگی۔''

شاکرہ بیگم نے کہا۔

"ہوں، بات تو تمہاری درست ہے انور ایک ہفتے کیلئے اسلام آباد جائیں گے تب میں یہ ڈرامہ شروع کروں گی۔" عامرہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسی وقت قرۃ العین تالی بجاتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی وہ دونوں بری طرح شپٹا گئیں۔

"خوب بہت خوب مبارک ہو امی آپ تو اداکارہ بننے چلی ہیں، لیکن افسوس آپ کا یہ ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے ہی پٹ گیا۔" قرۃ العین نے عامرہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے عینی؟" عامرہ بیگم نے اپنی جھینپ مٹانے کو غصے سے کہا۔

"یہ کوئی بدتمیزی نہیں ہے امی جان! آپ خالہ بیگم کی باتوں میں آکر اپنی بیٹی کا گھر اجاڑنا چاہتی ہیں بڑے افسوس کی بات ہے۔"

"میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم احمر سے طلاق لے لو۔" عامرہ بیگم نے کہا۔

"پھر تو اور بھی زیادہ افسوسناک بات ہے میں ابو کو بتا دوں گی کہ آپ دونوں میرے خلاف کیا سازش کر رہی تھیں؟"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔" عامرہ بیگم نے پریشانی سے چیخ کر کہا۔

"میں ضرور کروں گی وہ سب کچھ کروں گی جس سے میرے گھر پر آنچ نہ آسکے۔" قرۃ العین نے کہا۔

"پاگل ہوگئی ہو تمہیں ایک سے بڑھ کر ایک اچھا رشتہ مل سکتا ہے پھر کیا ضرورت ہے اس اندھے کے ساتھ چمٹے رہنے کی احمر سے طلاق لے لو ورنہ......"

"میں احمر سے طلاق نہیں لوں گی اور اندھا احمر نہیں ہے اندھے آپ لوگ ہیں۔" قرۃ العین نے تیز لہجے میں کہا۔

"عینی بدتمیز۔" عامرہ بیگم نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔ اس کے ساتھ آیا زین جو دروازے میں کھڑا تھا یہ منظر دیکھ کر خوف اور پریشانی میں وہاں سے بھاگ لیا۔

"تم احمر کی خاطر ہمیں برا کہہ رہی ہو۔ ابھی بھی وقت ہے قرۃ العین احمر سے طلاق لے لو ورنہ ساری زندگی اندھیروں میں بھٹکتی رہو گی۔" عامرہ بیگم نے غصے سے کہا۔

"اندھیرے یا اجالے اب تو احمر ہی میرا نصیب ہے۔ آپ مجھے اس سے طلاق دلوا کر اس خاندان کا شیرازہ بکھیرنا چاہتی ہیں۔ رشتوں میں دراڑیں چاہتی ہیں۔ بھائی بہن کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہتی ہیں۔ دنیا بھر میں تماشا لگوانا چاہتی ہیں اپنی بے حسی اور خودغرضی کا جو بھی سنے گا تھوتھو کرے گا کہ داماد نابینا ہوگیا تو عامرہ بیگم نے اپنی بیٹی کو طلاق دلوا لی کتنی سنگدلی اور

خودغرضی کا مظاہرہ کیا۔ کوئی آپ کو اور آپ کی بیٹی کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا امی۔"

"کیوں نہیں دیکھے گا ہم تمہیں عزت سے بیاہ کر لے جائیں گے۔" شاکرہ بیگم نے بھی زبان کھولی۔

"آپ تو خاموش ہی رہیں سازشی اور خودغرض خالہ بیگم آپ میری ماں کو بھی بھڑکا رہی ہیں لیکن یاد رکھیے آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا نہ میں نہ میری جائیداد کسی اور کو بیوقوف بنائیے خالہ بیگم میں آپ کے جال میں پھنسنے والی مچھلی نہیں ہوں گی۔" قرۃ العین نے انہیں تنفر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سن رہی ہو عامرہ احمر کی محبت نے اسے کتنا گستاخ اور منہ پھٹ بنا دیا ہے۔ اسے بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں رہی۔ اچھی عزت افزائی ہو رہی ہے تمہارے گھر میں میری، میں پھر بھی اسے اپنی بہو بنانے کو تیار ہوں کہ اپنا خون ہے مجھے جائیداد کا لالچ کیوں ہونے لگا۔ جتنا ہے ہمارے پاس ہمارے لیے بہت ہے زیادہ کی ہوس اور طمع نہیں ہے ہمیں۔" شاکرہ بیگم نے اپنی نیت پر شبہ ہونے اور چوری پکڑے جانے پر اپنی نیک نیتی ظاہر کرنے کیلئے خوب لفاظی سے کام لیا۔ قرۃ العین طنز سے ہنس دی۔

"چاچو، چاچو!" سات سالہ زین بھاگتا ہوا احمر کے کمرے میں آیا۔

"کیا ہوا بھتیجے تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" احمر نے ریموٹ سے ڈیک کی آواز کم کرتے ہوئے پوچھا تو اس نے ہانپتی ہوئی آواز میں اسے بتایا۔

"چاچو! انہوں نے نا عینی آنٹی کو تھپڑ مارا ہے اتنی زور سے۔"

"کیا...... کس نے مارا ہے عینی کو؟" احمر نے حیران پریشان لہجے میں پوچھا۔

"ان کی امی نے مارا ہے۔"

"مگر کیوں؟ انہوں نے آج تک عینی پر ہاتھ نہیں اٹھایا پھر اب کیوں مارا ہے اسے زین بیٹا! مجھے صحیح بتاؤ کیا بات ہوئی تھی عینی اور اس کی امی کے درمیان؟" احمر نے زین کو ہاتھ بڑھا کر پکڑ کر پوچھا۔

"وہ چھوٹی نانو عینی آنٹی سے کہہ رہی تھیں کہ احمر اندھا ہے اس سے طلاق لے لو۔ عینی آنٹی نے کہا کہ احمر اندھا نہیں ہے آپ لوگ اندھے ہیں۔ پھر چھوٹی نانو نے ان کو تھپڑ مار دیا وہ کہنے لگیں میں احمر سے طلاق نہیں لوں گی اور پتا ہے چاچو وہاں شاکرہ آنٹی بھی تھیں وہ چھوٹی نانو (عامرہ بیگم) کو کہہ رہی تھیں کہ تم عینی کو اپنے پاس بیماری کے بہانے بلا لو ہم احمر کو عینی سے بدظن کر دیں گے

وہ خود ہی عینی کو چھوڑ دے گا۔ میں نے اور عینی آنٹی نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔'' زین نے اسے ساری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

''اومیرے خدایا! یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے عینی بے چاری کب تک اور کس کس سے میری خاطر لڑتی رہے گی آج اسے میری وجہ سے تھپڑ بھی کھانا پڑ گیا۔ میرے اللہ مجھے سیدھا راستہ دکھا میں کیا کروں میری رہنمائی فرما۔'' احمر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر پکڑ کر صوفے پر ڈھے گیا۔

''چاچو! طلاق کیا ہوتی ہے؟'' زین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''بیٹا! طلاق احمر اور عینی جیسے لوگوں کی موت ہوتی ہے۔''

''نہیں چاچو نہیں آپ نے اور عینی آنٹی نے نہیں مرنا۔ آپ نے زندہ رہنا ہے آپ ٹھیک ہو جائیں گے نا چاچو تو ہم مل کر کرکٹ کھیلیں گے۔ آئس کریم کھانے جائیں گے ٹھیک ہے نا چاچو!'' زین نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر معصومیت سے محبت سے کہا تو وہ اس کے ہاتھوں کو تھام کر چوم کر بولا۔

''ٹھیک ہے چاچو کی جان! آپ دعا کرو کہ آپ کے چاچو کی بینائی واپس آجائے۔''

''آجائے گی چاچو میں روز اللہ میاں سے دعا مانگتا ہوں۔''

''جیتے رہو بیٹا! زین بیٹا! آپ عینی آنٹی کو تھپڑ مارنے والی بات کسی کو نہیں بتاؤ گے اپنے مما پاپا کو بھی نہیں دادا دادی کو دوستوں کو کسی کو بھی نہیں بتاؤ گے۔''

''نہیں بتاؤں گا چاچو!'' اس نے فرمانبرداری سے کہا۔

''پرامس۔'' احمر نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا۔

''پکا پرامس چاچو!'' زین نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''تھینک یو زین بیٹا! ایک کام کرو۔''

''جی چاچو!''

''بیٹا! کارڈلیس اٹھا کر میرے پاس لاؤ اور ایک نمبر بتاتا ہوں مجھے وہ نمبر ملا دو۔''

''ٹھیک ہے چاچو!'' وہ فوراً سینٹر ٹیبل پر رکھا کارڈلیس اٹھا لایا۔ احمر نے اسے ایک فون نمبر بتایا اس نے ملایا۔ کارڈلیس اسے دے کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

قرۃ العین کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ احمر کو ساتھ لے کر یہاں سے کہیں دور چلی جائے جہاں کوئی بھی احمر کو اس سے جدا نہ کر سکے۔ ان کی زندگی میں زہر نہ گھول سکے۔ مگر کہاں اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کی بھوک، پیاس، نیند آرام سب اڑ گیا تھا۔ پریشانی نے اسے بے حال کر دیا تھا۔

عامرہ بیگم کی باتیں اسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہی تھیں اور ادھر احمر بھی ان کی باتیں سننے کے بعد سے اسے علیحدگی کا مشورہ دے رہا تھا وہ ٹوٹ کر رہ گئی تھی اسے ہر پل یہ خوف رہنے لگا تھا کہ کہیں احمر اسے چھوڑ کر نہ چلا جائے۔ وہ احمر کی فکر میں ہلکان ہو کر اپنی صحت سے غافل ہو رہی تھی گھر آکر اس نے جوس پیا اور کمرے میں آکر خاموشی سے بستر پر لیٹ گئی۔ احمر کو اس کے آنے کا احساس ہو گیا تھا وہ اس کے درد کو محسوس کر سکتا تھا مگر دور کرنے کا اختیار اسے حاصل نہیں تھا۔ وہ نابینا ہو گیا تھا تو اس میں اس کا کیا قصور تھا یا قرۃ العین کا کیا دوش تھا جو عامرہ بیگم نے اس پر ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کیا۔

''عینی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' احمر نے بالآخر خاموشی توڑ ہی دی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن شاید قسمت خراب ہے۔'' وہ لیٹے لیٹے تھکی تھکی آواز میں بولی۔

اسے عامرہ بیگم کے تھپڑ کا اتنا دکھ نہیں تھا جتنا ان کی باتوں نے اسے دکھی اور آزردہ کیا تھا وہ ماں ہو کر اس کے جذبات اور احساسات کو نہیں سمجھ رہی تھیں۔ اس کا گھر اجاڑنے پر تلی تھیں۔

''میری وجہ سے نا۔'' احمر نے دکھ سے کہا، جانتا تھا وہ کچھ نہیں بتائے گی۔

''نہیں اپنوں کی بے حسی کی وجہ سے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟''

''کسی نے نہیں امی نے بہت کچھ کہا ہے۔ میں ابو کو فون کرنے جا رہی ہوں۔'' وہ تیزی سے کہتی ہوئی بستر سے اتر گئی۔

''کیا کہا ہے امی نے؟'' احمر نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، میں ابھی آتی ہوں اف احمر!'' وہ جواب دے کر جانے لگی تو بری طرح چکرا کر منہ کے بل بیڈ پر جا گری۔

''عینی! کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو۔'' احمر پریشان ہو کر اسے ہاتھ بڑھا کر ٹٹولتا ہوا بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

''احمر، احمر!'' وہ اپنی حالت پر خود بھی پریشان ہو گئی تھی اسے بے ساختہ پکار رہی تھی۔

''عینی کیا ہو گیا ہے۔'' احمر اس تک پہنچ گیا تھا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''پتا نہیں مجھے بہت زور کا چکر آ گیا تھا۔''

''ایسا تو ہونا ہی تھا مہینے بھر سے میری خدمت اور تیمارداری میں مصروف ہو۔ ممانی اور دوسرے رشتے داروں کی باتوں کی وجہ سے پریشان رہتی ہو اس مستقل ٹینشن میں تم اپنی صحت سے

غافل ہوگئی ہو۔ پتا نہیں ڈھنگ سے کھانا بھی کھاتی ہو کہ نہیں۔ میں تو اتنا مجبور ہوں کہ تمہارا خیال بھی نہیں رکھ سکتا۔ کیا کچھ سوچا تھا میں نے کہ تم پر میں دکھوں کی ہلکی سی بھی دھوپ نہیں پڑنے دوں گا مگر ہوا کیا میں نے تم کو جلتے سورج تلے لا کھڑا کیا ہے۔'' وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے دکھ اور بے بسی سے بولا تو اس نے اپنا سر اس کی گود میں رکھ دیا۔

''تم ایسا کیوں سوچتے ہو احمر! تم تو میرے لیے ٹھنڈی چھاؤں ہو جو مجھے سکون دیتی ہے۔''

قرۃ العین نے تڑپ کر کہا۔

''لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نے تمہیں بے سکون کر دیا ہے۔'' وہ کرب آمیز لہجے میں بولا۔

''احمر! مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''سو جاؤ میری جان! تمہاری نیند آرام سب برباد کر کے رکھ دیا ہے میں نے۔'' وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے اس کا ہاتھ چوم کر بولا۔

''پھر وہی بات۔''

''اچھا دوسری بات کر لیتا ہوں اور وہ یہ کہ کل تم ہر صورت میں ڈاکٹر کے پاس جاؤ گی اپنا چیک اپ کراؤ گی اور اس کی ہدایات پر سختی سے عمل کرو گی۔''

''دیکھوں گی۔'' اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا اور آنکھیں موند لیں۔

''میں امی سے کہوں گا وہ تمہیں خود ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گی تم بہت لاپرواہ ہوگئی ہو اپنی طرف سے۔'' وہ نرمی سے بولا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا ذرا سی دیر میں نیند نے اس پر پوری طرح غلبہ پالیا تھا۔ احمر نے اسے احتیاط سے لیٹا کر خود بھی آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں مگر دماغ جاگ رہا تھا ذہن بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ اپنے حالات کے اپنے مسائل کا ہر پہلو سے جائزہ لے رہا تھا لیکن جو فیصلہ وہ کرنا چاہ رہا تھا اس کیلئے دل کو قائل کرنا اور سمجھانا ناممکن تھا۔ عائشہ بیگم اسے دوپہر کے کھانے کیلئے نیچے لے آئیں۔ قرۃ العین کو انہوں نے اس کے منع کرنے کے باعث نہیں جگایا تھا وہ کھانا کھا کر فارغ ہوا تو زین اور عروشہ اس کے دائیں بائیں آ بیٹھے۔

''چاچو! لڈو کھیلیں۔'' عروشہ نے کہا تو احمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایک شرط پر میری گوٹ صحیح صحیح چلاؤ گے تم یوں بے ایمانی نہیں چلے گی۔''

''ٹھیک ہے چاچو! لیکن آپ بھی چھکے چوکے کم ماریں گے۔'' زین نے کہا۔

''ہارنے سے ڈرتے ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''آپ کے ہارنے سے ڈرتے ہیں چاچو!'' زین نے لڈو ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''یار! میں تو کب کا ہار چکا ہوں۔'' احمر نے ذو معنی بات کہی جو ان دونوں کی سمجھ میں تو نہ آئی لیکن وہاں موجود نغمہ بھابھی اور عائشہ بیگم اس کی بات سن کر دکھی ہوگئیں۔

''احمر! میرے بھائی تم کیوں ہارنے لگے بھلا، تمہارے ساتھ ہم سب ہیں ہماری محبتیں اور دعائیں ہیں۔ اتنی ساری محبتوں کے ہوتے ہوئے تم کیوں ہمت ہارتے ہو اور تمہاری محبت تمہاری عینی بھی تو تمہارے پاس ہے۔'' نغمہ بھابھی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا تو وہ دکھ سے بولا۔

''لیکن اس کی امی اسے میرے پاس نہیں رہنے دینا چاہتیں۔''

''کیوں؟'' وہ دونوں حیران ہو کر ایک ساتھ بولیں۔

''کیونکہ میں اندھا ہو گیا ہوں اور اندھا آدمی بھلا کس کام کا۔''

''احمر میرے بچے۔'' عائشہ بیگم نے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے سر اور ماتھے پر بوسہ دیا۔

''اللہ نے چاہا تو تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں گی بیٹا!''

''اور اگر اللہ نے نہ چاہا امی تو۔''

''نہیں میرے چاند! اللہ اپنے بندوں کی دعائیں کبھی رد نہیں کرتا یہ تو آزمائش کی گھڑی ہے انشاء اللہ ٹل جائے گی تم دوسروں کی باتوں کو دل سے نہ لگاؤ تم اب بالکل تندرست ہو تمہارے باس نے تمہیں جاب پر واپس آنے کی تاکید کی ہے نا بس تم جاب پر جانے کیلئے خود کو تیار کر لو وہاں تمہارا دوست روحیل بھی ہوگا اور طارق بھی، ان کے علاوہ سب لوگ تمہارے ساتھ تعاون کریں گے۔ تم انشاء اللہ وہاں پھر سے ایڈجسٹ کر جاؤ گے۔'' عائشہ بیگم نے اسے پیار سے نرمی سے سمجھایا۔

''امی! روحیل سے بات ہوئی تھی میری کمپنی روحیل کو امریکہ بھجوا رہی ہے وہ چند روز میں چلا جائے گا اور طارق کو کمپنی نے کراچی والی برانچ میں بھیج دیا ہے وہ بھی آج رات چلا جائے گا۔'' اس نے بتایا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا، تمہارے آفس کے سب لوگ تمہارے دیکھے بھالے ہیں سب

تمہاری عزت کرتے ہیں انشاءاللہ وہ سب تمہارا ساتھ دیں گے۔'' عائشہ بیگم نے پیار سے کہا۔

''لوگ کب تک اس کا ساتھ دیں گے کوئی کب تک کسی کی بیساکھی بن کر چل سکتا ہے؟''

عامرہ بیگم کی آواز پر سب نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا۔

''بھابھی! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ خدانخواستہ میرا احمر معذور نہیں ہے۔'' عائشہ بیگم نے انہیں دیکھتے ہوئے تڑپ کر کہا تو وہ تلخی سے بولیں۔

''تم اندھے پن کو معذوری نہیں سمجھتیں تو کیا یہ کوئی اعزاز ہے؟''

''خدا کیلئے بھابھی! اتنی سفاکی کا مظاہرہ نہ کریں احمر میرا بیٹا ہے تو آپ کا داماد بھی ہے آپ کی بیٹی کا حال اور مستقبل اس سے وابستہ ہے۔''

''میری بیٹی کا مستقبل تمہارے اندھے بیٹے سے وابستہ نہیں رہ سکتا۔ احمر سے کہو کہ عینی کو بیٹا طلاق دے دے۔'' عامرہ بیگم نے سفاکی سے کہا احمر کا سانس رک گیا تھا۔ نغمہ بھابھی اور عائشہ نے حیرت اور دکھ سے انہیں دیکھا۔

''کوئی ماں اپنے بیٹے سے یہ نہیں کہتی کہ وہ مرجائے۔ عینی تو احمر کی زندگی ہے۔ آپ احمر سے اس کی زندگی چھین لینا چاہتی ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے بھابھی آپ نے تو اپنی معصوم بیٹی کی خوشی کو بھلا دیا ہے۔ عینی، احمر سے بے پناہ محبت کرتی ہے وہ احمر کو کبھی نہیں چھوڑے گی۔'' عائشہ بیگم نے دکھ سے کہا۔

''اسی لیے تو میں احمر سے کہہ رہی ہوں کہ یہ خود عینی کو چھوڑ دے۔ عینی ابھی بچی ہے جذباتی ہے میں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر اس کی ایک ہی رٹ ہے کہ احمر کے بغیر نہیں جی سکتی اسے مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گی، لیکن میں اس کی بچگانہ ضد کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال سکتی۔ آخر کو اس کے مستقبل کا سوال ہے وہ ساری زندگی خوشیوں کو ترستی رہے گی، احمر اس کی بھی کوئی زندگی ہے وہ اتنی کم عمری میں اتنا بڑا امتحان کیوں قبول کرے؟''

''کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔'' احمر نے کانپتی آواز میں جواب دیا۔

''اور تم کیا تم بھی اس سے محبت کرتے ہو؟'' عامرہ بیگم نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

''یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں ہے ممانی۔''

''اگر تم عینی سے محبت کرتے ہو تو اسے اس کی بہتری کیلئے چھوڑ دو۔''

''اس کی بہتری میرے ساتھ رہنے میں ہے نہ کہ میرے اسے چھوڑ دینے میں اور میں تو سمجھا تھا کہ آپ اپنے رویے پر پشیمان ہو کر عینی کو منانے آئی ہیں مگر آپ تو اسے مزید زخم لگانے آئی

ہیں ایک تھپڑ کافی نہیں تھا کیا؟'' احمر نے تاسف بھرے لہجے میں کہا اس نے بھی تھپڑ کا ذکر دانستہ کیا تھا کہ جب بات سب کے سامنے کھل ہی گئی تھی تو پھر یہ حقیقت چھپانے سے کیا فائدہ؟

''او، تو عینی نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔'' عامرہ بیگم نے طنز سے کہا۔

''عینی نے تو مجھے کچھ بھی نہیں بتایا لیکن مجھے کسی اور نے یہ سب کچھ بتا دیا ہے۔ آپ نے اپنی سازش بے نقاب ہو جانے پر اسے تھپڑ مار کر اچھا نہیں کیا۔'' وہ دکھ سے بولا عائشہ بیگم اور نغمہ بھابھی حیرت سے یہ بات سن رہی تھیں۔ زین اور عروشہ لڈو لیے حیران، پریشان سے انہیں دیکھ اور سن رہے تھے۔

''وہ میری بیٹی ہے وہ اگر کنویں میں چھلانگ لگانے کی ضد کرے گی تو میں اسے ایسا کرنے سے روکنے کیلئے کچھ بھی کرنے کا حق رکھتی ہوں۔'' عامرہ بیگم نے سنگدلی سے کہا تو احمر نے بھی پر استحقاق اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''لیکن عینی میری بیوی بھی ہے اور میں اس بیوی پر ہاتھ اٹھانے کا حق اور اجازت کسی کو نہیں دے سکتا۔ آئندہ آپ اس پر تشدد کرنے سے گریز ہی کیجیے گا۔''

''بھابھی! کیا ہو گیا ہے آپ کو آپ نے عینی کو تھپڑ مارا ہے کیا قصور ہے اس معصوم کا یہی کہ وہ اپنا گھر بسائے رکھنے چاہتی ہے اپنے شوہر کو اس کڑے وقت میں چھوڑنا نہیں چاہتی۔ اتنی پیاری، سمجھدار اور محبت میں گندھی بیٹی خدا نے آپ کو دی آپ کو تو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اپنی بیٹی کی ہمت بڑھانی چاہیے۔ آپ اسے تشدد کر کے اپنے فیصلے کے آگے سر جھکانے پر مجبور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں بہت دکھ کی بات ہے بھابھی۔'' عائشہ بیگم نے انہیں تاسف سے دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے کہا۔

''جو بھی ہے میں عینی کو برباد نہیں ہونے دوں گی۔''

''تو پھر آپ اپنی یہ خواہش بھول جائیں کیونکہ عینی صرف احمر کے ساتھ ہی آباد ہو سکتی ہے۔ اس سے الگ ہو کر تو وہ برباد ہو جائے گی۔'' نغمہ بھابھی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''کچھ نہیں ہوگا اسے چند دنوں میں عشق کا بھوت اتر جائے گا اور وہ اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگی۔'' عامرہ بیگم نے بے نیازی سے کہا۔

''یہ محض آپ کا خیال ہے، حقیقت اس کے برعکس ہے ممانی!'' احمر نے یقین سے کہا۔

''عینی کہاں ہے؟'' عامرہ بیگم نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ جب سے آپ سے مل کر آئی ہے اپنے کمرے میں بند ہے سو رہی ہے۔ مجھے تو اب

پتہ چلا ہے وہ کس دکھ کو چھپانے کیلئے نیند کی آڑ لے رہی ہے۔ بھابھی اپنی بیٹی کے حال پر رحم کریں۔ بچپن کی محبت ہے ان دونوں کی آپ کی بے جا ضد سے ہمارے دونوں بچے تباہ ہو جائیں گے۔'' عائشہ بیگم نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں تو پہلے ہی اس شادی کے حق میں نہیں تھی وہ تو عینی کی احمر کیلئے انور کے سامنے ''ہاں'' نے مجھے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ عینی میرے بھانجے ماجد کی دلہن بنتی۔ بہر حال ماجد کی دلہن تو اب بھی عینی ہی بنے گی۔ احمر تم عینی کو چھوڑ رہے ہو یا۔'' عامرہ بیگم نے تلخی سے کہتے ہوئے اسے دیکھا۔

''مجھے سوچنے کیلئے کچھ وقت دیجیے۔'' احمر نے دل کو قابو کرتے ہوئے کہا تو عائشہ بیگم اور نغمہ بھابھی نے حیرت سے احمر کو دیکھا جبکہ عامرہ بیگم کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ عود آئی تھی۔

''ٹھیک ہے میں تمہیں ایک ہفتہ دے رہی ہوں سوچ لو اور فیصلہ کر دو۔'' عامرہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔

''چاچو! آئیں لڈو کھیلیں۔'' عروشہ نے عامرہ بیگم کو جاتے دیکھ کر اس سے کہا۔

''ضرور کھیلو بیٹا اب تمہارے چاچو تمہارے ساتھ لڈو کھیلنے کے لائق ہی رہ گئے ہیں۔'' عامرہ بیگم نے مڑ کر انہیں دیکھتے ہوئے طنزیہ جملہ کہا اور احمر کے دل میں نشتر پیوست کر کے وہاں سے چلی گئیں۔

''امی! یہاں کیوں آئی تھیں؟'' قرۃ العین نیند سے جاگی تو احمر کو کمرے میں نہ پا کر سیدھی نیچے چلی آئی۔ عامرہ بیگم کا آخری جملہ اس کے کانوں میں پڑا تھا اس نے انہیں دروازے سے باہر نکلتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا جبھی ان سب کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں بیٹا! تمہارا پوچھ رہی تھیں ہم نے کہہ دیا سو رہی ہے وہ تو چلی گئیں۔'' عائشہ بیگم نے اسے مزید پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا اور جھوٹ بول دیا۔

''نہیں کوئی اور بات ہے آپ کو میری قسم بتائیں بھابھی آپ بتایئے کیا کہا تھا۔ انہوں نے احمر سے آپ سب سے؟'' قرۃ العین نے نغمہ بھابھی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

''وہی کہا ہے جو تم سے کہا تھا؟'' نغمہ بھابھی نے اسے ساری بات بتا دی۔

''احمر! تم امی کے کہنے میں مت آنا پلیز، میں تمہیں دل سے چاہتی ہوں احمر مجھے طلاق مت دینا ورنہ میں خود کو شوٹ کر لوں گی۔'' اس نے ساری بات سننے کے بعد احمر کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ بے چین ہو کر تڑپ کر رہ گیا۔ اس کی یہی بات تو اسے خود سے الگ کرنے

سے روکے ہوئے تھی ورنہ وہ اپنی معذوری کے باعث اسے آزاد کر چکا ہوتا۔ وہ اس کی زندگی کے بدلے کوئی ایسا سودا نہیں کر سکتا تھا جو سراسر نقصان کا سبب ہوتا۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گی میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا عینی۔'' احمر نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو احمر تم نے ممانی سے سوچنے کا وقت کس لیے مانگا ہے؟'' نغمہ بھابھی نے پوچھا۔

''کیا احمر تم نے امی سے مجھے چھوڑنے کیلئے سوچنے کا وقت مانگا ہے اور مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ جھوٹے، بے ایمان کیوں کہا تم نے ان سے ایسا، تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟'' قرۃ العین نے صدمے سے حیرت سے چیخ کر کہا اور اس کے سینے اور بازو پر دو مکے رسید کر دیے۔ احمر اس کی محبت پر، احتجاج کے اس معصوم انداز پر ہنس دیا۔

''اب ہنس رہے ہو۔'' وہ خفگی سے بولی عائشہ بیگم روتے ہوئے ان دونوں کی محبت بھری نوک جھونک دیکھ رہی تھیں اور دل ہی دل میں ان کے دائمی ساتھ کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔

''تم خود ہی تو کہتی ہو کہ۔''

''تم ہنستے ہوئے بہت اچھے لگتے ہو ہنستے رہا کرو۔'' احمر نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

''پھر تم نے ایسا کیوں کہا بولو؟''

''یار! ممانی کو ٹالنے کیلئے کہا تھا وہ بھی تو پیچھے ہی پڑ گئی تھیں اور تم چپ چاپ گھر آ کر سو گئیں۔ مجھے بھی کچھ نہیں بتایا لیکن زین نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ تم میری محبت اور حمایت میں ان کے سامنے بولیں تو انہوں نے تم پر ہاتھ اٹھا لیا بس اب تم ان سے کچھ نہیں کہو گی۔'' احمر نے دھیمے اور نرم لہجے میں کہا۔

''لیکن میں ابو سے سب کچھ کہوں گی آخر اس گھر میں میرے لیے بولنے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔ میں ابھی ابو کو فون کرتی ہوں۔'' قرۃ العین نے دلگیر لہجے میں کہا اور تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ احمر اور عائشہ بیگم اسے آوازیں دیتے رہ گئے۔

قرۃ العین نے انور رؤف کو ان کے موبائل پر فون کیا وہ آفس میں موجود تھے انہوں نے قرۃ العین کی زبانی ساری باتیں سنیں تو انہیں بہت دکھ پہنچا انہیں عامرہ بیگم سے اس قدر سنگدلی کی توقع نہیں تھی۔ شاکرہ بیگم کے مزاج کا تو انہیں شروع سے علم تھا۔ عامرہ بیگم بھی کبھی کبھار بے جا اور ناجائز بات پر اڑ جاتی تھیں مگر انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ شاکرہ بیگم کے ساتھ مل کر اپنی ہی بیٹی کا گھر اجاڑنے کی اس کی خوشیوں کو تاراج کرنے کی سازش تیار کر لیں گی۔ وہ قرۃ العین کی سسکیوں سے

تڑپ کر رہ گئے تھے۔ اس نے رو رو کر انہیں ساری حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔ وہ اشعر کو وہیں چھوڑ کر خود اسی وقت گھر چلے آئے۔ عامرہ بیگم نے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اشعر آپ کے ساتھ نہیں آیا کیا؟''

''نہیں میں ابھی اس وقت نہ آتا مگر آپ کے کارنامے سن کر مجھے آنا ہی پڑا۔'' انور رؤف نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہیں تاسف سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' عامرہ بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کیا بگاڑا ہے عینی نے اور احمر نے آپ کا جو آپ ان کی زندگی تباہ کرنے پر کمربستہ ہیں۔''

''او، تو بہن نے بھائی کو شکایت لگائی ہے۔'' عامرہ بیگم نے ان کی بات سمجھ کر کہا۔

''بہن نے نہیں، بیٹی نے اپنے باپ سے رو رو کر اپنی ماں کی بے حسی کی روداد سنائی ہے۔ بہت افسوس اور شرم کی بات ہے عامرہ بیگم کہ آپ اپنی سازشی اور مکار بہن اور اس کے آوارہ بیٹے کی خاطر اپنی سگی اور اکلوتی بیٹی کی خوشیوں کا خون کرنے چلی ہیں۔'' انور رؤف نے تاسف زدہ لہجے میں کہا۔

''میں کسی کی خاطر یہ سب نہیں کر رہی۔ مجھے عینی کا مستقبل عزیز ہے۔''

''تمہیں عینی کا مستقبل عزیز ہے تو اسے احمر کے ساتھ رہنے دو۔''

''اس اندھے کے ساتھ۔''

''شٹ اپ۔'' انور رؤف پہلی بار ان پر غصے سے چلائے تھے وہ بوکھلا کر رہ گئیں۔

''وہ اندھا اس آوارہ بھانجے سے لاکھ بلکہ کروڑ ہا درجے بہتر ہے اور اندھا وہ نہیں ہے اندھی تم ہو گئی ہو تمہاری آنکھوں اور عقل پر شاکرہ بیگم کے نام کی پٹی بندھ گئی ہے۔ عینی احمر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور اس کے ساتھ رہے گی۔ وہ اندھا، لنگڑا لولا اپاہج بھی ہو جاتا اس حادثے کے بعد تب بھی میں اپنی بیٹی کو اپنے شوہر سے طلاق لینے پر مجبور نہ کرتا۔ وہ اپنا گھر بسائے رکھنا چاہتی ہے اور تم اس کا گھر برباد کرنا چاہتی ہو کیسی ماں ہو تم۔''

''ماں ہوں عینی کی دشمن نہیں ہوں اس کی۔'' عامرہ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''دشمن ہی بن گئی ہو تم اس کی، اس لیے تو اسے احمر سے طلاق لینے پر زور ڈال رہی ہو اور تم نے میری بیٹی پر ہاتھ بھی اٹھایا محض اپنی ناجائز بات نہ ماننے کے جرم میں۔ ہم نے آج تک عینی کو پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا تم نے اس کے گال پر تھپڑ مارا۔ آج تو تم نے یہ حرکت کی ہے لیکن آئندہ احتیاط کرنا۔'' انور رؤف نے بہت غصیلے لہجے میں کہا۔

''اس نے میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔'' وہ منمنائیں۔

''تم اس کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہو اس کا نتیجہ اس سے بھی زیادہ برا نکل سکتا ہے ڈرو اس وقت سے کہ جب تمہاری بیٹی تم سے نفرت کرنے لگے گی۔ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہے تو تمہیں کس نے حق دیا ہے اس سے اس کی خوشیاں چھیننے کا آئندہ اس کے اور احمر کے معاملے میں مداخلت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے سنا تم نے۔'' انور رؤف نے غصے سے چیخ کر کہا۔

''آپ بھی سن لیں ماجد نہ سہی کوئی اور سہی میں بھی اس اندھے احمر سے عینی کو طلاق دلوا کر ہی رہوں گی۔'' عامرہ بیگم نے اس بات کو اپنی ضد اور انا کا مسئلہ بنا لیا اور گستاخ لہجے میں کہا انور رؤف نے کڑے تیوروں سے انہیں گھورا۔

''تمہیں طلاق دلوانے اور بسا بسایا گھر اجاڑنے کا اتنا ہی شوق ہے نا تو بیٹی سے پہلے اس کی ماں کو طلاق ہو گی بہت عزیز ہے نا تمہیں تمہاری بہن اور بھانجا تو تم انہیں کے پاس چلی جانا۔ چار دن میں تمہاری عقل ٹھکانے آ جائے گی۔ جب تم طلاق نامہ لے کر خالی ہاتھ ان کے در پر پہنچو گی نا ان کی نظریں تب ہی بدل جائیں گی۔ دنیا کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ عامرہ بیگم کو بیٹی کا گھر اجاڑنے کے جرم میں طلاق ہوئی ہے تم اگر میری بیٹی کا گھر نہیں بسنے دو گی تو میں تمہارا گھر بھی آباد نہیں رہنے دوں گا اور کاغذی کارروائی تو بہت بعد میں ہو گی تین حرف پہلے ہی تمہیں سننے کو مل جائیں گے سنا تم نے۔'' انور رؤف نے سخت لہجے میں کہا اور وہاں سے باہر نکل کر سیدھے ''حسن لاج'' کی طرف چل دیئے۔

''مجھے......طلاق......نہیں ایسا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا اس عمر میں طلاق نہیں۔'' عامرہ نے حیرت، پریشانی اور صدمے سے ہراساں ہو کر خود کلامی کی۔

انہوں نے پہلی بار اپنے شوہر کا غصہ دیکھا تھا اور اتنی خطرناک دھمکی اپنے لیے سنی تھی ان کے تو سارے ارادے، ضد اور انا کے بت پاش پاش ہو گئے۔ انہیں شوہر کی بدگمانی، نفرت اور ناپسندیدگی کسی صورت قبول نہ تھی وہ ایک متوسط طبقے کی عورت تھیں انور رؤف سے شادی کے بعد ان کے وارے نیارے ہو گئے تھے وہ ان کے دل اور گھر دونوں پر حکومت کرتی رہی تھیں اور اب انہیں اپنی حکومت جاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ انور رؤف کے اس ردعمل کا تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اب انہیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ بھول گئی تھیں کہ عینی کا باپ بھی ہے جو اسے ہلکی سے خراش تک آ جانے پر بے چین ہو جایا کرتا ہے وہ بھلا اس کی زندگی کے اتنے اہم معاملے میں کیسے ان کی من مانی قبول کر سکتا ہے۔ وہ اپنے شوہر کے سامنے جواب دہ تھیں مگر سب کچھ فراموش کیے

بیٹھی تھیں۔ انہیں خاندان بھر میں اپنی عزت اپنا یہ شاندار اسٹیٹس احمر کے اندھے پن سے زیادہ عزیز تھا سوانہوں نے خود کو باز رکھنے کا فیصلہ کرلیا اگرچہ اس فیصلے سے ان کی نام نہاد انا مجروح ہوئی تھی مگر حالات کا فی الوقت یہی تقاضا تھا کہ خاموش رہا جائے۔

انور رؤف نے عینی، احمر اور عائشہ بیگم کو اپنی مکمل حمایت اور بھرپور ساتھ کا یقین دلایا تھا اور انہیں بتا دیا تھا کہ انہوں نے عامرہ بیگم کو تنبیہہ کر دی ہے۔ انور رؤف مزاجاً نرم اور صلح پسند انسان تھے۔ وہ عامرہ بیگم کو طلاق دینا نہیں چاہتے تھے انہوں نے صرف انہیں ان کے ارادوں سے باز رکھنے کیلئے یہ حربہ استعمال کیا تھا جو کہ کارگر ثابت ہوا تھا۔ عامرہ بیگم نے رات ہی کو ان سے معذرت کرلی تھی اور انہوں نے آئندہ احتیاط سے کام لینے کا کہہ کر ان کی معذرت قبول بھی کر لی تھی۔

☆☆☆

اظفر حسن روز احمر کی شیو بنایا کرتے تھے۔ آج صبح وہ آفس جلدی جانے کے چکر میں اس کی شیو بنانا بھول گئے۔ احمر ان کے انتظار میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ شیونگ کٹ اور گرم پانی ملازم اس کے سامنے میز پر حسب معمول رکھ گیا تھا۔

''احمر! اظفر بھائی تو آفس چلے گئے انہیں ضروری پہنچنا تھا کہہ رہے تھے۔ واپس آ کر شیو بنادوں گا۔'' قرۃ العین نے کمرے میں آ کر اسے بتایا۔

''چلو کوئی بات نہیں میں نے کون سا کہیں جانا ہوتا ہے سارا دن گھر میں ہی بند رہتا ہوں ایک دن شیو نہیں بنواؤں گا تو کیا فرق پڑ جائے گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے۔ کہا، مگر اس کے لہجے میں بے بسی اور دکھ قرۃ العین نے محسوس کرلیا تھا۔

''آج میں تمہاری شیو بناؤں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اسے آ کر کہا۔

''تم بنا دو بلکہ ایسا کرو کہ سیفٹی میں نیا ریزر لگا لو اور میری شہہ رگ پر ایسے پھیرنا کہ رگ کٹ جائے اور تمہاری اس اندھے شخص سے جان چھوٹ جائے روز روز کی کل کل بھی بند ہو جائے گی اور کسی کو تم پر شبہ بھی نہیں ہوگا کہہ دینا کے اندھا احمر خود شیو بنا رہا تھا بے دھیانی میں اندھے پن میں اپنی شہہ رگ کاٹ بیٹھا جس سے اس کی موت......''

''شٹ اپ۔'' قرۃ العین کا دل پھٹنے لگا تھا اس کا ضبط جواب دے گیا اور اس نے اس کے دائیں گال پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

''عینی!'' وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے ششدر سا رہ گیا۔

''اگر تم نے دوبارہ یہ بکواس کی نا تو میں تمہارے دوسرے گال پر بھی تھپڑ رسید کردوں

گی۔'' وہ غصے سے چلائی۔

''روشنی تم۔''

''نہیں ہوں میں روشنی۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے بولتے رو دی۔

''نہ میں روشنی ہوں نہ نور نہ اجالا مت پکارا کرو مجھے ان ناموں سے میں تمہاری زندگی میں روشنی نہیں بکھیر سکتی، تمہاری آنکھوں کا نور نہیں بن سکتی، تمہاری راہوں میں اُجالا نہیں پھیلا سکتی احمر حسن، تم......تم تو آنکھوں سے اندھے ہوئے ہو اور میں جو تمہاری محبت میں اندھی ہوگئی ہوں سر سے پاؤں تک۔ تمہیں کبھی نابینا ہونے کا طعنہ نہیں دیا پھر تم مجھے کیوں ہرٹ کرتے ہو ایسی باتیں کر کے۔ تم نے اور امی نے اپنی ان باتوں سے میرا دل چھلنی کر دیا ہے میری روح زخمی کر کے رکھ دی ہے بولو احمر حسن کیوں کہتے ہو تم مجھ سے یہ باتیں بولو احمر۔''

وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی اس کا گریبان پکڑے روتے ہوئے چیختے ہوئے استفسار کر رہی تھی اس کی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ اسے اپنے سینے سے لگا کر خود بھی رو پڑا۔

''تم نے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔'' جب دونوں کے آنسو تھم گئے تو احمر نے اس سے کہا۔

''نہیں جانا مجھے کسی ڈاکٹر کے پاس کیا فائدہ تم پھر ایسی باتیں کر کے میری طبیعت خراب کردو گے۔'' وہ بھیگتے لہجے میں بولی۔

''آئی ایم سوری سوئیٹ ہارٹ۔'' وہ بھیگتی آواز میں بولا۔

''سوئیٹ ہارٹ نہیں، بروکن ہارٹ۔''

''عینی! آئی لو یو، آئی ریئلی لو یو۔'' وہ اس کے ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر تڑپ کر بولا۔

''تو کیا میں تم سے محبت نہیں کرتی۔''

''کرتی ہو بہت زیادہ کرتی ہو۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''احمر! کیوں نہ ہم دونوں یہاں سے کہیں دور چلے جائیں تا کہ کوئی ہمیں جدا نہ کر سکے۔'' قرۃ العین نے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا اللہ کا کرم ہے ہمارے ساتھ ہم دونوں جائیں گے کہاں تم مجھے کہاں کہاں لیے پھرو گی یہیں رہنا ہے تمہیں اس گھر میں میری بیوی کی حیثیت سے تم کہیں نہیں جاؤ گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم بھی کہیں نہیں جاؤ گے۔''

''میں تو جاؤں گا۔''

''احمر!''

''یار! روحیل اور طارق کل کراچی جا رہے ہیں اصولاً تو مجھے انہیں گھر پر الوداعی لنچ یا ڈنر دینا چاہیے تھا لیکن ان دونوں نے مجھے ہی اپنے گھر انوائیٹ کیا ہے رات کو روحیل مجھے لینے آئے گا انہیں سی آف کرنے تو جانا ہے نا مجھے آخر وہ میرے کالج کے زمانے کے دوست ہیں۔'' اس نے مسکرا کر بتایا۔

''ہاں پھر تو تمہیں ضرور جانا چاہیئے تھا بلکہ ایسا کرو کہ انہیں گھر انوائیٹ کرلو۔ میں بھابھی کے ساتھ مل کر ڈنر کا اہتمام کرلوں گی۔''

''تھینک یو ہنی، لیکن اب پروگرام طے ہو چکا ہے وہاں روحیل کے کزن بھی آئے ہوں گے پھر سہی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جیسے تمہاری مرضی۔'' قرۃ العین نے نرمی سے کہا اور اس کی شیونگ کٹ اٹھا کر واش روم میں رکھ دی۔

☆☆☆

''عینی جان! ڈیک میں کوئی نئی کیسٹ تو لگا دو مجھے۔'' اگلی صبح ناشتے کے بعد اس نے اس کے کمرے میں آنے پر کہا تو اس نے اس کی طرف دیکھتے کہا۔

''اچھا لگا دیتی ہوں، کچھ ریکارڈ کرو گے۔''

''ہاں۔''

''کیا؟''

''ڈاکٹر کے پاس سے واپس آکر سن لینا۔'' احمر نے رات کو اسے ڈاکٹر کے پاس جانے کیلئے آمادہ کر ہی لیا تھا اور وہ اب جانے کی تیاری بھی کر رہی تھی۔

''پھر ایک شعر والے درجنوں گانے ریکارڈ کرنے ہوں گے ہے نا۔''

''نہیں اس بار ایک نئی چیز ریکارڈ کروں گا۔'' اس نے ہنس کر جواب دیا۔

''لو کیسٹ تو میں نے لگا دی ہے ڈیک آن بھی کر دیا ہے یہ ریموٹ تم اپنے ہاتھ میں رکھ لو۔ او کے پھر میں تیار ہو کر جاؤں ڈاکٹر کے پاس۔''

''ہاں لیکن تیار ہو کر میرے پاس ضرور آنا......''

''اچھا۔'' وہ خوشی سے مسکرا دی اور جب تیار ہوگئی ہلکے اور گہرے نیلے رنگ کے ہلکے کام

والے سوٹ میں میچنگ چوڑیاں اور جوتے پہن کر ہلکی سی خوشبو سے مہک کر تو احمر کے پاس چلی آئی اور بولی۔

''لو میں تیار ہوگئی لیکن مجھے تمہارے بغیر وہاں جانا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔''

''پاگل میں تم سے جدا کب ہوں میں تو ہر دم ہر جگہ تمہارے ساتھ رہتا ہوں اور رہوں گا جو دل سے پیار کرتے ہیں ناں وہ دل سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ یہ جسمانی اور زمینی فاصلے خواہ کتنے ہی طویل اور کشادہ کیوں نہ ہوں ہمیں ایک دوجے سے دور نہیں کر سکتے اس لیے کہ ہمارا رشتہ دل اور روح کا رشتہ ہے ہمارا پیار سچا ہے۔'' احمر نے اس کے گرد بازو حمائل کر کے اسے خود سے قریب کر کے محبت سے کہا اور اسے پیار کیا۔ پھر اس کے پیار بھرے اصرار پر ڈاکٹر کی طرف چلی گئی۔

''مبارک ہو مسز احمر آپ ماں بننے والی ہیں۔'' گائنا کالوجسٹ ڈاکٹر رفعت نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد اسے یہ خوشخبری سنائی تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''میں ماں......اوگاڈ!......آ......آپ سچ کہہ رہی ہیں ناں۔'' وہ بوکھلا کر بولی۔

''سو فیصد سچ لیکن اس قدر حیرت کیوں ہو رہی ہے۔ کتنا عرصہ ہوا ہے آپ کی شادی کو؟'' ڈاکٹر رفعت شاد نے اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''دو ماہ ہوئے ہیں۔''

''تو دو ماہ میں یہ ناممکن تو نہیں تھا نا اب آپ حیران ہونا چھوڑیے اور یہ ٹانک میں نے لکھ دیا ہے یہ استعمال کیجیے اپنی غذا کا بہت خیال رکھیں ہر ماہ اپنا چیک اپ کراتی رہیں اور خوش رہیں۔ آپ بہت ٹینشن زدہ لگ رہی ہیں ایسی حالت میں آپ کو ٹینشن کی نہیں اٹنشن کی ضرورت ہے گھر والوں کی بھی اور اپنی بھی یہ آپ کے بچے کی صحت کیلئے بہت اہم ہے۔'' ڈاکٹر رفعت نے نرمی سے کہا۔

''شکریہ ڈاکٹر صاحبہ!'' قرۃ العین نے ان کا خوشی خوشی شکریہ ادا کیا اور گھر کی راہ لی وہ احمر کی گاڑی لے کر آئی تھی۔ وہ خوشی خوشی گھر پہنچی تھی اور وہ یہ خوشخبری سب سے پہلے احمر کو سنانا چاہتی تھی۔

''اب کوئی بھی مجھے اور احمر کو جدا نہیں کر سکے گا۔ یہ ہماری محبت کی نشانی ہے یہ بچہ ہمیں ایک دوسرے کے سنگ رہنے کا جواز مہیا کرے گا اب امی اپنی ضد سے خود بخود دستبردار ہو جائیں گی ہمارے رشتے کو بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس بچے کی صورت میں بہت خوبصورت خوشی عطا کر دی ہے اب میں اور احمر ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔'' قرۃ العین خوشی سے سوچتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں پہنچی تو

وہاں احمر کو موجود نہ پا کر پریشان ہو کر اسے پکارنے لگی۔

"احمر، احمر! کہاں ہو تم؟"

"عینی آنٹی! یہ خط چاچو آپ کیلئے دے گئے ہیں وہ کہہ رہے تھے پڑھ کر امی ابو کو دے دینا۔" زین نے اسی وقت کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کی طرف ایک سفید تہہ شدہ کاغذ بڑھاتے ہوئے بتایا۔

"کہاں گئے ہیں آپ کے چاچو؟" وہ خط لے کر گھبرا کر پوچھنے لگی۔

"پتا نہیں کوئی انکل انہیں لینے آئے تھے چاچو ان کے ساتھ چلے گئے اور چاچو کہہ رہے تھے کہ اپنی عینی آنٹی سے کہنا کہ ڈیک میں موجود کیسٹ سن لیں بہت اہم ہے۔" زین نے اسے دیکھتے ہوئے بتایا۔

"یا اللہ! خیر میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔" قرۃ العین اس کی بات سن کر بے دم سی ہو کر بیڈ پر ڈھے گئی۔ جلدی سے کاغذ کی تہہ کھول کر اس کی تحریر پر نظریں گاڑیں اس میں لکھا تھا۔

امی، ابو اور اظفر بھائی!

"میں یہاں سے جا رہا ہوں اپنے اور عینی کے رشتے کو بچانے کی خاطر اس گھر سے ہی نہیں اس ملک سے بھی جا رہا ہوں۔ آپ سے ملے بغیر پوچھے اور بتائے بغیر جا رہا ہوں اس لیے مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میں جہاں جا رہا ہوں وہاں زندگی کی ہر سہولت میسر ہوگی۔ بس آپ لوگوں کا ساتھ اور پیار نہیں ہوگا۔ آپ سب کی محبت اور دعائیں اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سب مجھے اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں آپ کے بغیر عینی کے بغیر نہیں رہ سکتا اور مجھے لوٹ کر ادھر ہی آنا ہے مگر ابھی یہاں رہنا میرے لیے اور عینی کیلئے جس اذیت اور دکھ کا باعث بن رہا ہے اس سے مجبور ہو کر میں نے آپ سب سے دور جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے ڈھونڈنے میں اپنا وقت مت ضائع کریئے گا۔ میں تمام انتظامات کرا کے جا رہا ہوں اور ہاں امی ابو اور بھائی میں عینی کی صورت میں اپنی محبت آپ سب کے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں اس کا بہت خیال رکھیے گا۔ اسے بکھرنے مت دیجیے گا۔ عینی آپ کے پاس میری امانت ہے۔ اسے اپنی محبتوں سے سنبھال لیجیے گا۔ امی آپ بھی مت روئیے گا اور عینی کو بھی مت رونے دیجیے گا۔ میں جہاں رہوں گا خیریت سے رہوں گا میری بینائی لوٹ آنے کی دعائیں ضرور کرتے رہیے گا۔"

آپ کی دعاؤں کا طالب

احمر حسن!

"احمر، احمر! یہ تم نے کیا کیا احمر! میرا انتظار تو کیا ہوتا۔ میں تو تمہیں اتنی بڑی خوشخبری سنانے آئی تھی ہمیں جدا نہ کر سکنے کا خوبصورت وسیلہ اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا تھا مگر نہیں احمر تم مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ احمر پلیز واپس آ جاؤ احمر، احمر!" وہ صدمے کی حالت میں بولتے بولتے بالآخر چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"عینی آنٹی کیا چاچو دور چلے گئے ہیں؟"

زین نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہاں وہ اس ملک کو ہی چھوڑ گئے ہیں احمر، پھپھو، پھوپھو جان۔" وہ روتی، چیختی ہوئی ایک دم سے اٹھ کر کمرے سے باہر بھاگی زین اس کے پیچھے دوڑا۔

"پھپھو، اظفر بھائی، بھابی، پھپھو۔" چیختی ہوئی روتی ہوئی زینے سے نیچے اتری، اظفر بھائی اور احمد حسن تو فیکٹری جا چکے تھے۔ نغمہ بھابی باورچی خانے میں تھیں۔ عائشہ بیگم سر درد کے باعث اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں اس کی چیخ و پکار سن کر وہ دونوں گھبرا کر دوڑی چلی آئیں۔

"عینی بیٹا! کیا ہوا تم تو ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں نا۔" عائشہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا تو وہ روتے ہوئے بولی۔

"پھپھو، احمر چلا گیا ہے۔ مجھے بھی چھوڑ گیا۔"

"کیا کہہ رہی ہو کیا ہوا احمر کو؟" نغمہ بھابی کچھ اور ہی سمجھی تھیں ان کے کمرے کی طرف لپکیں۔ عائشہ بیگم نے دل تھام کر دعا کی۔

"کیا ہوا میرے بچے کچھ کہو یا اللہ میرے بچے کو سلامت رکھنا۔"

"یہ خط وہ چھوڑ گیا ہے۔ وہ یہ گھر یہ ملک چھوڑ گیا ہے پھپھو۔" اس نے احمر کا خط ان کی طرف بڑھا دیا۔ نغمہ بھابی تیزی سے واپس آئیں اور خط اس کے ہاتھ سے لے کر بلند آواز میں پڑھا تو عائشہ بیگم صدمے سے گرتے گرتے بچیں۔

"پھپھو! احمر سے کہیں واپس آ جائے۔ میں...... میں مر جاؤں گی پھپھو۔ وہ مجھے اپنے ساتھ تو لے جا سکتا تھا نا پھپھو۔ وہ مجھے بھی چھوڑ گیا۔ کہتا تھا میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جھوٹا، فریبی، بے ایمان میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ احمر! پھپھو اسے بلا لیں احمر کو بلا لیں میں مر......" وہ ان کے سینے سے لگی روتی بلکتی بولتے بولتے ایک دم سے بے ہوش ہو کر ان کی بانہوں میں جھول گئی۔

"عینی، عینی بیٹا! ہوش میں آؤ یا اللہ رحم کر میرے مالک!" عائشہ بیگم اس کے گال

تھپتھپاتے ہوئے روتے ہوئے بولیں۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے امی؟'' نغمہ بھابھی بھی آبدیدہ ہو گئیں اور قرۃ العین کو سہارا دے کر صوفے پر لٹا دیا۔

''اللہ جانے میرے بچوں کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی۔''

''نغمہ تم اظفر کو فون کرو اور زین بیٹا ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے عینی کو ہسپتال لے جانا ہے۔''

''جی دادی۔'' زین ہراساں سا قرۃ العین کو دیکھتا باہر بھاگا۔ عائشہ بیگم نے قرۃ العین کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے مگر اس کے وجود میں ذرا سی بھی حرکت نہ ہوئی وہ اس پر قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ نغمہ بھابھی اور عائشہ بیگم نے اسے اٹھا کر گاڑی میں لٹایا اور زین کو عامرہ بیگم کی طرف جانے کا کہہ کر اسے ہسپتال لے گئیں۔

''نہیں کسی صدمے نے اس حالت میں پہنچایا ہے اور میرے خیال میں ان کی جو حالت ہے اس میں انہیں صدمے کی نہیں خوشی کی ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر رخسانہ نے قرۃ العین کا چیک اپ کرنے کے بعد عائشہ بیگم اور نغمہ بھابھی سے کہا۔

''کیا مطلب ڈاکٹر صاحبہ؟'' نغمہ بھابھی نے پوچھا۔

''مسز احمر امید سے ہیں۔''

''جی۔'' ان دونوں کی زبان سے بے اختیار نکلا اظفر حسن اور احمد حسن جو ابھی ابھی ان کے قریب پہنچے تھے وہ بھی یہ خبر سن کر حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ وہ خبر جو قرۃ العین سب سے پہلے صرف احمر کو سنانا چاہتی تھی۔ وہ اس کے سوا سب کو معلوم ہو گئی تھی مگر عجیب سی کیفیت تھی ان سب کی وہ اس خبر پر خوشی کا اظہار بھی نہ کر سکے احمر کے چلے جانے کا دکھ اور صدمہ اس خبر کی خوشی کو بھی کھا گیا تھا۔ عائشہ بیگم تو رو رہی تھیں۔

''احمر ایک دن اور رک جاتا تو یہ خوشی اسے کہیں نہ جانے دیتی۔'' احمد حسن نے کہا۔

''حسن! میرے بچے کو ڈھونڈ کر لائیں اس کے دوستوں سے پتا کریں کہیں وہ روحیل اور عارف کے ساتھ نہ گیا ہو انہوں نے آج کراچی جانا تھا نا۔'' عائشہ بیگم نے روتے ہوئے ان سے کہا۔

''ہاں ان کی آج رات کی فلائیٹ ہے۔ وہ لوگ ہمیں ایسے تو سچ نہیں بتائیں گے احمر ان کے پاس ہوا تو اس نے انہیں ہم کو کچھ بھی بتانے سے یقیناً منع کر دیا ہوگا میں ایسا کرتا ہوں کہ

فلائیٹ انکوائری سے کراچی کی فلائیٹ کا ٹائم معلوم کر لیتا ہوں پھر اس وقت ایئر پورٹ پر جا کر دیکھ لیں گے احمر اگر ان کے ساتھ جا رہا ہوا تو ضرور ان کے ساتھ نظر آ جائے گا۔'' احمد حسن نے سوچ سمجھ کر کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا تو معلوم کر لو اور اپنی ممانی بلکہ ماموں کو فون کر کے یہاں آنے کا کہہ دو۔'' احمد حسن نے نرمی اور سنجیدگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے ابو۔'' اظفر حسن یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔

''تم لوگ کہاں تھے کیسے چلا گیا احمر؟'' احمد حسن نے عائشہ بیگم اور نغمہ بھابھی سے پوچھا۔

''ابو! احمر بھائی کو کوئی ملنے والا آیا تھا امی تو اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں سر درد کی وجہ سے، میں احمر اور اس کے دوست کیلئے چائے وغیرہ کا بندوبست کرنے کچن میں چلی گئی۔ زین ہی احمر کو اس کے کمرے سے باہر لے کر گیا تھا۔ احمر نے جاتے جاتے احمر کو پیار کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ ''میں واپس آ جاؤں گا پریشان مت ہونا۔'' میں تو یہی سمجھی کہ وہ پہلے کی طرح اپنے دوست کے ساتھ گیا ڈیڑھ دو گھنٹے میں واپس آ جائے گا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ ورنہ میں اسے کبھی نہ جانے دیتی اور عینی تو ڈاکٹر کے پاس سے واپس گھر پہنچی تھی تو اسے معلوم ہوا۔'' نغمہ بھابھی نے ساری بات تفصیل سے ان کے گوش گزار کر دی۔

''احمر کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا وہ عینی کی خاطر گیا ہے تو عینی ہی کی زندگی میں دکھ بھی تو بھر گیا ہے اس کی ماں اسے اب اور طعنے دے گی کہ طلاق کیوں نہیں لی احمر سے۔ کیسے سنبھالیں گے ہم اس بچی کو اس سارے کھیل میں نقصان تو معصوم عینی کا ہوا ہے۔ اللہ اسے ہمت اور حوصلہ عطا کرے۔'' احمد حسن نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

انور رؤف اور عامرہ بیگم بھی ہسپتال پہنچ گئے۔ عائشہ بیگم کو روتے دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔

''کیا ہوا عینی کو وہ ٹھیک تو ہے؟'' انور رؤف نے احمد حسن کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''کیسی ہے میری بیٹی کہاں ہے عینی؟'' عامرہ بیگم نے پریشانی سے پوچھا۔

''عینی ایمرجنسی روم میں ہے وہ احمر کے چلے جانے کے صدمے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ گھنٹے تک اسے ہوش آ جائے گا۔'' احمد حسن نے انور رؤف کا ہاتھ تھام کر بتایا۔

''احمر کہاں گیا ہے؟'' انور رؤف نے متفکر ہو کر پوچھا۔

''معلوم نہیں ایک خط ہمارے نام چھوڑ گیا ہے ملک سے باہر چلا گیا ہے۔''

''تو کیا عینی کو طلاق دے گیا ہے وہ؟'' انور رؤف نے پریشانی سے پوچھا۔

''نہیں وہ بھابھی کی عینی کو طلاق دینے کی فرمائش بار بار کی ضد اور اصرار سے تنگ آ کر یہاں سے چلا گیا ہے کیونکہ عینی نے اسے منع کر دیا تھا خود کو ختم کر لینے کی دھمکی دی تھی پھر بھلا وہ کیا کرتا۔ یہاں رہتا تو بھابھی اسے عینی کو طلاق دینے پر مجبور کرتیں۔ وہ اپنے اور عینی کے اس رشتے کو بچانے کیلئے خود ہی یہاں سے دور چلا گیا ہے۔'' عائشہ بیگم نے روتے ہوئے بتایا۔

''جا ہی رہا تھا تو عینی کو طلاق دیتا جاتا اب کیا عینی ساری زندگی اس کے انتظار میں بیٹھی رہے گی؟'' عامرہ بیگم نے تلخی سے کہا۔

''ہاں اسی لیے کہ وہ خود ایسا چاہتی ہے محبت کرتی ہے احمر سے۔'' عائشہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ، اندھا ہونے سے تو بہتر تھا کہ احمر مر جاتا میری بیٹی کی بھی جان چھوٹ جاتی۔'' عامرہ بیگم نے سفاکی سے کہا ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''جان نہیں چھوٹ جاتی بھابھی بیگم آپ کی بیٹی بھی اپنی جان سے چلی جاتی نجانے کس قسم کی ماں ہیں آپ اپنی بیٹی کی طبیعت کو اس کی محبت کو نہیں سمجھتیں۔ کیا فائدہ ساری عمر کے لاڈ پیار کا جب اس کی زندگی کے اتنے اہم معاملے میں ہی آپ نے اسے دکھ اور صدمے سے دوچار کر رکھا ہے۔ بھابھی بیگم احمر صرف اور صرف آپ کی وجہ سے گھر چھوڑ گیا ہے۔ آپ نے ہم سب کا دل دکھایا ہے بہت ظلم کیا ہے دونوں بچوں پر عینی کو روتے تڑپتے دیکھ کر چین سے اب آپ بھی نہیں رہ سکیں گی۔ اللہ میرے احمر کو لمبی زندگی دے صحت دے۔ آپ کو نیک ہدایت دے آپ بھی بیٹے والی ہیں مگر اللہ نہ کرے کہ آپ کو بیٹے کا یہ دکھ دیکھنا پڑے۔'' احمد حسن نے عامرہ بیگم کو دیکھتے ہوئے سپاٹ اور تیز لہجے میں کہا تو وہ رخ پھیر کر کھڑی ہوگئیں۔ انور رؤف خاموشی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ انہیں عامرہ بیگم کے پل پل بدلتے رویے پر شدید دکھ اور افسوس ہو رہا تھا ان کی وجہ سے ان کی بیٹی دکھوں میں گھر گئی تھی۔

قرۃ العین کو ہوش آ گیا تھا مگر وہ گم صم سی لیٹی رہی کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ اسے احمر کی باتیں اس کا پیار یاد آ رہا تھا۔ جو اس نے جانے سے پہلے اس پر نچھاور کیا تھا۔

''احمر اس لیے تم نے مجھے پیار کیا تھا کہ تم جا رہے تھے۔'' اس نے دل میں اس سے کہا۔

''تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا احمر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تھا کیا۔ تمہاری وہ ساری باتیں وہ سارے دعوے کیا ہوئے احمر! تم اپنی محبت کی جیتی جاگتی نشانی مجھے سونپ کر خاموشی سے چلے گئے۔ تم جانتے تھے نا احمر کہ میں تمہارے بغیر کس قدر ادھوری ہوں، نا خوش رہوں گی میں

تمہارے بغیر پھر بھی تم چلے گئے۔ کچھ دیر تو رکے ہوتے۔ میری خوشی تو شیئر کرتے جاتے تم بہت برے ہو احمر تم نے مجھے سب کی ہمدردی، رحم، افسوس اور ترس کھاتی نظروں کا مرکز بنا دیا ہے۔ جن نظروں سے تم خود بچنا چاہتے تھے ان نظروں کی زد پر چھوڑ گئے ہو تم مجھے، احمر تم نے اتنی ہمت کیسے کر لی؟ کیسے چھوڑ کر چلے گئے تم مجھے؟'' وہ اسے دل میں مخاطب کرتے ہوئے بولی اور بالآخر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عائشہ بیگم نے تڑپ کر اسے اپنے سینے میں چھپا لیا۔

''عینی بیٹا! ہمت سے کام لو دیکھو احمر کی نشانی تو تمہارے پاس ہے نا اپنے اور احمر کے بچے کی خاطر اپنے آپ کو سنبھالو چندا! تمہارا غم کم کرنے اور احمر کی جدائی کا وقت کاٹنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا پیارا تحفہ دے دیا ہے۔ خود کو اس کیلئے سنبھال لو بیٹا! تم دکھی رہو گی روؤ گی تو تمہاری ہی نہیں تمہارے اور احمر کے بچے کی صحت پر بھی اثر پڑے گا۔'' عائشہ بیگم نے کہا وہ خود بھی اشکبار تھیں۔

''یہ احمر کے بچے کا کیا ذکر ہے؟'' عامرہ بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے آخری جملہ سنا تھا حیران ہو کر عائشہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھابھی! آپ نانی بننے والی ہیں۔''

''کیا!'' وہ چیخ ہی تو پڑیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟''

''احمر خود تو چلا گیا ہے اور میری بیٹی میں اولاد کی زنجیر بھی ڈال گیا ہے جانے وہ کب آئے۔ آئے گا بھی کہ نہیں میری بیٹی کیوں اس کی اولاد پرورش کرے؟'' عامرہ بیگم نے غصیلے لہجے میں کہا تو اسی وقت انور رؤف کمرے میں داخل ہوئے۔

''کیونکہ تمہاری بیٹی بھی اس بچے کی ہونے والی ماں ہے یہ بچہ صرف احمر کا نہیں ہے قرۃ العین کا بھی ہے۔ اب بچے کے آنے سے عینی، احمر کی جدائی کا غم بھولے گی۔ یہ بچہ تو عینی کی ڈھارس بن کر آیا ہے اس کیلئے جینے کی تحریک کا باعث ہے۔ خبردار، عامرہ بیگم اگر اب تم نے کوئی فضول بات کی ہو۔ اپنی بیٹی کی خوشی اور اس کی صحت کی تمہیں کوئی پرواہ نہیں ہے اور یاد رکھ احمر تمہاری وجہ سے گھر چھوڑ گیا ہے۔ عینی کی آنکھوں میں آنسو تم نے بھرے ہیں اب اسے مزید پریشان اور دکھی کرنے کی کوشش مت کرو۔'' انور رؤف نے انہیں دیکھتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا عائشہ بیگم، قرۃ العین اور نبیلہ بھابھی کے سامنے انہیں انور رؤف کا اس طرح سرزنش کرنا شرمندگی سے دوچار کر گیا۔

''میں بھی دیکھتی ہوں عینی کیسے اس بچے کو پروان چڑھاتی ہے؟'' عامرہ بیگم نے دل میں کہا۔

شام کو وہ سب قرۃ العین کو گھر لے آئے۔

عائشہ بیگم نے اسے نیچے اپنے کمرے کے برابر والے کمرے میں رہنے کیلئے کہا مگر اس نے اپنے کمرے میں رہنے کو ہی ترجیح دی۔ نغمہ بھابھی اسے پکڑ کر اس کے اور احمر کے مشترکہ بیڈروم میں لائیں تو اسے ہر طرف احمر کی صورت دکھائی دینے لگی تو احمر کی خوشبو اسے اپنی سانسوں میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسے لگا جیسے احمر ابھی کہیں سے چلا آئے گا اور اس کے سارے آنسو اپنے دامن میں جذب کر لے گا۔

''عینی! تم آرام کرو میں تمہارے لیے سوپ بنواتی ہوں۔'' نغمہ بھابھی نے اسے بیڈ کے کنارے پر بٹھاتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔ اس نے بائیں جانب گردن گھما کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی احمر کی فریم شدہ مسکراتی تصویر کو دیکھا تو اس کے دل کے ٹانکے پھر سے ادھڑ گئے وہ مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ جہاں احمر لیٹا، بیٹھا اور سویا کرتا تھا اس نے اس کے بستر پر تکیے پر کئی بار اپنا ہاتھ پھیرا آنسو تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہتے چلے جا رہے تھے۔

''احمر! تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ تم بہت سنگدل ہو۔ بہت ظالم ہو تم۔ مجھے سب سے زیادہ پیار تم نے دیا ہے اور اب سب سے زیادہ آزار کا باعث بھی تم ہی بنے ہو کیوں کیا تم نے ایسا بولو۔ تم تو میرے بغیر ایک پل بھی نہ رہ سکنے کے دعوے کرتے تھے تم نے تو کہا تھا کہ تم مجھے نہیں چھوڑو گے۔ پھر یہ سب کیا ہے؟ بولو جھوٹے، بے ایمان، ظالم، کیوں رلا رہے ہو مجھے۔ واپس آ جاؤ پلیز۔ اتنا سنگین مذاق مت کرو میرے ساتھ اپنی محبت کے ساتھ اپنی روشنی کے ساتھ۔'' پھر روتے روتے وہیں سو گئی۔

☆☆☆

نبیلہ بھابھی نے احمر کے گھر چھوڑ کر چلے جانے کی خبر اپنے میکے میں جمیلہ بیگم کو سنائی تو انہوں نے فوراً سارے خاندان میں یہ خبر نشر کر دی۔ انہیں تو احمر کے جانے سے دلی مسرت ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ احمر عینی کو جلد طلاق بھی بھیج دے گا مگر نبیلہ بھابھی کی زبانی ہی انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ قرۃ العین ماں بننے والی ہے تو انہیں شدید مایوسی ہوئی کہ بچے والی کو اگر طلاق ہو بھی گئی تو وہ دوسری شادی کیلئے اتنی آسانی سے آمادہ نہیں ہوگی۔ احمر کے جانے کی خبر ملنے کی دیر تھی۔

خاندان والے ''حسن لاج'' اس طرح افسوس کرنے کیلئے آنے لگے جیسے خدانخواستہ احمر ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے ہی چلا گیا ہو۔ حسن صاحب کو تو اکبر رؤف اور جمیلہ بیگم کے انداز پر غصہ آ گیا اور خاندان کے دیگر لوگوں کے سامنے ہی انہوں نے نہایت سپاٹ اور سنجیدہ لہجے میں ان سے کہا۔

''کس بات کا افسوس کر رہے ہیں آپ بیرون ملک جانے کا خواب تو آپ کے بیٹے کا بھی تھا۔ میرے بیٹے کو تو پھر اس کی کمپنی نے وہاں علاج اور ملازمت کی غرض سے بھیجا ہے۔ وہ کوئی ہمیشہ کیلئے نہیں گیا انشاء اللہ علاج اور کمپنی کا کام مکمل ہوتے ہی واپس آ جائے گا۔ یوں بھی یہاں اس کے رہنے سے خاندان کے کچھ لوگوں کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ احمر نے اس خاندان کو بچانے کیلئے باہر جانا قبول کیا ہے اس نے اگر عینی کو چھوڑنا ہوتا تو اسے طلاق دے کر جاتا اپنی واپسی کا انتظار کرنے کا نہ کہہ کر جاتا۔''

''واپسی کب تک ہوگی احمر کی؟'' اکبر رؤف نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے پوچھا۔ ''انشاء اللہ بہت جلد۔'' حسن صاحب نے جواب دیا لہجہ یقین سے پر تھا۔

اکبر رؤف اور جمیلہ بیگم کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا وہ بغلیں جھانکنے لگے۔

''پھپھو احمر کیوں چلا گیا ہے مجھے چھوڑ کر؟''

عائشہ بیگم اس کے پاس آئیں تو قرۃ العین نے روتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ بھلا تمہیں چھوڑ کر جا سکتا ہے وہ تو تم سے اپنی محبت مزید گہری کرنے کیلئے ذرا دیر کو آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہے دیکھنا ایک دن اچانک ہنستا مسکراتا تمہیں آوازیں دیتا یہاں چلا آئے گا۔''

عائشہ بیگم نے پرنم لہجے میں جواب دیا۔

''وہ مجھے دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر دیکھیں وہ مجھے کتنا بڑا دکھ دے گیا ہے جانے کہاں چلا گیا ہے اس کی آنکھیں تو میں تھی اب وہ کیسے دیکھے گا میرے بغیر۔ جانا ہی تھا تو تندرست ہو کر روشن آنکھیں لے کر جاتا'' قرۃ العین نے روتے ہوئے کہا تو عائشہ بیگم دکھے دل اور بھیگتے لہجے میں بولیں

''وہ بے چارہ بھی تو مجبور تھا اللہ سے دعا کرو کہ وہ جہاں بھی رہے خوش رہے۔ تندرست رہے اور خیریت سے روشن آنکھوں کے ساتھ واپس لوٹے۔''

''میں تو اس کیلئے ہمیشہ دعائیں مانگا کرتی ہوں۔ اب کیسے نہیں مانگوں گی۔ اب تو وہ اور زیادہ دعاؤں میں رہے گا۔'' قرۃ العین نے ہچکیاں لے کر کہا عائشہ بیگم نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

اگلی صبح وہ بخار میں سلگ رہی تھی۔ سب پریشان ہو گئے۔ ڈاکٹر کو گھر بلایا گیا تین چار دن

تک وہ مسلسل بخار اور نقاہت میں مبتلا رہی۔ عائشہ بیگم اور نغمہ بھابھی کے علاوہ زین، عروشہ، اظفر حسن اور احمد حسن نے بھی اس کی بہت دیکھ بھال کی انور رؤف اور عامرہ بیگم بھی دن میں کئی بار اس کو دیکھنے آتے وہ اسے اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے قرۃ العین نے جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ وہ سب کی محبتوں کو دیکھ کر شرمندہ سی ہو جاتی کہ اس کی وجہ سے وہ سب پریشان ہوئے۔ نبیلہ بھابھی، اشعر بھائی اور ایمان بھی صبح و شام اس سے ملنے آتے اشعر بھائی کو اس سے بے حد پیار تھا اس کی یہ حالت انہیں بہت دکھی کر رہی تھی وہ اس کی ہمت بندھاتے، اسے تسلی اور حوصلہ دیتے۔ انہیں اور انور رؤف کو بھی معلوم تھا کہ احمر عامرہ بیگم کی عینی کو طلاق دینے کی فرمائش کے سبب یہاں سے چلا گیا ہے اسی لیے وہ ان سے ناراض بھی تھے۔ جبکہ عامرہ بیگم، شاکرہ بیگم اور جمیلہ بیگم کو اس بات کا غصہ تھا کہ احمر، عینی کو طلاق دے کر کیوں نہیں گیا۔

کچھ دن بعد اس کا بخار تو اتر گیا تھا مگر کمزوری بہت ہو گئی تھی۔ عائشہ بیگم اور نغمہ بھابھی اسے زبردستی کھلاتیں بالآخر اسے خود کو سنبھالنا پڑا۔ یہ سوچ کر کہ احمر سے صرف اس کا ہی تو پیار کا رشتہ نہیں تھا سب گھر والوں کا بھی اس سے پیار کا خون کا رشتہ تھا درد سب کا مشترکہ تھا اور پھر اس کے پاس تو احمر کی محبت کی نشانی تھی اس کے زندہ رہنے خوش رہنے کا ایک مضبوط جواز موجود تھا۔ لہٰذا اس نے عہد کیا کہ وہ اب پریشان نہیں ہو گی مگر احمر کی تصویر دیکھ کر آنسوؤں پر سے خود بخود اختیار اٹھنے لگتا تھا۔ وہ احمر کا لکھا ہوا خط دیکھ رہی تھی جو اس نے اپنے امی ابو کے نام لکھا تھا۔ جملوں کی لائنیں بے ترتیب تھیں لیکن صاف طور پر تحریر پڑھی جا رہی تھی۔

”تو احمر اس لیے تم نے لیٹر پیڈ پر اشعار لکھ کر مجھ سے پوچھا تھا کہ صحیح لکھا ہے نا۔ یہ جدائی کی تحریر لکھنے کی مشق کر رہے تھے تم۔“ وہ بھیگتی آواز میں خود سے مخاطب تھی۔

”عینی کیسی ہو بیٹا!“ اسی وقت عامرہ بیگم اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

”ٹھیک ہوں امی آیئے بیٹھیے۔“ اس نے خط تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک کہاں ہو اتنی کمزور ہو گئی ہو تم، آئینہ دیکھا ہے تم نے کیسے تمہاری گلابی رنگت پیلی، سفید پڑ گئی ہے۔“ عامرہ بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے ذرا مسکرا کر کہا۔

”امی! چند دن میں، میں پھر سے گلابی ہو جاؤں گی یہاں سب میرے کھانے پینے کا آرام کا بہت خیال رکھتے ہیں۔“

”وہ تمہارا نہیں اس بچے کا خیال رکھ رہے ہیں جو تمہارے وجود میں نمو پا رہا ہے۔ قرۃ العین یہ بچے والا قصہ یہیں ختم کر دو کوئی ضرورت نہیں ہے اسے دنیا میں لانے کی۔“ عامرہ بیگم نے

تلخی اور سفاکی سے کہا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی؟“ وہ حیرت سے ماں کا چہرہ دیکھ کر بولی۔

”وہی جو تم نے سنا ہے جب احمر ہی چلا گیا ہے تو پھر اس کی اولاد کیوں رہے تمہارے پاس؟“

”امی یہ صرف احمر کی ہی نہیں میری بھی اولاد ہے اور میں اپنی اولاد کا قتل نہیں کر سکتی۔“ وہ نم آواز میں بولی۔

”یہ میری اور احمر کی محبت کی نشانی ہے امی!“

”ختم کر دو اس نشانی کو تم کیوں اس کے پیچھے اپنی ساری زندگی برباد کرنے پر تلی ہو وہ نہیں آئے گا اب۔“ عامرہ بیگم نے تیز لہجے میں کہا۔

”وہ ضرور آئے گا وہ میرے ساتھ بے وفائی کر ہی نہیں سکتا۔ اسے آنا ہو گا میں اس کی محبت کو کیسے ختم کر دوں امی! یہ بچہ تو میرے جینے کی آس اور امنگ بن کر آیا ہے اس کی آس نہ ہوتی تو میں تو احمر کی جدائی کے صدمے سے مر ہی جاتی۔“ وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

”کچھ نہیں ہو گا تمہیں تمہارے سامنے پوری زندگی پڑی ہے۔ بیس برس کی عمر بھی کوئی عمر ہے اتنی کم عمری میں تم یہ روگ لگا بیٹھی ہو میں نے کہا بھی تھا کہ احمر سے طلاق لے لو مگر تم پر تو اس کی محبت کا بھوت سوار تھا۔“ عامرہ بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

”تھا نہیں اب بھی ہے۔“

”اب کیا ساری زندگی اس کے نام پر بیٹھی رہو گی؟“ وہ غصے سے بولیں۔

”اس نے تو تمہیں بیچ سڑک کے لا کھڑا کیا ہے نہ اس پار جا سکتی ہو نہ اس پار۔“

”میں جہاں کھڑی ہوں وہیں ٹھیک ہوں مجھے وہیں رہ کر احمر کا انتظار کرنا ہے۔ جب وہ آئے گا تو اپنی محبت کی جیتی جاگتی نشانی دیکھ کر کتنا خوش ہو گا۔“ وہ سنجیدگی سے بولی۔

”پچھتاؤ گی تم۔“

”میں نہیں پچھتاؤں گی احمر نہ آیا تب بھی میں اپنے بچے کے سہارے ساری زندگی گزار دوں گی اور اگر خدانخواستہ اس نے مجھے طلاق بھجوا دی جس کا مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا، تو بھی میں کسی دوسرے مرد کو اپنی زندگی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دوں گی میرے لیے احمر کی اب تک کی محبت ہی بہت ہے جینے کے لئے اس سے ہٹ کر میں کسی کو سوچ ہی نہیں سکتی کبھی نہیں امی!“ قرۃ العین نے پراعتماد اور اٹل لہجے میں کہا اور عامرہ بیگم جانتی تھیں کہ وہ ایسی ہی ہے اپنی بات پر ضد پر۔ اپنے مؤقف پر ڈٹ جانے والی سو انہوں نے آخری حربہ آزمانے کی کوشش کی

وہ حمل ضائع کرنے والی دوائی لائی تھیں اور اسے بہانے سے کھلانا چاہتی تھیں۔

"اچھا چھوڑو اس قصے کو لو یہ گولیاں کھالو میں گئی تھیں تمہاری ڈاکٹر کے پاس اس سے طاقت کی گولیاں لائی ہوں لو کھاؤ تاکہ کچھ جان آجائے تم میں جب اپنی صحت ہی ٹھیک نہیں ہوگی تو بچے کی نشوونما کہاں سے ہوگی؟" عامرہ بیگم نے نرمی سے کہتے ہوئے گولیاں لفافے میں سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیں۔

"امی! مجھے ڈاکٹر نے طاقت کی دوا دی ہے میں کھا رہی ہوں یہ۔ امی یہ گولیاں کیسی ہیں ان کا رنگ۔ اونو امی! آپ...... میرے بچے کو مارنا چاہتی ہیں۔"

وہ اتنی تو پڑھی لکھی تھی اور زچہ بچہ کی صحت سے متعلق اس کی معلومات بھی ٹی وی اخبارات اور ڈاکٹر کی دی ہوئی کتابوں کے ذریعے ہوگئی تھیں کہ وہ گولیاں دیکھ کر ہی پہچان گئی تھی کہ اس کی صحت کیلئے نہیں اس کے بچے کی موت کیلئے دی جارہی ہیں۔ اس نے چیخ کر تڑپ کر کہا تو عامرہ بیگم بوکھلا گئیں۔

"پاگل مت بنو عینی چپ چاپ کھالو یہ گولیاں۔" وہ غصے سے بولیں۔

"کیوں کھالوں، کیوں ماردوں میں اپنے بچے کو۔ اگر احمر ساری زندگی نہ آیا نہ اس نے مجھے طلاق بجھوائی تو آپ مجھے۔ بیوہ کی سی بانجھ کی سی زندگی گزارتے دیکھ کر خوش رہ سکیں گی امی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"عینی بیٹے کیا ہوا! تم پھر رونے لگیں؟"

عائشہ بیگم، عامرہ بیگم کیلئے ٹرے میں چائے وغیرہ سجا کر لائی تھیں اسے روتا دیکھ کر ٹرے میز پر رکھی اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

"پھپھو، پھپھو یہ دیکھیں یہ امی...... یہ دوائی مجھے کھلا کر میرے اور احمر کے بچے کو مارنا چاہتی ہیں۔" وہ بستر سے اتر کر روتی ہوئی ان کے پاس جا کر انہیں ٹیبلیٹ دکھاتے ہوئے بولی تو وہ تڑپ کر رہ گئیں۔

"بھابھی! آپ اس حد تک جاسکتی ہیں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیسی ماں ہیں آپ جو اپنی بیٹی کی کوکھ اجاڑنے پر تلی ہیں۔ احمر آپ کی وجہ سے گھر چھوڑ گیا ہے وہ میرا بیٹا ہی نہیں ہے آپ کا داماد بھی ہے عینی بیوی ہے احمر کی وہ اسے طلاق نہیں دے کر گیا کہ آپ اس کی گود اجاڑ کر اسے اپنے آوارہ بھانجے سے بیاہ دیں گی۔ عینی کے جینے کا کوئی تو سہارا باقی رہنے دیں۔ یہ بچے کی دیکھ بھال اور پرورش میں کھو کر احمر کی جدائی کا غم کم محسوس کرے گی۔ آپ کیوں اس کی خوشیوں کے ساتھ ساتھ

اس کی ممتا کا بھی قتل کرنا چاہتی ہیں؟ آپ کی خواہ مخواہ کی ضد نے ہم سب کو دکھ سے دوچار کیا ہے۔ مائیں تو اپنی اولاد کیلئے اپنا سب کچھ قربان کردیتی ہیں آپ عجیب ماں ہیں جو اپنی اولاد سے قربانی کی خواہش مند ہیں۔ کیوں مارنا چاہتی ہیں آپ اس معصوم کو کیوں اجاڑنا چاہتی ہیں اس کی گود؟ کیا خوشی ملے گی آپ کو اپنی سگی اور اکلوتی بیٹی کو موت سے ہمکنار کر کے بولیے جواب دیجیے بھابھی، قرۃ العین کو آنسو، دکھ اور آہیں دے کر آپ کے کون سے جذبے کی تسکین ہوگی؟"

عائشہ بیگم نے قرۃ العین کو اپنے سینے سے لگا رکھا تھا وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ انہوں نے عامرہ بیگم کو تاسف بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ماں ہوں عینی کی مجھے اس کی خوشی عزیز ہے۔" وہ شرمسار ہوکر بولیں۔

"اس کی خوشی عزیز ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں ہمیشہ کیلئے چھوڑ دوں گا۔" انور رؤف جانے کب آئے تھے ان کی ساری باتیں سن چکے تھے اسی وقت اندر داخل ہوکر عامرہ بیگم کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا تو ان کا رنگ اڑ گیا۔

"ابو!" قرۃ العین تڑپ کر ان کے سینے سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

انہوں نے اسے محبت سے اپنی بانہوں میں بھر کر چوم لیا۔

"بس ابو کی جان! اب تمہیں کوئی بھی تنگ نہیں کرے گا تم اپنی صحت کا خیال رکھو اور عامرہ بیگم آپ کو میری یہ لاسٹ وارننگ ہے اب اگر آپ کی وجہ سے میری بیٹی کی آنکھیں بھیگیں نا تو مجھ سے گلہ مت کیجیے گا۔" انور رؤف نے پہلے قرۃ العین کو پیار سے حوصلہ دیا پھر عامرہ بیگم کو مخاطب کر کے غصیلے لہجے میں کہا تو وہ تڑپ کر خوفزدہ ہوکر رہ گئیں۔

"نہیں ابو آپ امی کو نہیں چھوڑیں گے۔"

قرۃ العین نے روتے ہوئے کہا۔

"امی کیسے رہیں گی آپ کے بغیر؟"

"عینی! میری بچی مجھے معاف کردے میری جان! میں واقعی بہت بے حس اور پتھر دل ہوگئی تھی مجھے معاف کردے میری بچی۔"

عامرہ بیگم بیٹی کی بات سن کر شرمندگی سے زمین میں گڑ گئیں۔ وہ ماں ہوکر بیٹی کا گھر اور کوکھ اجاڑنے کی کوشش کر رہی تھیں اور وہ بیٹی ہوکر ماں کا گھر بچانے کی بات کر رہی تھی ان کے سہاگ کے بغیر ان کی زندگی میں آنے والے دکھوں پر پریشان ہو رہی تھی۔ وہ روتے ہوئے بولیں اور آگے بڑھ کر اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

"بیگم صاحبہ! یہ بھی کوئی ڈرامہ ہے یا۔" انور رؤف نے انہیں شاکی نظروں سے دیکھا۔

"انور پلیز آپ بھی مجھے معاف کردیں میں غلطی پر تھی۔ بھٹک گئی تھی عینی تو میری اولاد ہے میری پیاری سی بیٹی ہے نجانے کیوں میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ اللہ مجھے معاف کرے میں بہت کفر بکتی رہی ہوں۔ اللہ احمر کو ساتھ خیریت کے واپس گھر لائے۔ میں اس سے بھی معافی مانگ لوں گی۔" عامرہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

"بروقت معافی مانگ لینا ہی بہتر ہوتا ہے عامرہ بیگم اور آپ کو میں یہ بتانے کیلئے گھر آیا تھا کہ آپ کے چہیتے بھانجے ماجد صاحب جنہیں آپ اپنا داماد بنانا چاہتی تھیں اب تک اس وقت حوالات میں بند ہیں جانتی ہیں کس جرم میں؟" انور رؤف نے ان کی صورت کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ عائشہ بیگم اور قرۃ العین بھی حیران ہوکر انہیں دیکھنے لگیں۔

"ماجد کو رات پولیس اس جگہ سے گرفتار کر کے لائی ہے جہاں دن تو کیا شرفا رات کی تاریکی میں بھی جانا پسند نہیں کرتے اس کے تین آوارہ قسم کے دوست بھی اس کے ساتھ پکڑے گئے ہیں پیسوں پر جھگڑا ہوا تھا ان لوگوں کا اور تم اس بازار کا مزاج تو جانتی ہی ہوگی، وہاں تو سارا کاروبار ہی پیسے پر چلتا ہے مفت خوروں کو تو وہاں کے لوگ اسی طرح نکال باہر کرتے ہیں یا اندر کرا دیتے ہیں۔ اب شاکرہ بیگم کی بھی عقل ٹھکانے آجائے گی اور ہمارے بھتیجے صاحب کا کارنامہ بھی سن لو۔"

"کون خالد؟" عائشہ بیگم نے حیران ہوکر پوچھا۔

"جی ہاں خالد صاحب پر بینک سے پندرہ لاکھ روپے خرد برد کرنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ تحقیقات شروع ہوگئی ہے اگر جرم ثابت ہوگیا تو جیل اور جرمانہ الگ ہوگا ذلت اور رسوائی الگ ہوگی۔ یہ لوگ ہیں جو ہماری پھول سی بیٹی کو محض دولت کی خاطر اپنانا چاہتے تھے۔ دیکھ لیا عامرہ بیگم ان لوگوں کا انجام اللہ تعالیٰ نے بہت جلد ان کی رسی کھینچ لی۔ آپ بھی توبہ کیجیے احمر کو جو کچھ آپ کہتی رہی ہیں اس کی سزا ملنے سے پہلے توبہ کرلیں کیونکہ آپ بھی ایک بیٹے کی ماں ہیں۔" انور رؤف نے ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد ان سے کہا۔ وہ سر ہلاتی وہاں سے باہر نکل گئیں گھر جا کر نفل نماز پڑھ کر اللہ کے حضور معافی کی درخواست جو پیش کرنی تھی انہوں نے۔

☆☆☆

مانا کہ یہ سنسان گھڑی سخت کڑی ہے
لیکن میرے دل میں تو فقط ایک گھڑی ہے
ہمت کرو جینے کو تو اک عمر پڑی ہے

قرۃ العین نے احمر کی تصویر کو دیکھتے ہوئے اپنے رخساروں پر بہتے آنسو صاف کرلیے۔ اسے احمر سے کیا وعدہ پورا کرنا تھا اپنا خیال رکھنا تھا اس کی محبت کی نشانی کو محبت سے پروان چڑھانا تھا اور پھر احمر کی ذات سے وابستہ تمام لوگ بھی تو اس کے ساتھ اس سے پیار کرتے تھے اس کیلئے فکر مند تھے اس کا خیال رکھ رہے تھے اسے تو خود کو سنبھالنا ہی تھا۔ اس نے ایک ڈائری خرید لی تھی تاکہ جب بھی احمر سے بات کرنے کو جی چاہے وہ ساری باتیں ڈائری میں لکھ سکے اور اس کے آنے پر اسے دکھا سکے۔

عامرہ بیگم، شاکرہ بیگم سے ملنے ان کے گھر پہنچیں تو ماجد کو بھی وہاں موجود پایا وہ ایک ہفتہ حوالات میں رہنے کے بعد ضمانت پر رہا ہوکر گھر آیا تھا۔ وہ دونوں ماں بیٹا آپس میں قرۃ العین کی ہی بات کررہے تھے ماجد کی بات سے عامرہ بیگم نے اندازہ لگایا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

"امی جی! آپ تو ہوا میں تیر چلا رہی ہیں قرۃ العین کوئی کنواری دوشیزہ نہیں ہے اب وہ احمر کی بیوی اور اس کے ہونے والے بچے کی اماں جان ہے آپ کسی شادی شدہ عورت کا نکاح اپنے بیٹے سے کیسے کرا سکتی ہیں؟"

"احمر کون سا یہاں ہے ہم احمر کی طرف سے قرۃ العین کو طلاق بھجوا دیتے ہیں۔" شاکرہ بیگم کے شیطانی دماغ نے مشورہ دیا۔

"یعنی جھوٹی اور جعلی طلاق۔"

"اور کیا؟"

"اور اگر احمر واپس آگیا تو کیا ہوگا؟"

"احمر کے واپس آنے تک تم قرۃ العین کے شوہر بن کر اس سے اس کی جائیداد اپنے نام کروا چکے ہوگے۔" شاکرہ بیگم نے شاطرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو ماجد نے مسکراتے ہوئے انہیں داد دیتے ہوئے کہا۔

"واہ امی! آپ کا بھی جواب نہیں ہے آپ تو بہت دور کی سوچتی ہیں۔"

"دور کی سوچتی ہیں اسی لیے قریب کے رشتوں کو ڈستی ہیں۔" عامرہ بیگم نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہوئے کہا تو وہ ٹپٹا گئیں۔

"عا......عامرہ تم......آؤ......تم کب آئیں؟"

شاکرہ بیگم نے بوکھلا کر پوچھا۔

"میں تو تم سے یہ کہنے آئی تھی کہ اب میری بیٹی کے معاملے میں مداخلت مت کرنا مگر

یہاں آکر تمہاری اصلیت سے پردہ اٹھتے دیکھ کر مجھے اپنے آپ سے ندامت ہو رہی ہے کہ میں تم جیسی لالچی، خودغرض اور مکار عورت کی بہن ہوں اور تمہاری باتوں میں آکر اپنی معصوم بیٹی اور داماد کو دکھ دے بیٹھی۔ تمہیں میں کبھی معاف نہیں کروں گی شاکرہ اور تمہاری اس سازش سے سب کو آگاہ کردوں گی۔تم اپنے آوارہ بیٹے کیلئے کوئی ایسی لڑکی تلاش کرو جو اسے ناچ گانا دکھا سنا سکے جس کے پیچھے یہ حوالات کی سیر کر کے آیا ہے۔آج سے تمہارا میرا ہر رشتہ ہر تعلق ختم ہوا۔ بہن بن کر ملنا ہو تو...... میرا نام پکار لینا ورنہ مجھے یاد کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں سمجھیں تم...... سازشی مکار اور لالچی عورت۔'' عامرہ بیگم نے انہیں نفرت اور غصے سے دیکھتے ہوئے کہا اور وہاں سے تیزی سے باہر نکل گئیں۔ ماجد نظریں چرا کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا اور شاکرہ بیگم غصے، شرمندگی اور ذلت سے ہاتھ ملتی رہ گئیں۔

گھر آکر عامرہ بیگم خوب روئیں اور انور رؤف سمیت سب کو شاکرہ بیگم کی اس سازش سے آگاہ کر دیا تاکہ اگر ایسا کچھ ہو تو ان سب کے علم میں یہ بات ہو اور وہ معاملے کو سوچ سمجھ کر حل کرسکیں اور عینی سمیت کسی کو مزید دکھ نہ پہنچے۔ عامرہ بیگم نے یہ بات بتا کر ان سب کے دلوں میں اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کرلیا تھا اور اب تو وہ خود بھی قرۃ العین کا خیال رکھنے لگی تھیں۔ خالد رؤف پر بینک سے غبن کا الزام سچ ثابت ہو گیا۔ اکبر رؤف نے انور رؤف اور احمد حسن کی منت کر کے معاملہ عدالت میں جانے سے روکنے کی کوشش کی۔ انور رؤف نے بینک کی انتظامیہ سے بات کر کے خالد سے رقم واپس دلوائی پانچ لاکھ وہ خرچ کر چکا تھا جانے کہاں، پانچ لاکھ کی یہ رقم انور رؤف نے ادا کی۔ خالد کو پولیس سے تو چھٹکارا مل گیا مگر بینک کی ملازمت سے اسے فارغ کر دیا گیا۔ یہی ماجد کے ساتھ ہوا تھا آج کل دونوں بے روزگار پھر رہے تھے۔ جمیلہ بیگم اور اکبر رؤف کے منہ بند ہو گئے تھے وہ جو قرۃ العین اور احمر کو ایک نہیں دیکھنا چاہتے تھے ان کے خلاف ہمیشہ برا سوچا اور کہا کرتے تھے اب ان کے سامنے جانے سے بھی کتراتے رہے تھے۔

قرۃ العین کی شادی کے بعد پہلی عید آئی تو عائشہ بیگم نے اس کیلئے بطور خاص ملبوسات سلوائے ایک سونے کا سیٹ خریدا۔ چوڑیاں جو احمر کو بہت پسند تھیں وہ بھی خریدیں، مہندی، گجرے سب کچھ خرید لائیں۔ قرۃ العین نے یہ سب چیزیں دیکھیں تو حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''پھپھو! یہ سب چیزیں کس کیلئے ہیں؟''

''میرے احمر کی دلہن کیلئے ہیں میری عینی کیلئے ہیں۔'' انہوں نے پیار سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر جواب دیا۔ احمر کے ذکر پر اس کا دل بے کل ہو گیا۔

''تمہاری شادی کے بعد یہ پہلی عید ہے نا اس لیے تم دلہن کی طرح تیار ہونا۔''

''کیا فائدہ پھپھو جب دلہن کو دیکھنے والا ہی نہیں ہوگا تو۔''

''ہم تمہاری تصویریں کھینچ لیں گے ہر موقع پر تمہاری ڈھیر ساری تصویریں کھینچیں گے پھر جب تمہارا دولہا آئے گا نا تو تم اسے دکھانا۔''

''پھپھو! اس سے کہیں ناں کہ واپس آجائے یا مجھے بھی اپنے پاس بلا لے اکیلا چلا گیا۔ مجھے بھی تو اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا نا وہ۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی تو انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''بس بیٹا! صبر کرو حوصلے سے یہ وقت گزار لو پھر انشاء اللہ وہ ضرور آئے گا باقی کی ساری عیدیں تمہارے سنگ منائے گا۔'' عائشہ بیگم نے پرنم لہجے میں کہا اس کی سماعتوں میں ماضی کی یاد گونج رہی تھی۔

''پتا ہے عینی اس بار عید کا دن اور عید کی شب میرے لیے کتنی خوشگوار ہوگی ہماری شادی کے بعد کی پہلی پہلی عید جب تم دن ہی میں نہیں رات کو بھی میرے سنگ سنگ ہوگی اور اس رات کا ہر پل تمہارے قرب میں تمہاری محبت کی حرارت میں بسر ہوگا اور ہاں تم اس عید پر دلہن بنو گی۔'' احمر کی شوخ و شریر آواز اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچا گئی۔

''کس کی دلہن؟'' اس نے شوخی سے پوچھا تھا۔

''میری دلہن اور کیا میں اپنے جیتے جی تمہیں کسی اور کی دلہن بننے دوں گا۔''

''میں بھی جیتے جی تمہارے سوا کسی اور کی دلہن نہیں بنوں گی۔''

اس نے اس کے شانے پر اپنا سر رکھ کر کہا اور مزی کے اس رومان پرور ماحول کا حسن اور بھی دوبالا ہو گیا تھا۔ احمر خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

''عینی آؤ میں تمہارے ہاتھوں پر مہندی لگا دوں۔'' نغمہ بھابھی نے کہا تو وہ ماضی کی دلنشین اور حسین یادوں سے باہر نکل آئی اور ان کے سامنے اپنا ہاتھ مہندی کیلئے سیدھا کر دیا۔

☆☆☆

جاتے ہوئے پتہ بھی نہ وہ اپنا دے گئے
ہم عید کارڈ ان کو بھیجیں تو کس طرح؟

قرۃ العین، احمر کی تصویر کو ہاتھوں میں لیے دیکھے جا رہی تھی دل افسردہ تھا۔ آج عید تھی مگر وہ اپنے محبوب شوہر کی دید سے محروم تھی اس کی آواز اس کی محبت سے محروم تھی پھر اس کی عید کیسے

ہوسکتی تھی؟ وہ سب سے عید مل کر عیدی لے کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ آج وہ ہلکے گلابی رنگ کے شرارہ سوٹ میں دلہن کی طرح سجی سنوری بے حد حسین مگر بے حد ملول دکھائی دے رہی تھی سب کو اس کے دکھ کا احساس تھا وہ سب بھی احمر کے بغیر یہ پہلی عید منا رہے تھے افسردہ تو وہ بھی تھے مگر ہنس بول کر یہ غم ٹال رہے تھے اور قرۃ العین کا حوصلہ جب جواب دے گیا تو وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''احمر دیکھو میں تمہارے کہنے کے مطابق دلہن بنی ہوں تو کہاں ہو احمر اس بار تو تم نے مجھے خاص عیدی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ دیکھو اب اپنا وعدہ پورا کرو۔ میری عیدی تم ہو احمر بس تم آ جاؤ پلیز احمر۔''

وہ اس کی تصویر کو دیکھتے ہوئے بولی جیسے وہ اس کی آواز سن ہی تو رہا ہے اور ابھی فریم سے باہر نکل آئے گا۔

''ارے عینی! تم اپنے کمرے میں کیوں چلی آئیں نیچے سب کے ساتھ بیٹھو نا۔''

اسی وقت نغمہ بھابھی اسے ڈھونڈتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

''بھابھی! میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' اس نے احمر کی تصویر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''تم رو رہی ہو، احمر یاد آ رہا ہے نا۔'' نغمہ بھابھی نے اس کے چہرے کو آنسوؤں سے تر دیکھا تو اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''وہ بھولتا ہی کب ہے۔ اسے عید کے دن کا بھی خیال نہیں آیا ایک فون تو کر سکتا ہے نا بھابھی وہ۔''

''ہاں اللہ جانے کس دیس میں مارا مارا پھر رہا ہوگا۔ ہم اسے یاد تو آتے ہوں گے وہ تمہیں تو کبھی بھول ہی نہیں سکتا۔''

''بھول تو گیا ہے مجھے یہاں۔''

''ارے میری جان! وہ تمہیں تمہارے آرام اور سکون کی خاطر ہم سب کے حوالے کر کے گیا ہے اسے احساس تھا کہ تم اس کے نابینا ہونے کے باعث اسے سنبھالتے سنبھالتے پریشان اور ہلکان ہو جاؤ گی اسی لیے تو وہ اکیلا چلا گیا۔''

''پتا نہیں وہ کب واپس آئے گا۔ آئے گا بھی یا۔'' نغمہ بھابھی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''وہ ضرور آئے گا بھابھی، وہ میرے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ وہ مجھ سے زیادہ عرصہ دور رہ ہی نہیں سکتا۔ کب تک نہیں آئے گا۔ دو سال تین سال، پانچ سال زیادہ سے زیادہ دس سال اس سے زیادہ نہیں بھابھی۔ بالآخر اسے لوٹ کر میرے پاس ہی آنا ہے اپنی عینی کے، اپنی روشنی کے پاس۔'' وہ پر یقین لہجے میں بولی۔

''انشاء اللہ۔'' نغمہ بھابھی نے دل سے کہا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

سب کی محبتوں نے اسے بہت حوصلہ دیا تھا وہ اپنے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے احمر کی یادیں کمرے میں ہی چھوڑ جاتی۔ سب کے ساتھ پہلے کی طرح ہنستی بولتی نغمہ بھابھی اور عائشہ بیگم کے ساتھ کبھی باورچی خانے میں کچھ پکانے کیلئے چلی آتی۔ وقت گزرتا گیا اور وہ دن بھی آ گیا جس دن ایک عورت کے قدموں تلے جنت رکھی جاتی ہے۔ عائشہ بیگم کو دیکھتی تو بے اختیار کہتی۔

''پھپھو!......احمر!......احمر کو بلائیں ناں پھپھو۔'' اور عائشہ بیگم تڑپ کر رہ جاتیں۔ دعاؤں کے سائے میں اسے آپریشن تھیٹر بھیجا گیا۔ عائشہ بیگم اور عامرہ بیگم تو باقاعدہ روتے ہوئے قرۃ العین اور اس کے بچے کی صحت وسلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔

''مبارک ہو آپ سب کو مسز احمر ایک صحت مند بیٹے کی ماں بنی ہیں۔''

ڈاکٹر رفعت نے آپریشن تھیٹر سے باہر آ کر جب یہ خبر سنائی تو ان سب کے پریشان چہروں پر خوشی کی کرنیں بکھر گئیں۔ سب نے ایک دوسرے کو گلے لگا کر مبارکباد دی۔

احمر کا بیٹا ہو بہو احمر کی شکل تھا اس کے نین نقش رنگ روپ سب احمر پر گیا تھا۔ گول مٹول سا سرخ و سفید اور چست تھا اس کا بچہ۔ تین گھنٹہ بعد قرۃ العین کو گھر لے جانے کی اجازت مل گئی۔ عائشہ بیگم نے اسے نیچے اپنے کمرے کے برابر والے کمرے میں رہنے کیلئے پہلے ہی کہہ دیا تھا میکے وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے نبیلہ بھابھی سے ڈر تھا کہ کہیں وہ اس کے بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ حالانکہ اب تو نبیلہ بھابھی اپنے بھائی کی حرکتوں کی وجہ سے شرمندہ تھیں اور انور رؤف کے احسان کے باعث ان کی ممنون بھی تھیں اور قرۃ العین کے ساتھ اپنے رویے پر شرمندہ بھی تھیں اس سے معذرت بھی کر چکی تھیں۔ پھر بھی اس کا دل نہیں مانا کہ میکے جا کر رہے اور عائشہ بیگم بھی اپنے پوتے کو اپنی بہو کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھیں اس لیے بھی اس نے میکے جانے کی بات نہ کی۔

گھر بھر میں خوشی کا سا سماں تھا۔

قرۃ العین نے جب گھر آ کر اپنے بیٹے کو اپنی گود میں لے کر دیکھا تو اس کے دل میں

بے قراری اور بے کلی سی پھیلنے لگی۔ وہ احمر ہی کا تو عکس تھا اسی کا پرتو تھا۔ اس کی شبیہہ تھا۔ اس نے اپنے نومولود بیٹے کی پیشانی پر پیارے سے اپنے لب رکھے تو آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ اس نے بچے کو اپنے ممتا بھرے سینے سے لگا لیا اور احمر کو یاد کرتے ہوئے تڑپ تڑپ کر رو دی۔ اسے ''ہنی مون'' پیریڈ کے کچھ یادگار لمحے اس وقت بے قرار کر رہے تھے۔ وہ دونوں دریائے سوات کے قریب پتھروں پر بیٹھتے تھے کہ اچانک قرۃ العین کی نظر ایک فیملی پر پڑی۔ ان کے ساتھ ان کے دو چار پانچ سال کی عمر کے بچے بھی تھے جو سرخ و سفید اور خوبصورت سے تھے۔ قرۃ العین نے انہیں دیکھتے ہی احمر سے پرجوش لہجے میں کہا تھا۔

''احمر! وہ دیکھو کتنے خوبصورت ہیں ناں وہ بچے۔''

''ہاں ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہیں اور انشاء اللہ ہمارے بچے ان سے بھی زیادہ خوبصورت ہوں گے۔'' احمر نے بچوں کو دیکھ کر شوخی سے کہا تھا۔

''احمر!'' وہ شرما گئی تھی۔

''ہاں احمر کی جان! شادی کی پہلی سالگرہ پر مجھے پیارے سے بچے کا تحفہ چاہیے تم سے۔'' وہ ہنس کر اس کا ہاتھ تھام کر بولا تھا۔

''اور تم مجھے یہ تحفہ دینے پر کیا تحفہ دو گے؟''

اس نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''تم کیا تحفہ لینا پسند کرو گی؟''

''تمہارا پیار۔''

''وہ تو تم ابھی لے لو۔'' احمر نے ماحول کی جگہ کی پروا کیے بغیر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

''ابھی سے۔'' وہ شرماتے ہوئے بولی تھی۔

''ہوں، پیشگی پیار دے رہا ہوں۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔''

''میں بعد میں بھی لوں گی اچھا۔'' اس نے اس معصومیت سے کہا تھا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑا تھا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر پیار سے بولا تھا۔

''اچھا میری جان! بعد میں تو تم مجھے پہلے سے بھی زیادہ عزیز اور پیاری ہو جاؤ گی۔ ہاں مگر پہلی اولاد بیٹا ہونا چاہیے۔''

''تم بھی اور مردوں جیسے نکلے نا ہر مرد کو بیٹا چاہیے بیٹی بری لگتی ہے تمہیں بھی۔'' وہ خفگی سے بولی تھی تو وہ ہنس کر کہنے لگا۔

''ارے ارے یہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ مجھے بیٹی بری لگتی ہے۔ بیٹی کو تو میں بیٹے سے بھی زیادہ پیار کروں گا۔ میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ اگر پہلے بیٹی ہوئی تو تمہارے حصے کا پیار بھی میں اس کو دے دوں گا۔''

''بیٹی سے تم سچ مچ اتنا پیار کرو گے۔''

''ہاں تمہیں شک ہے کیا؟''

''مرد تو لڑکے کی خواہش کرتے ہیں انہیں تو وارث چاہیے ہوتا ہے نام زندہ رکھنے والا ان کا جانشین۔''

''پاگل نہ ہو تو میں اس اعتبار سے تھوڑی کہہ رہا تھا میں تو پیار کے حوالے سے بات کر رہا تھا۔ بیٹی تو ماں باپ کے گھر میں مہمان ہوتی ہے اسے تو اتنا پیار دینا چاہیے کہ وہ سسرال، میکے سے بہت خوبصورت یادیں لے کر جائے۔'' احمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر تو بیٹا ہی ہونا چاہیے میں اپنی بیٹی کو اپنے سے الگ نہیں کر سکوں گی۔'' قرۃ العین نے ہراساں ہو کر کہا۔

''ابھی سے پریشان ہو گئیں ابھی بیٹی کو آ تو لینے دو۔ ہم اسے زیادہ دور بیاہیں گے ہی نہیں اظفر بھائی کے زین سے بیاہ دیں گے پھر تو ٹھیک ہے نا۔ بیٹی نا ہونے کی دعا مت مانگنا سچ عینی مجھے بہت چاہ ہے کہ میری بیٹی ہو، بہن تو کوئی تھی نہیں کہ اس کے ناز نخرے اٹھاتے۔''

''میں جو تھی۔''

''تمہیں میں نے کبھی اس نظر سے دیکھا ہی نہیں تھا لیکن ناز نخرے تو تمہارے میں نے خوب اٹھائے ہیں۔'' وہ اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تو کیا اب نہیں اٹھاؤ گے؟''

''کیوں نہیں اٹھاؤں گا اب تو اور زیادہ تمہارے ناز اٹھاؤں گا۔''

''اچھا اگر بیٹا ہوا تو تم خوش ہو گے نا۔''

''بہت خوش ہوں گا وہ تو میرے اور تمہارے وجود کا حصہ ہوگا بھلا اپنے آپ سے کوئی بیزار یا ناخوش ہوتا ہے۔ بس جو بھی ہو نیک ہو، صحت مند اور خوبصورت ہو۔'' احمر نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہو گئی تھی۔

''بیٹے، بیٹی کا نام کیا رکھو گے تم؟''

''بیٹے کا نام اسیس الحسن رکھیں گے اور بیٹی کا نام بیٹی ہونے پر بتاؤں گا۔'' احمر نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ شرمیلے پن سے ہنس کر بولی۔

''توبہ ہے ہم تو ایسے باتیں کر رہے ہیں جیسے یہ خوش خبری ہمیں مل چکی ہو۔''

''ہاں تو سنا دو نا یہ خوشخبری۔'' وہ اس کے بازو سے لگ کر شرارت سے بولا۔

''ابھی سے پندرہ دن ہوئے ہیں ہماری شادی کو۔''

''ارے پانچ دن بھی بہت ہے۔'' وہ بہت شرارت سے اس پر جھکا تھا۔

''احمر باز آؤ بدتمیز۔'' وہ بری طرح شرما گئی وہ ہنس پڑا۔

''احمر!'' وہ کھڑا ہو رہا تھا کہ اس کا پاؤں پتھر سے پھسلا اور قرۃ العین کی چیخ نکل گئی۔ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ گرا نہیں تھا بلکہ سنبھل گیا تھا اور اس کی حالت دیکھ کر شرارت سے ہنس رہا تھا۔

''عینی بیٹا!'' اشعر بھائی کی آواز پر وہ بری طرح چونکی اور ماضی کے خوبصورت لمحوں کی یادوں کے حصار سے باہر نکل آئی۔

''جی...... جی بھائی!''

''کیا سوچ رہی ہے میری گڑیا؟'' اشعر بھائی نے بہت پیار سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔''

''پھر یہ آنسو۔'' انہوں نے اس کے رخساروں پر بہتے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کیے۔

''یہ آنسو تو اب ہر خاص موقع پر چلے آتے ہیں کسی کی یاد بن کر۔'' اس نے بھیگتی آواز میں معنی خیز جواب دیا۔

''یہ پیارا سا کھلونا بھی تو کسی کی محبت کی نشانی ہے نا، تمہارے احمر کی نشانی اس کیلئے ہمت سے کام لو میری بہنا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا پیارا سا کھلونا دے دیا ہے اب تو تم اتنی مصروف ہو جاؤ گی کہ آنسو بہانے کا موقع بھی نہیں ملے گا اور جانتی ہو میں نے تمہارے لیے کیا سوچا ہے؟'' اشعر بھائی نے اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر نرمی سے محبت سے کہا۔

''کیا؟''

''میں نے سوچا ہے کہ جب تم تندرست ہو جاؤ گی تو میں تمہیں ایڈمیشن فارم لا کر دوں گا تم اپنی تعلیم مکمل کرنا ٹھیک ہے۔''

''بھائی میں کیسے پڑھوں گی؟''

''جیسے پہلے پڑھتی تھیں اس منے کو تو اس کی نانی، دادی، مامی اور تائی جان سنبھال لیں گی اور ماشاء اللہ میری بہن بہت قابل اور ذہین ہے۔ ماسٹر بھی فسٹ پوزیشن بلکہ اے گریڈ میں کر سکتی ہے۔''

اشعر بھائی نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''لیکن بھائی! میرا بیٹا تو ابھی صرف ایک ہفتے کا ہے جب یہ ایک سال کا ہو جائے گا نا تب میں اپنی ایجوکیشن شروع کروں گی اسے ابھی میری زیادہ ضرورت ہے۔'' قرۃ العین نے اپنے بیٹے کا ماتھا چوم کر کہا۔

''دیکھا کتنی سمجھدار ہے میری بہن اسے اپنی ذمہ داریوں کا کتنا احساس ہے۔'' اشعر بھائی نے مسکراتے ہوئے اظفر حسن کو دیکھ کر فخر سے کہا۔

''اس میں کیا شک ہے ہماری بہنا تو شروع سے ہی ذمہ دار اور سمجھدار ہے اور تم دیکھنا اشعر، عینی اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہمارے ساتھ اپنا بزنس بھی سنبھالے گی۔'' اظفر حسن نے قرۃ العین کے سر پر ہاتھ پھیر کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''بھائی اپنا بزنس۔'' قرۃ العین نے حیرانگی سے اظفر حسن کو دیکھا۔

''ہاں میری گڑیا تمہارے احمر کا بھی تو ہمارے بزنس میں شیئر ہے نا ابو اور میں تو بزنس کی لک آفٹر کرتے ہیں تم اپنی تعلیم مکمل کر لو گی تو تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جانا۔ اس طرح تمہاری تعلیم بھی کام آئے گی اور تمہارا وقت بھی بہت اچھا گزرے گا۔'' اظفر حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا وقت اچھا گزارنے کیلئے اللہ میاں نے تحفہ جو دے دیا ہے مجھے۔'' وہ اپنے بچے کے سر پر دست شفقت رکھ کر اسے ممتا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی تو وہ دونوں مسکرا دیئے۔

''یار تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی میں اور ابو بھی یہی سوچ رہے تھے کہ عینی ہمارے ساتھ کام کرے گی تو اس کا وقت اچھا گزر جائے گا اور اسے اپنا بزنس سنبھالنے اور چلانے کا تجربہ بھی ہو جائے گا۔'' اشعر بھائی نے اظفر حسن کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولے۔

''تو ایسا کریں گے کہ پندرہ دن عینی ہمارے ساتھ آفس چلی جایا کرے گی اور پندرہ دن تمہارے آفس کیوں ٹھیک ہے نا۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''فی الحال کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ بہن ہسپتال سے گھر آئی ہے اور تم دونوں اسے بزنس

چلانے کے پروگرام بتانے بیٹھ گئے۔ ارے اسے آرام کرنے دو کتنی دیر سے یہ بیٹھی ہے کچھ تو خیال کرو میری بیٹی کا۔" عامرہ بیگم نے قرۃ العین اور بچے کیلئے لائے ہوئے کپڑے وغیرہ وارڈ روب میں سیٹ کر کے رکھنے کے بعد ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

"سوری سسٹر، تم آرام کرو اس موضوع پر ایک سال بعد بات ہوگی انشاءاللہ۔" اظفر حسن نے قرۃ العین کا سر تھپک کر کہا اور اشعر بھائی کے ساتھ اس کے کمرے سے باہر نکل گئے۔ عامرہ بیگم اپنے نواسے کو اس کی گود سے لے کر پیار کرنے لگیں۔

☆☆☆

"احمر اللہ نے ہمیں بیٹا دیا ہے۔ بیٹی شاید اس لیے نہیں دی کہ تم بیٹی کے ناز نخرے اٹھانے کیلئے موجود نہیں تھے۔ پیشگی پیار بھی تم نے اسی لیے کیا تھا نا مجھے کہ اس اہم اور خاص موقع پر تم کو یہاں نہیں ہونا تھا۔ تقدیر نے تم سے ساری باتیں کہلوا دیں شاید اس لیے کہ تمہیں یہاں سے جانا تھا۔ تم کیا جانو احمر کہ آج میں نے تمہیں کتنا مس کیا ہے۔ ہر لڑکی کی زندگی میں جب یہ مرحلہ آتا ہے تو وہ یہی چاہتی ہے کہ اس کا شوہر اس کے پاس ہو اس کی ہمت بندھانے کیلئے اسے حوصلہ دینے کیلئے اسے اپنے پیار بھرے لمس سے آرام پہنچانے کے لئے اس کی تکلیف کے احساس کو کم کرنے کیلئے وہ اس وقت میں اس کے ساتھ ہو مگر تم کہاں تھے احمر ایسے موقعوں پر تصور اور خیال سے تو بات نہیں بنتی۔ جسمانی اور جذباتی طور بھی انسان کو اپنی موجودگی کا احساس چاہیے ہوتا ہے۔ میں تمہیں پکارتی رہی۔ شدید تکلیف کے باوجود میری زبان پر تمہارا نام تھا اور میری آنکھیں۔ ہوسپٹل کے کمرے کے دروازے پر اٹھتی رہیں کہ شاید اب تم چلے آؤ۔ مگر تم نہیں آئے۔ سب میرے پاس موجود تھے ایک تم ہی نہیں تھے اللہ جانے تم نے میرے دل کے بعد کہاں جا کر ڈیرے ڈال لیے جو تمہیں میری پکار میری سسکیاں میری آہیں تک سنائی نہیں دیتیں۔ تم کب آؤ گے احمر؟ سنو...... میرے جانے سے پہلے آجانا۔ میں تمہارے ہاتھوں سے اپنی آخری آرام گاہ میں اترنا چاہتی ہو۔ اتنی دیر مت کرنا احمر کہ تمہاری یاد کا درد ہی میرا دل بند کر دے۔ مجھے اپنے بیٹے کیلئے نئے عزم اور حوصلے سے جینا ہوگا اور احمر یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں تمہارے بیٹے کو تم سے آشنا کراتی رہوں گی۔ جب تم اپنے بیٹے سے ملو گے نا تو وہ فوراً تمہیں پہچان لے گا اور تمہیں پاپا کہہ کر حیران کر دے گا اللہ ہمارے بیٹے کو صحت مند، نیک، باکردار اور کامیاب انسان بنائے آمین! احمر تم نے تو کہا تھا کہ تم مجھے بعد میں ماں بننے کے بعد بھی پیار کرو گے میں تمہیں پہلے سے زیادہ پیاری اور عزیز ہو جاؤں گی۔ پیشانی اب تک تمہارے ہونٹوں کے لمس کو تمہارے پیار کو ترس رہی ہے۔ تم بہت ظالم ہو

احمر حسن تم نے مجھے بہت دکھ دیا ہے۔ سب سے زیادہ پیار بھی تم نے ہی مجھے دیا تھا اور سب سے زیادہ آزار کا باعث بھی تم ہی بنے ہو۔ پہلے تم میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھتے تھے اور اب میں روتی رہتی ہوں اور تم نہ مجھے اپنے سینے سے لگاتے ہو نہ میرے آنسو صاف کرتے ہو۔ چلو تمہاری مرضی جہاں رہو خوش رہو اور تندرست رہو۔ میں ہر روز تمہاری بینائی بحال ہو جانے کی دعائیں مانگتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جب تم مجھ سے ملو گے تو تمہاری آنکھیں روشن ہوں گی تم مجھے دیکھ سکو گے انشاءاللہ، اور احمر حسن میں تم سے ایک ایک پل کا حساب لوں گی تمہیں بس اب اور نہیں لکھا جا رہا۔ میری تکلیف بڑھ رہی ہے۔ تم پاس ہوتے تو خیر باقی باتیں پھر سہی۔ شب بخیر۔"

قرۃ العین نے ڈائری میں ساری باتیں لکھ دیں قلم رک گیا مگر آنسو نہیں رکے تھے۔ وہ اسی طرح دل کی باتیں آپ بیتی ڈائری پر دن اور تاریخ کے ساتھ لکھتی رہتی تھی۔ اب تھک کر سو گئی۔ تو احمر خواب میں سرخ پھولوں کا بڑا سا بکے لیے اس کے پاس چلا آیا۔ اس کی پیشانی پر پیار کیا اور بچے کو گود میں اٹھا کر مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا پھر اسے بھی پیار کر کے دوبارہ اس کے پہلو میں لٹا دیا۔ اس کی پیشانی پھر سے چومی اور اس کا گال تھپتھپا کر مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"احمر" وہ خواب کے ساتھ ساتھ حقیقت میں بھی اسے پکار اٹھی۔

"عینی کیا ہوا بیٹا؟" عائشہ بیگم جو اس کے پاس ہی سوئی ہوئی تھیں اس کی پکار پر اٹھتے ہوئے بولیں اس نے آنکھیں کھول کر دروازے کی سمت دیکھا دروازہ بند تھا۔

"پھپھو! ابھی احمر آیا تھا یہاں۔ اس نے ہم دونوں کو پیار کیا تھا، بکے بھی دیا تھا۔ وہ بہت خوش تھا مگر پھر چلا گیا۔ وہ خواب تھا پھپھو۔ وہ تو خواب میں آیا تھا۔ حقیقت میں کب آئے گا وہ؟ وہ سچ مچ کب آئے گا پھپھو؟" وہ بے بسی اور دکھ سے بھیگتی آواز میں بولی۔

"آجائے گا احمر! تمہارے خواب میں تو آیا ہے نا اس کا مطلب ہے کہ وہ تمہارے پاس ہے۔ تمہاری خوشی کو تمہاری تکلیف کو محسوس کر رہا ہے وہ تم سے دور نہیں ہے چندا اس کا پیار تمہارے پاس موجود ہے، دیکھنا ایک دن وہ اچانک آکر تمہیں، ہمیں ہم سب کو حیران کر دے گا۔" عائشہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام کر چوم کر اسے نرمی سے محبت سے سمجھایا۔

"پتا نہیں وہ دن کب آئے گا؟" اس نے بے بسی سے کہتے ہوئے اپنے پہلو میں لیٹے بچے کو دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔ عائشہ بیگم بھی دکھ سے لب بھینچ کر رہ گئیں۔

احمر کی یاد انہیں بھی تو بے چین رکھتی تھی وہ تو ہر پل اس کی صحت و سلامتی سے گھر واپسی کی دعائیں مانگتی تھیں۔ قرۃ العین کے سامنے اسے یاد کر کے اسے دکھی نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر ان کا دل

بیٹے کی جدائی میں روتا تڑپتا رہتا تھا۔ اکثر راتوں کو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں اور وہ بے آواز چپکے چپکے روتے روتے سو جاتی تھیں۔ احمد حسن بھی اسی کیفیت سے گزر رہے ہوتے تھے وہ بھی ان سے چھپ کر آنسو بہاتے تھے، دوستوں جیسا بیٹا تھا احمر ان کا ہر دم شرارتیں کرتا، ہنستا ہنساتا، سب کو خوش رکھنے والا سب پر پیار لٹانے والا سب کا خیال رکھنے والا ذہین اور قابل سلجھا ہوا اور فرمانبردار بیٹا تھا وہ ان کا پھر بھلا وہ اسے کیسے بھلا سکتے تھے۔ فرصت کا ہر لمحہ احمر کی یاد میں گزرتا تھا۔ دلوں میں، ذہنوں میں، آنکھوں میں، باتوں میں، دعاؤں میں، آنسوؤں میں ہر شے میں سب نے احمر کو کسی مقدس آیت کی طرح یاد رکھا ہوا تھا۔ خاص کر ''حسن لاج'' کے مکینوں نے۔

''عینی بیٹا! میں نے اپنے پوتے کا نام عاشر سوچا ہے اور اس کے نانا نانی نے عامر تم بتاؤ تم نے اپنے بیٹے کا کیا نام سوچا ہے؟''

احمد حسن نے سب کی موجودگی میں اس کے بیٹے کو بانہوں میں لے کر نرمی سے پوچھا۔

''اسیس الحسن۔'' قرۃ العین نے فوراً احمر کا تجویز کردہ نام بتا دیا۔

''اسیس الحسن، اسیس احمر حسن ہوں۔'' احمد حسن نے اس کا بتایا ہوا نام دہراتے ہوئے سب کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا وہ جان گئے تھے کہ یہ نام صرف اس کی ہی نہیں احمر کی بھی پسند ہوگا۔

''پھپھا جان! آپ کو یہ نام پسند نہیں آیا کیا؟'' قرۃ العین نے انہیں خاموش دیکھ کر پوچھا۔

''کیوں بھئی ایسی کوئی بات ہے کیا؟'' احمد حسن نے سب کو دیکھتے ہوئے تصدیق چاہی۔

''نہیں، بالکل نہیں۔'' سب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''جی تو سنا بیٹا آپ نے، جو نام ہمارے احمر اور عینی بیٹی کی پسند ہے وہ نام ہمیں ناپسند کیسے ہوسکتا ہے؟ آج سے بلکہ ابھی سے احمر اور عینی کے بیٹے کا نام محمد اسیس احمر ہے۔ اسیس احمر ٹھیک ہے نا۔''

''بالکل۔''

''تو مبارک ہو آپ سب کو عینی بیٹا آپ کو بھی مبارک ہو اور اپنے اسیس احمر کو سنبھالو۔ جیتی رہو اللہ تمہیں اسیس کے بچوں کی خوشیاں بھی دکھائے احمر کے ساتھ۔'' احمد حسن نے اسیس کو اس کی گود میں دیتے ہوئے دعا دی۔

''شکریہ پھپھا جان!'' قرۃ العین نے خوشی سے بھیگتے لہجے میں کہا۔

اسیس کی رسم عقیقہ بھی ادا ہوگئی۔ زندگی معمول کے مطابق گزرنے لگی۔ قرۃ العین اسیس جسے وہ پیار سے ''سنی'' کہنے لگی تھی کے کاموں میں مگن ہو کر احمر کی جدائی کا غم بہت حد تک بھول گئی تھی۔ عائشہ بیگم، نغمہ بھابھی اور عامرہ بیگم نے اس کا بہت زیادہ خیال رکھا ''سنی'' کو بھی مکمل توجہ دی اس کی دیکھ بھال کی۔ سنی بہت ذہین، سمجھدار اور چست بچہ تھا۔ ہر بات کا ردعمل ظاہر کرتا تھا۔ اس کی معصوم مسکراہٹ اور پیاری پیاری شرارتیں سب کا دل موہ لیتیں۔ اس کی پہلی سالگرہ بہت دھوم دھام سے منائی گئی۔ مووی اور تصویریں بنائی گئیں۔ قرۃ العین نے اسیس کو احمر کی تصویریں دکھا دکھا کر اسے سمجھانا، بتانا شروع کر دیا تھا کہ یہ اس کے بابا ہیں اب تو وہ خود اپنے کمرے میں بیڈ پر چڑھتے ہی سائیڈ ٹیبل پر رکھی احمر کی مسکراتی خوبصورت تصویر کو دیکھتے ہی ''پاپا، پاپا'' کی گردان شروع کر دیتا تھا۔ قرۃ العین اسے احمر کی تصویر پکڑا دیتی وہ تصویر کو چومتا قرۃ العین بھی احمر کی تصویر کو پیار کرتی اور دل کی بے قراری کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے اسیس کو سلانے لگتی وہ اس کے سینے سے لپٹ کر اپنی توتلی زبان میں باتیں کرتے کرتے سو جاتا تو وہ اسے اپنے برابر میں لٹا دیتی اس کی پیشانی چومتی اس پر آیت الکرسی پڑھ کر پھونکتی اور پھر خود بھی احمر کو سوچتے سوچتے نیند کی وادی میں اتر جاتی۔

☆☆☆

اشعر بھائی نے این سی اے میں اس کا داخلہ کرا دیا۔ وہ فیشن ڈیزائننگ میں ماسٹر کر رہی تھی تاکہ احمد حسن اور اظفر حسن کے ساتھ مل کر اپنے علم کو احمر کے بزنس میں استعمال کر سکے۔ صبح کالج جاتی اور دوپہر کو واپس آتی تو اسیس مما کہتا اس کی ٹانگوں سے لپٹا جاتا وہ اسے جی بھر کر پیار کرتی۔ اس کے ساتھ سوتی۔ جاگتی کھیلتی باتیں کرتی۔ سبھی ''سنی'' سے پیار کرتے تھے۔ قرۃ العین کے کالج چلے جانے کے بعد عائشہ بیگم، عامرہ بیگم، نغمہ اور نبیلہ بھابھی اسے سنبھالتیں اس کا خیال رکھتیں۔ وہ ہر وقت اپنی دھن میں کھیلتے ہوئے سب سے ایسی ایسی باتیں کرتا ایسے ایسے سوال پوچھتا کہ سب کو اس پر بے پناہ پیار آنے لگتا عامرہ بیگم اور عائشہ بیگم تو اس کی نظر اتارتے نہ تھکتیں وہ کسی کو تنگ نہیں کرتا تھا۔ نہ روتا تھا، بھوک لگتی تو ''دودو پینا نانو دودو پینا'' کہتا اور عائشہ بیگم اسے فیڈر بنا کر لا دیتیں۔ پھل، جوس، دلیہ، کھچڑی وغیرہ بھی عائشہ بیگم اور نغمہ بھابھی اسیس کیلئے بناتیں اور اسے کھلاتیں۔ وہ بہت صحت مند تھا۔ قرۃ العین تو اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھی اس میں تو اس کی جان تھی۔ وہ اس کی تصویریں اور اس کی شرارتوں کی مووی بناتی رہی تھی تاکہ جب احمر واپس آئے تو اسے دکھائے۔ عامرہ بیگم بھی اسیس کو دیکھ کر اپنی اس حماقت اور بے حسی پر شرمندہ ہو جاتیں جو اسیس کو اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی ختم کرنے کیلئے وہ کرنے چلی تھیں اور قرۃ العین نے انہیں ناکام کر دیا تھا۔

اب وہ اسیس کی صحت وطویل زندگی کی دعائیں مانگا کرتیں۔ قرۃ العین اور احمر کے پھر سے ایک ہوجانے کی احمر کے واپس آجانے کی دعائیں مانگا کرتیں۔ عید سالگرہ، ویڈنگ اینی ورسری ہوتی یا کوئی اور خوشی کا موقع قرۃ العین کو احمر کی کمی شدت سے محسوس ہوتی سب کے سامنے تو وہ ہنستی مسکراتی رہتی مگر اپنے کمرے میں آکر احمر کی تصویر کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔ ایسے میں اسیس اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتا اس کے گالوں پہ پیار کرتا اور اپنی توتلی زبان میں پیار سے کہتا۔

”ممائیں لوتے (روتے) پاپا واپش (واپس) آئیں گے۔ یوں نئیں لوتے مما۔“

اور وہ اس کا چہرہ چومنے لگتی اور اسے اپنے ساتھ لپٹا کر رونے لگتی۔

وقت کا پنچھی اڑتا چلا گیا۔ چار سال گزر گئے نہ کبھی احمر کا کوئی فون یا خط آیا نہ ہی احمر آیا تھا۔ اس دوران بہت کچھ ہوگیا تھا۔ قرۃ العین نے اپنا ماسٹر مکمل کرنے کے بعد اظفر حسن کے ساتھ آفس جانا شروع کر دیا جہاں وہ گارمنٹ فیکٹری کا کام دیکھنے اور پرنٹ ڈیزائن کرنے کی جاب کررہی تھی۔ اس کے کام کا معاوضہ اور منافع اسے علیحدہ سے دیا جاتا تھا تاکہ وہ خود کو محض مفت کی ملازمہ نہ سمجھے۔ احمد حسن اور اظفر حسن اسے ہر ماہ باقاعدگی سے جیب خرچ بھی دیتے۔ اسیس کیلئے ڈھیروں شاپنگ بھی کراتے۔ یہ سب اس کے میکے والے بھی کرتے تھے اور وہ خوش تھی اپنی زندگی سے سب لوگوں سے بس اگر کوئی کمی تھی تو احمر کی کمی تھی۔ سب احمر کو یاد کرتے تھے مگر چھپ چھپ کر ایک دوسرے کے سامنے زیادہ ذکر اس لیے نہ کرتے تھے قرۃ العین اور عائشہ بیگم کو نئے سرے سے احمر کی جدائی کا دکھ گھیر لے گا۔ اشعر بھائی کے ہاں ایک پیارے سے بیٹے کی ولادت بھی ہوئی تھی۔ نبیلہ بھابھی تو قرۃ العین کے ساتھ بہت حسن سلوک سے پیش آنے لگی تھیں۔ ان کی بہن عقیلہ کی شادی احمر کے جانے کے تین سال بعد ہوگئی تھی وہ اپنے گھر میں خوش تھا۔ خالد کی شادی چند ماہ قبل اس کی پسند کی لڑکی سے کردی گئی۔ شاکرہ بیگم کا بیٹا ماجد ابھی تک کنوارہ پھر رہا تھا کیونکہ اس کی حرکتوں سے سبھی اپنے پرائے واقف تھے اس لیے کوئی۔

آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کو تیار نہ تھا۔ حالانکہ اب اس نے بازار حسن جانا اور جوا، شراب چھوڑ دیا تھا مگر مکمل طور پر وہ نہیں سدھرا تھا اور کسی کو اس کی بری عادات چھوٹ جانے پر یقین بھی نہ تھا۔ شاکرہ بیگم اور حامد بیگ اسے اپنے گناہوں کی سزا گردانتے اور اپنے کیے پر نادم بھی ہوتے مگر شاکرہ بیگم کے دل میں قرۃ العین کیلئے حسد، جلن اور انتقام کی آگ سلگتی رہتی۔ یہی حال جمیلہ بیگم کا تھا وہ دونوں جہاں احمر کے جانے سے خوش ہوئی تھیں وہاں احمر کے قرۃ العین کو طلاق نہ دینے اور

اپنی سازشوں اور منصوبوں کے ناکام ہوجانے اور قرۃ العین کو اسیس کے ساتھ خوش دیکھ کر ناخوش بھی تھیں۔ ان کے اندر کینہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنے اپنے بیٹوں کی وجہ سے شرمندہ بھی ہوئیں تو اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شرمندگی بھی جاتی رہی تھی۔ وہ احمد حسن اور انور رؤف کا احسان بھی بالائے طاق رکھ دیتیں۔ ان کی زبانوں کا زہر اب تک باقی تھا۔ وہ بچھو کی طرح ڈنگ مارنے والی عورتیں تھیں۔ عامرہ بیگم تو اس واقعے کے بعد سے شاکرہ بیگم کے لاکھ معافی مانگنے پر بھی ان کے گھر نہیں گئی تھیں۔ البتہ شاکرہ بیگم گاہے بگاہے ان سے ملنے آجاتیں تو وہ بھی پرانی باتیں بھلا کر خوشدلی سے ان سے مل لیتیں۔ البتہ قرۃ العین انہیں دیکھتے ہی وہاں سے چلی آتی۔ عامرہ بیگم بھی کچھ نہیں کہتیں جانتی تھیں کہ وہ ان کی زبان سے زخم کھائے ہوئے ہے انہیں تو اس نے ماں کی حیثیت سے معاف کردیا تھا لیکن شاکرہ بیگم سے بات کرنا یا ملنا اس کی ضرورت تھی نہ مجبوری پھر بھلا وہ اس سے کیوں کوئی واسطہ رکھتی۔

☆☆☆

قرۃ العین صبح کے نو بجے سے دوپہر دو بجے تک آفس اور فیکٹری میں رہتی باقی وقت وہ گھر پر اسیس کے ساتھ گزارتی وہ اسے اتنی کم عمری میں خود سے زیادہ دور نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اس نے اسیس کو پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ بھی بڑے شوق سے اپنی کتابیں اور بستہ لے کر اس کے پاس بیٹھتا اسے سبق سناتا اور وہ اسے ڈھیر سارا پیار کر کے شاباش دیتی تو وہ بھی خوش ہو کر اس کا گال چوم لیتا۔ قرۃ العین کو اسیس کی صورت میں احمر کا چہرہ دکھائی دیتا۔ وہ اس کی محبت کی خوبصورت نشانی تھا اور اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔

آج کل فیکٹری میں ملنے والے آرڈرز کے باعث قرۃ العین کو زیادہ دیر تک آفس میں گزارنا پڑ رہا تھا وہ کام کی نگرانی کرنے اور کوالٹی چیک کرنے پر مامور تھی۔ اس کی واپسی بھی اظفر حسن کے ساتھ شام چار ساڑھے چار بجے تک ہونے لگی تھی۔ احمد حسن دوسری فیکٹری میں ہوتے تھے اس لیے ان کا کام ان دونوں سے علیحدہ تھا وہ ان سے شام کو رپورٹ تو لیتے تھے مگر گارمنٹ فیکٹری جانا انہوں نے بہت عرصے سے چھوڑ رکھا تھا۔

”عینی سسٹر! اس آرڈر کو وقت سے پہلے پورا ہونا چاہیے تم تین چار مزید نئے ڈیزائن تیار کرلو۔ اگر اٹلی کے کلائنٹس کو ہمارا کام پسند آ گیا تو وہاں کی مارکیٹ میں اپنا کام پکا سمجھو۔“

اظفر حسن نے قرۃ العین سے کہا وہ دونوں اس وقت پی سی میں موجود تھے اور اٹلی کے ایک گروپ کے ساتھ بزنس میٹنگ اور لنچ سے فارغ ہوئے تھے۔ اٹلی کا گروپ واپس چلا گیا تھا اور

وہ اپنی گاڑی ایئر پورٹ سے واپس آنے تک وہیں بیٹھنے پر مجبور تھے۔

''انشاء اللہ اظفر بھائی! ایسا ہی ہوگا۔'' قرۃ العین نے پر یقین لہجے میں کہا۔

''چلیں ڈرائیور بھی آ گیا ہے۔'' اظفر حسن نے اپنا موبائل اور فائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

''جی۔'' وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

''ارے شاکرہ آنٹی آپ آیئے نا آج ادھر کا رستہ کیسے بھول گئیں؟'' نغمہ بھابھی نے انہیں اندر آتے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔

''عامرہ سے ملنے آئی تھی، تم لوگوں سے عینی سے بہت عرصے سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی سوچا جاتے جاتے تمہارا بھی حال احوال پوچھتی چلوں۔'' شاکرہ بیگم نے ان سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

''آپ بیٹھئے نا۔''

''جیتی رہو۔'' شاکرہ بیگم صوفے پر بیٹھتے ہی ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگیں۔

''یہ عینی نظر نہیں آ رہی ہاں بھئی وہ بھلا گھر میں کیوں نظر آئے گی اب، وہ تو آج کل اظفر حسن کے ساتھ ہی نظر آتی ہے ہر جگہ، ہوٹل میں، آفس میں، فیکٹری میں بازار میں۔''

''عینی، اظفر کے ساتھ فیکٹری میں کام کرنے جاتی ہے۔'' نغمہ بھابھی نے وضاحت کی۔

''ہاں بھئی گھر سے باہر ساتھ رہنے کیلئے کوئی بہانہ تو چاہیے نا۔'' شاکرہ بیگم نے ان کے دل میں شک کی چنگاری پھینکتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب آنٹی؟''

''اے لو ارے تم تو بہت ہی سیدھی ہو بی بی۔ وہ دونوں صبح کے گھر سے نکلے شام کو لوٹتے ہوں گے ہر وقت ساتھ ہونگے۔ میں تو حیران ہوں کہ تمہاری ناک کے نیچے یہ سب ہو رہا ہے اور تم خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہو۔ بھئی بڑا حوصلہ ہے تمہارا، تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو عینی کو چٹیا سے پکڑ کر اپنے گھر سے ہی نکال باہر کرتی۔ وارث پیدا کر کے وہ اور زیادہ شیر ہوگئی ہے کہ جو چاہے کرتی پھرے مظلومیت کی آڑ میں وہ تمہاری جڑیں کاٹ رہی ہے نغمہ بیٹی ہوش کے ناخن لو تم ورنہ ہاتھ ملتی رہ جاؤ گی۔'' شاکرہ بیگم نے چنگاری کو ہوا دکھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں آنٹی! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے عینی ایسی نہیں ہے وہ بہت مضبوط کردار کی لڑکی ہے اور احمر سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔'' نغمہ بھابھی نے مسکراتے ہوئے ان کی بات کی نفی کرتے

ہوئے کہہ تو دیا مگر ان کے دل میں شک کی چنگاری بھڑک چکی تھی بس وہ ان پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''احمر کون سا یہاں بیٹھا ہے جو وہ اس سے محبت کرتی ہوگی چار سال سے اس نے پلٹ کر خبر بھی نہ لی۔ اللہ جانے جیتا بھی ہے یا مر گیا۔''

''اللہ نہ کرے احمر کو کچھ ہو ہم سب کو یقین ہے کہ وہ ایک دن لوٹ آئے گا۔'' نغمہ بھابھی نے بے کلی سے کہا۔

''احمر کے آنے تک کہیں تمہیں یہاں سے نہ جانا پڑ جائے سوچ لینا۔ اس قدر اندھا اعتماد بھی ٹھیک نہیں ہوتا بیٹا! اچھا میں چلتی ہوں۔''

''آپ بیٹھیں ناں آنٹی میں چائے منگواتی ہوں امی سے تو آپ ملی ہی نہیں۔'' نغمہ بھابھی نے انہیں کھڑے دیکھ کر خود بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

''بس مجھے تو خیریت ہی معلوم کرنی تھی وہ تم سے معلوم ہوگئی چائے عامرہ کی طرف پی لی تھی اب تو میں گھر چلوں گی کچھ مہمان آنے والے ہیں گھر میں۔'' ان کے آنے کا مقصد تو پورا ہو گیا تھا پھر بھلا وہ کیوں رکتیں فوراً بہانہ بنایا اور چل دیں۔

اور نغمہ بھابھی نے قرۃ العین اور اظفر حسن کے رویوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ شاکرہ بیگم کی باتیں انہیں اپنے باوفا شوہر پر شک کرنے پر اکسا رہی تھی۔ وہ سارا دن سوچتی، سلگتی رہیں۔ شام کو جب وہ دونوں اکٹھے گھر پہنچے تو ان کی نظروں کا انداز شک میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ نہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرنے گئیں نہ ہی ان کے سلام کا ٹھیک طرح سے جواب دیا۔ اظفر حسن چینج کرنے کیلئے اپنے کمرے میں گئے تو حسب معمول وہ ان کے پیچھے بھی نہیں گئیں۔

''بھابھی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' قرۃ العین نے ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں میری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے رکھائی سے سوال داغا۔

''آج آپ نے مسکرا کر ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی اظفر بھائی کے ساتھ ان کے پیچھے کمرے میں گئیں۔''

''تم جو ہر وقت ان کے ساتھ ساتھ پھرتی ہو ان کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔ میرے نا جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' نغمہ بھابھی نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

''میں سمجھی نہیں بھابھی!''

''اب تم اتنی نا سمجھ بھی نہیں ہو۔''

''نغمہ!'' اظفر حسن کی آواز آئی تو قرۃ العین نے ان سے کہا۔

''اظفر بھائی آپ کو بلا رہے ہیں۔''

''تم کیا کرتی رہتی ہو سارا دن آفس میں اظفر کے ساتھ؟'' انہوں نے اظفر حسن کی آواز اور قرۃ العین کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''کام۔''

''مما جانی السلام وعلیکم!'' اسی وقت اسیس دوڑتا ہوا چلا آیا تو نغمہ بھابھی کی بات ادھوری رہ گئی۔

''وعلیکم السلام بیٹا جانی! کیسا ہے میرا سنی ڈارلنگ؟'' قرۃ العین نے اسے گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

''بہت اچھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہوں یہ تو ہے۔'' قرۃ العین نے اس کا اجلا نکھرا دلکش اور معصوم چہرہ دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے گلابی ہونٹ چوم لیے۔

''بہت پیار ہے تمہیں سنی سے۔'' نغمہ بھابھی نے اسے سنی کو پیار کرتے دیکھ کر کہا ان کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''جی ہاں بھابھی! مجھے تو آپ کے بچوں سے بھی پیار ہے اور سنی تو میرا جگر گوشہ ہے میری جان ہے میرا بیٹا ہے اس سے تو مجھے ساری دنیا کے بچوں سے زیادہ پیار ہے۔'' اس نے اسیس کو اپنے ساتھ لگائے اسے اپنی ممتا سے سیراب کرتے ہوئے جواب دیا۔

''میرے بچوں سے تمہیں پیار پہلے تھا یا اب ہوا ہے۔'' ان کا انداز اب بھی تفتیشی تھا قرۃ العین نے الجھن آمیز نظروں سے انہیں دیکھا۔

''پہلے بھی تھا اب بھی ہے۔''

''بہتر ہوگا کہ تم اپنے بچے سے پیار کرو اپنے رشتے کو داغدار نہ کرو۔''

''بھابھی! کیسی باتیں کر رہی ہیں مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے کیا؟''

''غلطی...... تم گناہ کو غلطی سمجھتی ہو۔'' نغمہ بھابھی نے تلخی سے کہا۔

''گناہ کس گناہ کی بات کر رہی ہیں آپ ایسا کون سا گناہ کیا ہے میں نے؟'' قرۃ العین نے انہیں حیران پریشان نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''معصوم تو اتنی بنتی ہو جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہو۔''

''نغمہ بھئی میں تمہیں کب سے آوازیں دے رہا ہوں چلو ذرا وہ فائلیں سنبھال کر رکھ دو۔'' اظفر حسن نے آ کر کہا تو قرۃ العین اسیس کو گود میں اٹھا کر کھڑی ہوگئی اور نغمہ بھابھی خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

''عینی گڑیا، تمہیں کیا ہوا ہے؟'' اظفر حسن نے اس کے چہرے پر پھیلی حیرت اور پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں بھائی! پتا نہیں مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے شاید۔ بھابھی کی باتوں سے تو مجھے ایسا ہی محسوس ہوا ہے۔''

''کیا کہا ہے نغمہ نے تم سے؟''

''کچھ نہیں بھائی چھوڑیں آپ آرام کریں۔'' وہ بات ٹال کر اسیس کو لے کر اوپر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

''بھابھی کا رویہ، لہجے اور الفاظ کا چناؤ کتنا اجنبی تھا۔ کیا کیا ہے میں نے جو وہ مجھ سے اس قدر خائف ہیں؟'' اس نے پریشانی سے پوچھا۔

''مما جانی!'' اسیس نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پکارا۔

''آپ مجھے اپنے سات (ساتھ) لے کر جایا کریں ناں۔''

''اچھا بیٹا میں اب اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لے کر جایا کروں گی خوش۔''

''خوش۔'' وہ ہنس پڑا، تو اسے بھی دن بھر کی تھکن سے نجات مل گئی۔

رات کو کھانے کی میز پر سبھی موجود تھے۔ نغمہ بھابھی نے دو تین نوالے کھائے اور اٹھنے لگیں تو اظفر حسن نے کہا۔

''کھانا تو کھالو۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اظفر حسن اور قرۃ العین کے علاوہ عائشہ بیگم نے بھی اس رویے کی اس تبدیلی کو محسوس کیا تھا مگر زبان سے کسی نے کچھ نہ کہا اور کھانا کھا کر تھوڑی دیر ٹی وی دیکھنے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ اظفر حسن کمرے میں آئے تو نغمہ بھابھی کو بستر پر دراز دیکھ کر پریشانی سے پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے نغمہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے کیا، تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔''

''میرے سر میں درد ہے میں سوؤں گی اب۔'' انہوں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''دوا کھائی تم نے۔''

''جی۔''

''لاؤ میں تمہارا سر دبا دوں۔'' اظفر حسن نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کے سر پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے فوراً ان کا ہاتھ جھٹک دیا وہ ان کی اس حرکت پر چونک گئے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کیا انہوں نے۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے آپ پلیز لائٹ آف کر دیں میں سونا چاہتی ہوں۔'' نغمہ نے اسی سپاٹ لہجے میں کہا۔

''سنو! اگر تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے تو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔'' انہوں نے ازلی محبت اور نرمی سے کہا کوئی اور موقع ہوتا تو ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ ان کی توجہ فکر اور محبت پا کر کھل اٹھتیں کیونکہ وہ تو ہمیشہ سے ہی لونگ اور کیئرنگ تھے۔ مگر آج ان کے دل میں شاکرہ بیگم کی باتوں نے شک کا بیج بو دیا تھا اسی لیے انہیں اظفر کا یہ رویہ بھی محض دکھاوا محسوس ہو رہا تھا۔

''نہیں میں سوؤں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی آپ کو میرے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' نغمہ بھابھی نے نہایت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''آج تم کچھ بدلی بدلی سے لگ رہی ہو۔'' اظفر حسن کہے بغیر نہ رہ سکے۔

''میں تو ویسی ہی ہوں۔''

''اچھا بیگم صاحبہ! آپ کہتی ہیں تو مان لیتے ہیں او کے پھر سو جائیں ہم بھی سوتے ہیں صبح آفس جلدی پہنچنا ہے۔'' وہ ان کے پاس سے اٹھ گئے۔

''اور گھر دیر سے آنا ہے۔'' نغمہ بھابھی کی زبان پھسل گئی۔

''اچھا تو اس بات کا غصہ ہے۔'' اظفر حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اصل میں آج کل کچھ آرڈرز مکمل کرانے کے چکر میں دن رات کام ہو رہا ہے اسی لیے ہمیں دیر ہو جاتی ہے اور عینی کو بھی اسی لیے اب شام تک آفس رکنا پڑتا ہے ویسے عینی ماشاء اللہ بہت ذہین اور باصلاحیت لڑکی ہے اس کے ڈیزائن بہت پسند کیے جا رہے ہیں۔''

''پلیز اظفر لائیٹ آف کر دیجیے۔'' نغمہ بھابھی عینی کے ذکر پر جل کر بولیں۔

''اوہ سوری میں بھی تمہارا درد سر بڑھانے لگا تم آرام کرو۔ میں لائیٹ آف کر دیتا ہوں۔'' اظفر حسن نے نرمی سے کہا اور لائیٹ آف کر کے خود بھی سونے کیلئے اپنی جگہ پر آ لیٹے۔

☆☆☆

''مما پاپا کب آئیں گے؟'' وہ اپنی اور احمر کی شادی کی تصویروں والا البم دیکھ رہی تھی۔ اسیس بھی اس کے بازو سے جڑا بیٹھا تھا۔ اس نے معصومیت سے اس سے سوال کیا تو اس کا دل بے کل ہو کر تڑپا۔

''سنی بیٹا! آپ اللہ میاں سے دعا مانگیں کہ وہ آپ کے پاپا کو جلدی سے خیریت سے گھر بھیج دیں۔'' وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''مما! میں تو روز دعا کرتا ہوں اللہ میاں میرے پاپا احمر کو جلدی سے ہمارے پاش (پاس) بھیج دیں۔'' وہ معصومیت سے بتا رہا تھا۔

''سن رہے ہو احمر حسن میرے ساتھ ساتھ اب تو تمہارا بیٹا بھی تمہاری واپسی کی دعائیں مانگتا ہے اب تو واپس آ جاؤ احمر! اور کتنا امتحان لو گے میرا بظاہر میں ہنستی مسکراتی نظر آتی ہوں سب کو باہر کی دنیا کو میں خوش دکھائی دیتی ہوں لیکن میرے اندر کی دنیا تو ہر دم تمہیں پکارتی رہتی ہے تمہاری یاد میں تڑپتی رہتی ہے۔ احمر میں تھکنے لگی ہوں۔ میں اپنے سنی کو کب تک تمہاری تصویروں سے بہلاؤں گی؟ کب تک اس سے بہانے بناتی رہوں گی کہ تم اس کیلئے کھلونے لینے اور پڑھنے گئے ہو۔ اپنا علاج کرانے گئے ہو۔ تم جیسے بھی ہو جس بھی حالت میں ہو پلیز واپس آ جاؤ احمر...... تم...... تم کہا کرتے تھے نا احمر کہ۔''

محبت تیرا میرا مسئلہ ہے تو تم نے یہ رستہ کیوں چنا ہے؟
مجھے یوں چھوڑ کر تنہا نجانے تم کن راستوں پر چل دیئے؟
بس ایک بار پلٹ کر تو ذرا دیکھو کہ تمہارے بن تمہارے روشنی ماند ہے کتنی
تمہارے ہجر میں جو رات دن ہے سسکیاں بھرتی
زمانے کو تو بولنے کا موقع ہاتھ آیا ہے
مگر اے جان! تم نے کس طرح مجھ کو ستایا ہے
مجھے اتنا رلایا ہے
محبت تیرا میرا مسئلہ ہے..... نا......
تو لوٹ آؤ
کہ ہم دونوں مل بیٹھ کے یہ مسئلہ آپس میں حل کر لیں
لوٹ آؤ کہ اب دل میں تمہارے ہجر
کو سہنے کی سکت نہیں باقی

لوٹ آؤ

تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے یہ آنکھیں نہ پتھرا جائیں

لوٹ آؤ میری جاں! اب تو لوٹ آؤ

وہ ڈائری میں نظم لکھتے ہوئے رو رہی تھی۔ اسیس اس کے بازو سے لگا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''مما جانی نہ روئیں پاپا جانی آجائیں گے مما۔''

اسیس نے اس کے رخساروں پر پھسلتے آنسو صاف کرتے ہوئے بہت یقین سے کہا۔

''انشاء اللہ احمر ضرور واپس آجائے گا میرے سنی کے پاپا جانی خیریت سے واپس آئیں گے جلد آئیں گے۔'' قرۃ العین نے ڈائری بند کردی اور اسیس کو چوم کر اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

''مما! آپ اپنے سنی کو آفش (آفس) لے کے جائیں گی آئس کریم کھلائیں گی ناں۔''

''جی بیٹا! میں کل سے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی آئس کریم بھی کھلاؤں گی اور میرا سنی بیٹا مجھے کام کرتے ہوئے تنگ تو نہیں کرے گا نا۔'' اس نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں مما، سنی اچھا بچہ ہے سنی مما کو تنگ نہیں کرتا۔'' اس نے مسکرا کر بہت معصومیت سے جواب دیا تو اس کے ممتا کے خزانے اس پر بے اختیار خالی ہونے لگے۔

''سنی میری جان! میرا بیٹا! یا اللہ میرے بیٹے کو صحت مند اور سلامت رکھنا اسے کامیابیاں عطا فرمانا نیک اور باکردار بنانا۔'' وہ اسے دیوانہ وار پیار کرتے ہوئے دعا مانگ رہی تھی۔

صبح ناشتے کے بعد وہ جلدی تیار ہوئی تو چوڑیاں پہننا بھول گئی وہ احمر کی خواہش اور پسند کے مطابق ہمیشہ چوڑیاں پہنے رکھتی تھی۔ احمر کی پہنائی ہوئی سونے کی چوڑیاں اس کی کلائی میں جگمگ کرتی رہتی تھیں اس کا رونمائی میں دیا ہوا لاکٹ سیٹ اور انگوٹھی جو خود احمر نے اسے پہنائی تھی اب تک اس کے ہاتھ میں سجی ہوئی تھی۔ وہ ان لمحوں کے سحر سے آج تک نکل نہیں سکی تھی۔ ہنی مون کا پیریڈ اسے احمر کی محبت کا احساس دلاتا رہتا وہ ایک مہینہ احمر کی محبتوں اور قربتوں میں ڈوبتے ابھرتے خوشیوں میں کھیلتے گزرا تھا۔ ان لمحوں کی حسین یادیں اسے تروتازہ کردیتی تھیں۔

''آپ تیار ہو سنی بیٹا!'' وہ اپنا شولڈر بیگ اٹھاتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی، اسے وہ پہلے ہی تیار کرچکی تھی وہ اپنے بیگ میں کتابیں رکھ رہا تھا تاکہ وہاں جا کر پڑھتا بھی رہے۔

''جی مما میں تیار ہوں۔''

''تو چلیں۔''

''ایک منٹ مما جانی! آج آپ نے چوڑیاں تو پہنی نہیں پہلے چوڑیاں پہنیں پھر چلیں گے۔'' اسیس نے اس کی سونی کلائی تھام کر کہا۔

''میرے بیٹے کو چوڑیاں بہت پسند ہیں۔'' وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

''اس لیے کہ میری مما کے ہاتھوں میں...... چوڑیاں...... بہت اچھی لگتی ہیں۔ میری مما کے گورے گورے ہاتھوں میں چوڑیاں جگمگ جگمگ کرتی ہیں۔'' اسیس نے اس کے ہاتھ پکڑ کر محبت اور معصومیت سے کہا۔

''قرۃ العین مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اپنی کلائیاں کبھی خالی نہیں رہنے دو گی چاہے میں کہوں یا نہ کہوں میں رہوں یا نہ رہوں تم چوڑیاں ضرور پہنوں گی۔'' احمر کی بہت پہلے کہی ہوئی بات اس کے ذہن کے دریچے سے نکل کر سامنے آگئی۔

''مما، پاپا یاد آرہے ہیں۔'' اسیس نے اسے ہلاتے ہوئے پوچھا۔

''جی بیٹا! آپ کے پاپا کو بھی چوڑیاں بہت اچھی لگتی تھیں میرے ہاتھوں میں۔''

''میں آپ کو چوڑیاں پہنا دوں مما۔''

''پہنا دو مما کی جان!'' اس نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا۔'' وہ خوشی سے بولا اور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا چوڑیوں کا ڈبہ اٹھا لایا اور اس میں سے قرۃ العین کے لباس کے رنگ سے ملتی جلتی براؤن اور سیاہ رنگ کی چوڑیوں کا سیٹ نکال کر آہستہ آہستہ اس کی خالی کلائی میں بھر دیا وہ اسے ممتا بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔

''پیار کروں مما۔'' اسیس نے چوڑیاں پہنا کر معصومیت سے پوچھا۔

''کر دو نا مما کی جان! پیار کوئی پوچھ کے تھوڑی کرتے ہیں۔'' اس نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ باری باری چوم لیے۔

''پیارے پیارے ہاتھ ہیں میری مما کے۔''

''اور بہت پیارے پیارے ہاتھ ہیں میرے بیٹے کے۔'' قرۃ العین نے اس کے دونوں ہاتھوں اور ہونٹوں کو چوم لیا۔

''او مما جانی! آپ کی لپ اسٹک میرے ہونٹوں پر لگ گئی۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''کوئی بات نہیں اب چلیں۔'' وہ ہنس دی۔

''ایک منٹ مما پاپا کو بتا دوں۔'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے دوڑتا ہوا احمر کی تصویر کے پاس گیا اور تصویر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''پاپا! آج میں مما کے ساتھ جا رہا ہوں آپ جلدی سے آجائیں نا پاپا۔ مما اور سنی آپ کو بہت یاد کرتے ہیں پاپا۔ آئی لو یو پاپا۔ اچھا پاپا میں چلتا ہوں شام کو ملیں گے ٹھیک ہے پاپا۔ اللہ حافظ۔''

اس نے تصویر کو چوم کر واپس رکھ دیا اور قرۃ العین کی طرف دیکھا تو وہ بھیگتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دی اور اسے گود میں اٹھا لیا۔

''مما!'' وہ خوشی سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کے گال پر بوسہ دے کر ہنس پڑا وہ بھی اس کی معصومیت پر خوش دلی سے ہنسی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

''دھیان سے عینی بیٹا! اب سنی بڑا ہو گیا ہے اسے گود میں لے کر سیڑھیاں مت اترا کرو گرنے کا ڈر رہتا ہے۔'' عائشہ بیگم نے اسے سنی کو گود میں لیے نیچے اترتے دیکھ کر کہا۔

''کچھ نہیں ہوتا پھپھو! میرا سنی، مما کی گود سے نہیں گر سکتا کیوں سنی؟''

''جی مما! آپ تھک جائیں تو مجھے اتار دیں میں خود ہی چلوں گا؟''

''او مائی سوئیٹ اینڈ کیئرنگ سن! دیکھا پھپھو کتنا خیال ہے میرے بیٹے کو میرا۔'' وہ خوشی سے نہال ہو کر اس کے رخسار کو چوم کر عائشہ بیگم سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں اللہ نظر بد سے بچائے، تم تو اس کی بڑی بہن لگتی ہو، ممتا نہیں لگتیں اتنی چھوٹی سے گڑیا سی تو تم ہو ماشاء اللہ بہت اسمارٹ مما ہیں سنی کی۔'' عائشہ بیگم نے اس کے کم سن نظر آنے والے دلکش سراپے کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

''چلیں عینی!'' اظفر حسن نے کمرے سے باہر نکل کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اسیس اس کی گود سے نیچے اتر گیا اور اپنا بیگ سنبھالنے لگا۔

''جی بھائی!'' قرۃ العین نے شولڈر بیگ میں سے اپنی چادر نکال کر اوڑھی اور ان کے ساتھ آفس کیلئے روانہ ہو گئی۔ نغمہ بھابھی نے بہت غصیلی اور شعلہ بار نظروں سے قرۃ العین کو دیکھا تھا۔

قرۃ العین اور اظفر حسن شام کو کام سے فارغ ہو کر اسیس کو آئس کریم کھلانے اور کھلونے دلانے چلے گئے۔ اسیس سارا دن اپنی مما کے ساتھ گزار کر بہت خوش تھا اور سارے دن کی روداد زین، عروشہ اور ایمان کو سنانے کیلئے بے چین بھی تھا ان تینوں سے اس کی دوستی تھی وہ تینوں بھی اسے

بہت پیار کرتے تھے۔ ''ٹرن، ٹرن۔'' ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو نغمہ بھابھی نے آکر ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو!'' ''کون نغمہ بیٹی؟'' دوسری جانب جمیلہ بیگم موجود تھیں۔

''جی السلام وعلیکم تائی جان!'' وہ ان کی آواز پہچان گئی تھیں۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو کیسی ہو چندا؟''

ان کے لہجے میں زمانے بھر کی مٹھاس اور محبت گھلی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے تائی جان آپ سنائیں آپ کیسی ہیں؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں مگر تمہارے لیے پریشان ہوں۔''

''وہ کیوں تائی جی؟''

''پہلے یہ بتاؤ کہ عینی کہاں ہے؟''

''عینی آفس گئی ہے اظفر کے ساتھ۔''

''ارے بچی! وہ دونوں تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ کام کے بہانے دونوں سارا وقت اکٹھے رہتے ہیں اور عینی سارا دن تمہارے شوہر کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے ہوٹلوں میں کھانا کھاتی ہے شاپنگ کرتی ہے اور تمہیں کچھ خبر ہی نہیں ہے۔ تمہارے تایا نے کئی بار انہیں پی سی میں اکٹھے کھانا کھاتے دیکھا ہے اور آج تو میں بھی اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے دیکھ کر آ رہی ہوں۔ اظفر میاں نے عینی اور اس کے بچے کو آئس کریم کھلائی پھر شاپنگ کرانے لے گئے۔ عینی اور اظفر میاں تو بہت بے تکلفی سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے جیسے دونوں میاں بیوی ہوں۔''

وہ ان پر اپنی پریشانی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں اس لیے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

''وہ تو اسے بہن کی طرح چاہتے ہیں۔''

''چاہتے ہوں گے ضرور چاہتے ہوں گے۔ مگر چندا مرد کی محبت پر اتنا اندھا یقین بھی نہیں کرنا چاہیے مرد کے دل میں تو ایک چھوڑ کئی چاہتوں کے خانے نکل آتے ہیں اور پھر عینی جس طرح ہر وقت اظفر کے ساتھ رہتی ہے کیا اظفر میاں کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی وہ کر سکتی ہے چندا کر سکتی ہے اور کر چکی ہے۔ وہ خوبصورت ہے، جوان ہے، کم عمر ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تنہا ہے اس کے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے اسے بھی محبت کی ضرورت ہے۔'' جمیلہ بیگم نے بڑی چالاکی سے ایک کی چار لگاتے ہوئے کہا۔

''لیکن وہ تو احمر سے محبت کرتی ہے۔''

''احمر کون سا یہاں موجود ہے جو اس پر اپنی محبتیں لٹاتا نظر آئے گا۔ وہ احمر کی کمی اظفر کی صورت میں پوری کر رہی ہے اور تم منہ میں گھنگھیاں ڈالے بیٹھی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے گزر جائے اور تم روتی رہو۔'' جمیلہ بیگم نے انہیں ڈراتے ہوئے کہا تو وہ تڑپ کر بولیں۔

''اللہ نہ کرے روئیں میرے دشمن اور آپ جانتی ہیں کہ عینی احمر کی بیوی ہے پھر وہ اظفر کو کیسے......نہیں نہیں میرا دل نہیں مانتا۔''

''مرضی ہے تمہاری میں نے تو جو دیکھا تمہیں بتا دیا۔ سمجھا بھی دیا آگے تمہاری مرضی ہے چاہو تو اسے کھلی چھٹی دیئے رکھو چاہو تو اس کی لگام کھینچ لو ورنہ اپنے شوہر اور گھر سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔''

جمیلہ بیگم نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور نغمہ بھابھی کا سر سائیں سائیں کرنے لگا۔ جمیلہ بیگم کی باتیں انہیں ہوش وخرد سے بیگانہ کرنے لگیں۔

قرۃ العین، ایسس اور اظفر شام کو سات بجے کے قریب گھر پہنچے۔ نغمہ بھابھی نے انہیں دیکھا اور غصے سے باورچی خانے میں چلی گئیں اور ناحق بے چاری کام کرنے والی کی شامت لے آئیں۔

قرۃ العین، ایسس کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اسے نغمہ بھابھی کا رویہ پریشان کر رہا تھا۔ احمد حسن ایک دن کیلئے اسلام آباد گئے تھے۔ کھانا آٹھ بجے ہی لگا دیا گیا۔ قرۃ العین، ایسس کو اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر کھلا رہی تھی اور ایسس، عروشہ اور زین کو عائشہ بیگم کو اپنے دن بھر کی روداد بھی ساتھ ساتھ سنا رہا تھا۔

''سنی بیٹا! پہلے کھانا کھالیں اس کے بعد باتیں کیجیے گا۔'' قرۃ العین نے پیار سے کہا۔

''ٹھیک ہے مما!'' اس نے سعادت مندی سے کہا۔

''ماشاءاللہ بہت فرمانبردار اور سعادت مند بچہ ہے سنی اپنی مما کا کہنا مانتا ہے۔'' اظفر حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تایا ابو! میری کتاب میں لکھا ہے کہ چھوٹوں سے پیار کرو اور بڑوں کا اپنے ماں باپ کا کہنا مانو۔'' ایسس نے ٹھہر ٹھہر کر بتایا۔

''شاباش بیٹا! سنی نے تو اپنا سبق یاد کر لیا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے ہمارا سنی۔'' اظفر حسن نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے بہت محبت سے اسے سراہا تو وہ خوش ہو کر مسکراتا ہوا قرۃ العین کو دیکھنے لگا اس نے اس کے سر پر بوسہ دیا وہ مزید خوش ہو گیا۔

''نغمہ! کیا بات ہے تم آج پھر کھانا نہیں کھا رہیں؟'' اظفر حسن نے انہیں سلاد کے قتلوں سے کھیلتے دیکھ کر متفکر لہجے میں پوچھا۔

''میں کھا چکی ہوں آپ کھائیں۔'' انہوں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تو قرۃ العین نے انہیں بغور دیکھا ان کی نظروں میں سے اپنے لیے جو غصہ اور نفرت کا الاؤ جلتا دکھائی دے رہا تھا وہ اس کیلئے حیرت اور الجھن کا باعث بن رہا تھا۔

''عینی! تم تو کھانا کھاؤ سنی کو کھلاتی رہیں اب خود ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہو۔'' اظفر حسن نے قرۃ العین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کھا رہی ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''چلو بچو! کھانا کھا لیا ہے تو لان میں جا کر تھوڑی دیر کھیلو اس کے بعد سونے کیلئے اپنے کمروں میں آجانا۔'' عائشہ بیگم نے تینوں سے کہا۔

''ٹھیک ہے دادی جان!'' زین اور عروشہ نے کہا اور سنی کا ہاتھ پکڑ کر لان میں چلے گئے۔

''عینی! وہ بیڈ شیٹس کے ڈیزائن فائنل کر دیئے تھے نا تم نے۔'' اظفر حسن نے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے پوچھا۔

''جی آپ کل چیک کر لیجیے گا۔'' قرۃ العین نے نوالہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے تم پر مکمل بھروسہ ہے تمہارا ذوق ماشاءاللہ بہت منفرد اور اعلیٰ ہے۔'' اظفر حسن نے مسکراتے ہوئے کہا اور نوالہ منہ میں رکھ لیا۔

''آپ عینی کو بھابھی کیوں نہیں کہتے عینی کیوں کہتے ہیں؟'' نغمہ بھابھی نے اظفر حسن کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو ان تینوں کے ہاتھ تھم گئے اور حیرانگی سے انہوں نے نغمہ بھابھی کو دیکھا۔

''یہ کیا سوال ہوا بھلا بھئی عینی بھابھی تو بہت بعد میں بنی تھی اور یہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے اس لیے میں اسے عینی کہہ سکتا ہوں بھابھی نہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' اظفر حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فرق پڑتا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''کیا کرتے ہیں آپ دونوں سارا سارا دن گھر سے باہر۔''

''کام کرتے ہیں''

''کام کے بہانے کیا کرتے ہیں؟'' نغمہ بھابھی کے جملے اور لہجے نے دونوں کو ہلا دیا۔

''تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟'' اظفرحسن نے کرسی گھما کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''وہی جو سب کہہ رہے ہیں۔'' وہ غصے سے بولتی کھڑی ہوگئیں۔

عائشہ بیگم اور قرۃ العین بھی حیران پریشان سی اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

''آپ میری آنکھوں میں تو دھول جھونک رہے ہیں مگر دوسرے لوگ تو جو دیکھتے ہیں کہہ سکتے ہیں۔'' نغمہ بھابھی نے غصیلے لہجے میں کہا تو قرۃ العین ہراساں سی ان کی طرف چلی آئی۔ عائشہ بیگم بات سمجھنے سے قاصر تھیں۔

''کیا دیکھ لیا ہے دوسروں نے جو تم اس قدر بدگمان ہو رہی ہو؟'' اظفرحسن کے لہجے میں بھی غصہ چھلکنے لگا تھا۔

''آپ عینی کے ساتھ ہوٹلنگ کرتے ہیں گھر سے باہر رنگ رلیاں مناتے ہیں اور......''

''شٹ اپ۔'' وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے چلائے ان کا ہاتھ نغمہ بھابھی پر اٹھتے اٹھتے رہ گیا اور قرۃ العین کا دل چاہا کہ وہ اسی لمحے اس جہاں سے اٹھ جائے اس کے کردار پر کبھی ایسی تہمت بھی لگے گی یہ تو اس نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا وہ احساس توہین سے بے جان ہو کر رہ گئی تھی۔ نغمہ بھابھی جیسی نفیس خاتون سے اسے اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی۔

''تم نے اتنی گھٹیا اور سطحی بات سوچی بھی کیسے؟ کیا تم مجھے نہیں جانتیں یا عینی کو نہیں پہچانتیں؟''

''اب ہی تو جانی اور پہچانی ہوں میں آپ دونوں کو، آپ دونوں کو تو اپنے اپنے رشتوں کے تقدس کا بھی خیال نہیں آیا۔'' نغمہ بھابھی نے غصے سے کہا۔

''بھابھی! کیا کہہ رہی ہیں آپ؟''

قرۃ العین صدمے سے بھیگتی آواز میں بولی۔

''تمہارے کارنامے بیان کر رہی ہوں۔ اپنے حسن اور معصومیت کے جال میں تم میرے شوہر کو پھنسا رہی ہو نا۔''

''بکواس بند کرو نغمہ!'' اظفرحسن کا ضبط جواب دے گیا اور ان کا ہاتھ نغمہ بھابھی کے رخسار پر انگارے برسا گیا وہ حیرت سے گنگ رہ گئیں۔

''یا اللہ! میرے گھر کو برباد ہونے سے بچانا'' عائشہ بیگم نے بے قرار ہو کر دعا مانگی۔

''یہ تم ہو نغمہ بیگم۔ مائی گاڈ! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم ایسا بھی سوچ سکتی ہو۔ بہت افسوس

ہو رہا ہے مجھے تمہاری ذہنیت پر، بارہ برس سے تم میری شریک حیات کی حیثیت سے میرے ساتھ رہ رہی ہو اتنے برسوں میں بھی تم مجھے نہیں سمجھ سکیں افسوس صد افسوس تم نے میرا فخر میرا مان ایک پل میں چکنا چور کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ لڑکی قرۃ العین! جس کے ساتھ تم مجھے انوالو کر رہی ہو۔ اس نے آج تک کون سی ایسی نازیبا حرکت کی ہے جس کی بنا پر تم نے اس معصوم پر اتنا بڑا الزام دھر دیا۔'' اظفرحسن نے نغمہ بھابھی کو غصے سے دیکھتے ہوئے قرۃ العین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ کتنی معصوم ہے، مضبوط اور پاکیزہ کردار کی مالک ہے یہ میں جانتا ہوں۔ احمر کے سوا اس نے کسی مرد کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، نہ کسی دوسرے مرد کی چاہت کی۔ یہ احمر کی جدائی کتنی بہادری سے سہہ رہی ہے یہ ہم سب جانتے ہیں مگر تم کیا جانو؟ تمہاری آنکھوں پر شک کی عینک لگ چکی ہے۔ رشتوں کا تقدس ہم نے پامال نہیں کیا نغمہ بیگم! رشتوں کی پائمالی تم نے کی ہے۔ میں قرۃ العین کو بھابھی اس لیے نہیں کہتا کہ یہ بھابھی بننے سے پہلے میری بہن تھی۔ ہماری کوئی بہن نہیں تھی میں نے تو عینی کو اپنی چھوٹی بہن سمجھ لیا تھا۔ گودوں میں کھلایا ہے میں نے اسے چھوٹی سے گڑیا سی بچی جس پر تم اتنا سنگین الزام عائد کر رہی ہو۔ مجھے اپنی بیٹی عروشہ کی طرح عزیز ہے۔ احمر سے شادی کے بعد تو یہ مجھے اور بھی عزیز ہوگئی تھی کیونکہ یہ میرے پیارے بھائی کی محبت ہے۔ میں نے عینی کو ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن اور بیٹی سمجھا ہے احمر کے حوالے سے اس کا میرا رشتہ اور زیادہ مضبوط اور معتبر ہوگیا تھا مگر تم نے ہمارے پاکیزہ رشتے کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں ذرا بتانا مجھے کہ کس نے تمہارے اندر یہ شک کا زہر بھرا ہے؟''

''شاکرہ آنٹی اور تائی جمیلہ نے خود آپ دونوں کو شاپنگ کرتے ہوٹلنگ کرتے دیکھا ہے۔'' نغمہ بھابھی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''واہ بہت خوب کس قدر معزز اور قابل اعتبار ہستیوں کی باتوں پر ایمان لائی ہو تم۔ داد دیتا ہوں تمہاری عقل کی۔ نغمہ بیگم کیا تم نہیں جانتیں کہ وہ دونوں اول درجے کی حاسد، شاطر اور سازشی عورتیں ہیں۔ عینی کی شادی ان کے بیٹوں سے نہ ہوسکی اس کا بھی غصہ ہے انہیں۔ ان کی ایک ایک بات سے تم واقف تھیں پھر بھی تم نے ان کی باتوں پر یقین کر لیا۔ انہیں تو عینی کی زندگی میں زہر گھولنے کا موقع چاہیے تھا جو تم نے اپنی کمزوری سے شکی سوچ سے انہیں مہیا کر دیا۔ وہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئیں نغمہ بیگم! تم سے تو وہ مڈل پاس جاہل اور حاسد عورتیں ہی عقلمند نکلیں جو ٹھیک وقت اور موقع دیکھ کر ضرب لگا گئیں تم اب جلتی رہو اپنے شک کی آگ میں۔ اس معصوم لڑکی پر الزام لگانے سے پہلے یہ تو سوچنا تھا کہ یہ احمر کی بیوی ہے اس سے پیار کرتی ہے اس کے بچے کی ماں ہے۔

عینی نے اگر احمر کے ساتھ بے وفائی کرنا ہوتی اسے چھوڑنا ہوتا تو احمر کے ایکسیڈنٹ کے بعد اس کے نابینا ہو جانے پر ہی اسے چھوڑ دیتی۔ اس کی امی نے تو اسے احمر سے طلاق لینے کیلئے دباؤ ڈالا تھا۔ شاکرہ بیگم اور جمیلہ بیگم نے کیسی کیسی باتیں بتائی تھیں۔ کیسی سازشیں تیار کی تھیں عینی اور احمر کو الگ کرنے کیلئے مگر وہ سب سازشیں عینی کی احمر سے بے لوث اور سچی محبت کی وجہ سے دم توڑ گئی تھیں۔ خود احمر، عینی کے بہتر مستقبل کیلئے اپنی معذوری کے باعث اسے چھوڑنا چاہتا تھا مگر عینی نے اسے اپنی قسم دے کر اپنی زندگی ختم کر دینے کی دھمکی دے کر ایسا کرنے سے باز رکھا تھا اور احمر اپنی اور عینی کی محبت کو بچانے کیلئے اس رشتے کو بچانے کیلئے یہاں سے چلا گیا تھا تاکہ کوئی انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کے منصوبے پر عمل نہ کر سکے اور تم نے یہ ساری باتیں بھلا دیں اور ان شاطر عورتوں کی باتوں پر یقین کر کے ہمیں شک اور ذلت کی سولی پر چڑھا دیا۔ شرم آنی چاہیے تمہیں، تم نے نظروں سے گر جانے والی حرکت کی تو ہم دونوں صرف بزنس میٹنگ کے سلسلے میں لنچ ہوٹل میں سب کے ساتھ کرتے ہیں اور عینی اور سنی کیلئے کیا میں نے آج سے پہلے کبھی شاپنگ نہیں کی۔ جب تم اس گھر میں آئی بھی نہیں تھیں تب سے میں اس کیلئے شاپنگ کرتا آ رہا ہوں آج تو ہم سنی کو آئس کریم کھلانے اور کھلونے دلانے لے گئے تھے اور یہ میں تمہیں کیوں صفائی پیش کر رہا ہوں میرا اور میری پیاری سی بہن عینی کا دامن صاف ہے کردار آئینے کی طرح شفاف ہے۔ تم اپنی آنکھوں پر جمی شک کی گرد صاف کرو نغمہ بیگم! اور کان کھول کر سن لو اگر آج کے بعد تم نے میری بہن کو شک کی نظر سے دیکھا تو تمہارا میرا رشتہ اسی وقت ختم ہو جائے گا۔'' اظفر حسن نے غصیلے اور تیز لہجے میں کہا۔

''اظفر!'' نغمہ بھابھی کا دل کانپ اٹھا۔ ان کی باتیں انہیں سچ کا عکس دکھا رہی تھی۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ انہوں نے غصے اور جلد بازی میں شک کو اپنے دل میں جگہ دے کر اپنے شوہر، عینی اور ساس کے دل میں اپنی جگہ ختم کر دی ہے وہ تو قرۃ العین کے حوصلے، ہمت احمر سے اس کی محبت کی گواہ تھیں اس پر رشک کرتی تھیں۔ اس کی سچی محبت کی دل سے قدر کرتی تھیں پھر یہ اچانک کیا ہوا انہوں نے سب کچھ بھلا دیا۔ شاکرہ بیگم اور جمیلہ بیگم کی فطرت سے واقف ہونے کے باوجود ان کی باتوں پر یقین کر لیا۔ وہ ندامت، دکھ اور بے بسی سے اپنا دل تھام کر بیٹھ گئیں۔

''عینی بیٹا! تم نغمہ کی باتوں کو دل پر نہ لینا۔ اس کی حماقت سمجھ کر نظر انداز کر دینا۔ جاؤ شاباش اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔''

اظفر حسن نے قرۃ العین کے سر پر دست شفقت رکھ کر کہا تو اس نے بھیگتی آنکھوں سے انہیں دیکھا دکھ اور ملال اس کی آنکھوں میں رقم تھا۔

''آئی ایم سوری بیٹا! نغمہ کے رویے پر میں بہت شرمندہ ہوں اس کی حرکت کی میں تم سے معافی مانگتا ہوں پلیز معاف کر دو۔'' وہ شرمندگی سے دکھ سے بولے۔

''آپ کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔'' اس نے بھیگتی آواز میں کہا اور تیزی سے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اظفر حسن نے بہت دکھ سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

''یہ تم نے کیا کیا نغمہ؟'' عائشہ بیگم نے اظفر حسن کے اسٹڈی روم میں جانے کے بعد ان سے روتے ہوئے کہا۔

''ارے تم نے اتنی کم عمری میں اتنی مضبوط نظر آنے والی خود کو ایک شخص سے منسوب رکھ کر اس کا انتظار کرنے والی حالات کا مقابلہ کرنے والی لڑکی کوئی دیکھی ہے میری عینی کے سوا۔ کتنا بڑا صدمہ پہنچایا ہے تم نے میری عینی کو، کچھ تو سوچا سمجھا ہوتا۔ ارے اپنی گود میں کھلایا ہے اظفر نے عینی کو ''بیٹی، بیٹا'' کہتے تم نے خود بھی سنا ہے ہزار دفعہ، پھر بھی تم نے ان پر شک کر لیا۔ اظفر نے کب تم سے کوئی بے وفائی کی یا چوری چھپے کوئی کام کیا تھا جو تم نے اس کے کردار پر شک کر لیا۔''

''امی! مجھ سے بھول ہو گئی شاید۔'' وہ روتے ہوئے بولیں۔

''شاید نہیں، یقیناً تم سے بہت بڑی بھول ہوئی ہے۔ مرد، عورت کے کردار پر شک کرے تو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر عورت اپنے مرد کے کردار پر شک کرتی ہے تو مرد کے بے قصور ہو جانے کی صورت میں وہ اپنا اعتبار اپنے مرد کی نظروں میں گنوا بیٹھتی ہے۔ اس کی محبت اور عزت اس کے مرد کے دل سے جاتی رہتی ہے اس کے رشتے میں دراڑ پڑ جاتی ہے۔ مرد کے دل میں دوبارہ جگہ بنانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اپنے شوہر کے دل میں اپنا وقار، اعتبار اور پیار کیسے پھر سے بحال کرتی ہو اور عینی معصوم تو تم سے گلہ تک نہیں کرے گی۔ تمہیں اس سے بھی معافی مانگنا ہو گی اور میں جانتی ہوں کہ جب تک عینی سے تم معافی نہیں مانگو گی تب تک اظفر بھی تمہیں معاف نہیں کرے گا۔'' عائشہ بیگم نے پرنم لہجے میں کہا۔

''یا اللہ! یہ میں نے کیا کر دیا؟'' نغمہ بھابھی روتے ہوئے بولیں۔

''برسوں کی عزت اور محبت ایک لمحے کی بھول سے زائل ہو جاتی ہے۔ پتہ نہیں ہم بولنے سے پہلے سوچتے کیوں نہیں ہیں۔ معافی مانگ لینا ان دونوں سے نغمہ! اس گھر کو بکھرنے مت دینا۔'' عائشہ بیگم نے روتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نغمہ بھابھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

☆☆☆

اس وقت تو یوں لگتا ہے اب کچھ نہیں ہے
مہتاب نہ سورج، اندھیرا نہ سویرا
آنکھوں کے دریچوں میں کسی حسن کی چلمن
اور دل کی پناہوں میں کسی درد کا ڈیرا

قرۃ العین، احمر کی انلارج کی ہوئی تصویر ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی اور اس کے آنسو اس کی تصویر کا شیشہ بھگو رہے تھے۔ نغمہ بھابھی کی باتوں نے اسے روح تک سے گھائل کر دیا تھا اسے یوں لگا تھا جیسے سرعام بھرے مجمعے میں کسی نے اسے گالی دے دی ہو۔ اس کا لباس تار تار کر دیا ہو۔ اسے کسی گہری کھائی میں دھکا دے دیا ہو۔ نغمہ بھابھی ایسا بھی کہہ سکتی ہیں اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی۔ وہ اس ذلت اور توہین پر کٹ کر رہ گئی تھی۔ اظفر حسن کو اس نے ہمیشہ اپنا بڑا بھائی سمجھا تھا۔ اشعر بھائی اور اظفر حسن میں کبھی کوئی فرق نہیں برتا تھا۔ ایسا کوئی خیال بھولے سے بھی کبھی اس کے دل و دماغ میں نہیں آیا تھا جو نغمہ بھابھی نے کہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں تو صرف احمر کا قبضہ تھا۔ وہی اس کے پیار کے خزانوں کا مالک اور حقدار تھا۔ احمر سے ہٹ کر تو اس نے کبھی کچھ سوچا بھی نہ تھا پھر اس کے ساتھ اتنا سنگین مذاق کیوں کیا گیا؟ وہ سوچ سوچ کر رو رہی تھی اور رو رو کر سوچ رہی تھی۔

''احمر حسن دیکھا تم نے آج تمہارے نہ ہونے سے تمہاری محبت پر کس طرح تہمت لگائی گئی ہے۔ سنا تم نے احمر حسن تمہاری عینی تمہارے اپنوں کے ہاتھوں ذلیل ہوئی ہے یہ سب تمہارے یہاں نہ ہونے سے ہوا ہے۔ بس احمر اب واپس آجاؤ پلیز احمر میں مزید ذلت اور تنہائی کا عذاب نہیں سہہ سکتی واپس آجاؤ احمر پلیز، میں تھک گئی ہوں۔ تم کیوں ستا رہے ہو مجھے بولو، کیوں تڑپا رہے ہو مجھے؟'' وہ روتے روتے اس کے تکیے پر سر رکھ کر اس پر مکے برساتے ہوئے بولی۔

''مما ہم آگئے۔'' اسیس مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو اسے روتے دیکھ کر ایک لمحے کو تو حیرت سے وہیں رک گیا پھر گھبرا کر فوراً اس کے پاس دوڑا چلا آیا اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر فکر مندی سے بولا۔

''مما! مما جانی کیا ہوا آپ رو رہی ہیں۔''

''سنی!'' قرۃ العین نے روتے ہوئے سر اٹھایا تو اسے پریشان دیکھ کر اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ تکیے پر احمر کی تصویر رکھی دیکھ کر وہ معصومیت سے بولا۔

''مما! آپ کو پاپا بہت یاد آرہے ہیں۔''

''ہاں بیٹا! آپ کے پاپا بہت یاد آرہے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''پاپا! آپ واپس آجائیں نا دیکھیں مما رو رہی ہیں۔ آپ میری مما کو کیوں رلاتے ہیں۔ جلدی واپس آئیں پاپا۔ مجھے کھلونے نہیں چاہئیں بس، آپ چاہئیں آپ جلدی سے ہمارے پاس آجائیں اور میری مما کو چپ کرائیں۔ ورنہ میں آپ سے نہیں بولوں گا۔'' اسیس نے احمر کی تصویر کو اٹھا کر اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے احمر کو مخاطب کر کے کہا اور خود بھی رو پڑا۔

''سن رہے ہو احمر حسن اب تو تمہارا بیٹا بھی تمہیں پکار رہا ہے یہ بھی تم سے خفا ہونے کو تیار ہے۔ اسے بھی میری طرح سوائے تمہارے اور کچھ نہیں چاہیے۔ پلیز احمر اپنے بیٹے کے آنسوؤں کی ہی لاج رکھ لو۔ میں تھک گئی ہوں احمر، مجھے تمہارے ساتھ کی تمہارے پیار کی ضرورت ہے۔ لوگ مجھے نفرت، حسد اور غصے سے آج بھی دیکھ رہے ہیں جن لوگوں کی وجہ سے تم نے مجھے تنہا کر دیا تھا آج پھر ان لوگوں نے مجھ پر وار کیا ہے۔ احمر حسن، مجھے تمہارے پیار کا مرہم چاہیے۔ خدا کیلئے اب تو میرا امتحان ختم کر دو۔ میرے دل کی حالت تم محسوس کر سکتے ہو احمر حسن پھر بھی سنگدلی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ مجھے ڈر لگنے لگا ہے احمر، مجھے ان لوگوں سے ڈر لگنے لگا ہے۔ پلیز مجھے ان سے چھپا لو، مجھے اپنی پناہوں میں چھپا لو احمر!''

وہ اسیس کو اپنے ساتھ لپٹائے بلک بلک کر روتے ہوئے بول رہی تھی۔

''مما! نہیں روئیں ناں۔'' اسیس نے روتے ہوئے کہا۔

''سنی بیٹا! اللہ سے دعا کریں کہ آپ کے پاپا گھر آجائیں۔''

''اللہ میاں میرے احمر پاپا کو جلدی سے ہمارے پاس بھیج دیں۔ پاپا جلدی سے گھر آجائیں آمین۔'' اس نے ہاتھ پھیلا کر روتے ہوئے دعا مانگی اور پھر قرۃ العین کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے معصومیت سے کہنے لگا۔

''مما! آپ نہیں روئیں مما میں نے اللہ میاں سے کہہ دیا ہے۔ اب وہ پاپا کو گھر لے آئیں گے۔ پھر ہم پاپا کو جانے نہیں دیں گے۔''

''ہاں ہم انہیں پھر کہیں نہیں جانے دیں گے۔'' قرۃ العین نے اس کی پیشانی چومی اور اسے اپنے سینے سے لگا کر بلک بلک کر روئے گئی۔

آج بہت عرصے بعد وہ اتنی شدت سے روئی تھی۔ اسیس بھی اسے روتے دیکھ کر بہت پریشان ہو گیا تھا اور روتے روتے وہ اس کے سینے سے لگا ہی سو گیا تھا۔ وہ بھی اسے لپٹا کر روتے روتے سو گئی۔

عائشہ بیگم اس کے کمرے میں آئیں تو دونوں ماں بیٹا کو ایک ساتھ لپٹا کر سوتے دیکھ کر خوشی اور دکھ کے احساسات سے بیک وقت دو چار ہوگئیں۔ خوشی ان کے ساتھ ہونے کی تھی اور دکھ احمر کے ان کے پاس نہ ہونے کا تھا اور نغمہ بھابھی کے رویے کا تھا وہ ان پر چادر پھیلانے کیلئے آگے بڑھیں تو قرۃ العین کے بھیگے رخساروں اور احمر کی تصویر اس کے سرہانے رکھی دیکھ کر ان کے اندر بے چینی سی پھیل گئی وہ سمجھ گئی تھیں کہ عینی بہت دیر تک روتی رہی ہے اور نغمہ کی باتوں نے اسے بہت دکھ اور اذیت دی ہے وہ ان دونوں پر چادر پھیلا کر افسردہ سی واپس نیچے چلی گئیں۔

اظفر حسن اپنے بیڈروم میں نہیں آئے تھے۔ وہ اسٹڈی روم میں موجود بیڈ پر ہی لیٹ گئے تھے مگر نیند ان کی آنکھوں کا رستہ ہی بھول چکی تھی وہ نغمہ کے رویے سے بہت دل برداشتہ ہو رہے تھے۔ انہیں بہت دکھ تھا کہ ان کی بیوی نے ان پر شک کیا اور ان کی پیاری بہن بھابھی اور بیٹی جیسی قرۃ العین کے ساتھ انہیں انوالو کیا۔ وہ بہت چاہتے تھے نغمہ کو بہت خوش رکھتے تھے انہیں اور وہ بھی ایسی ہی محبت کرتی تھیں ان سے مگر اس محبت کے درمیان شک کی دیوار کھڑی ہوئی تھی اظفر حسن کو اپنے سے زیادہ قرۃ العین کے کردار کو نشانہ بنانے کا دکھ تھا۔ وہ اس کی احمر سے محبت اور اس کے ہجر کے غم سے خوب واقف تھے اس پر ایک اور دکھ کا پہاڑ نغمہ نے توڑ دیا تھا وہ بے بسی سے بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے۔

ادھر نغمہ کا بھی یہی عالم تھا انہیں اظفر کی باتیں سکون سے سوچنے اور سمجھنے پر غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا اور اظفر حسن کے سامنے خود کو سر اٹھا کر بات کرنے کے قابل نہیں سمجھ رہی تھیں۔ انہیں یہ احساس ہی بے چین و مضطرب کیے جا رہا تھا کہ انہوں نے اپنی ذرا سی بھول سے اپنے شوہر کی نظروں میں اپنا مقام کھو دیا ہے۔ قرۃ العین اور اظفر حسن کے پاکیزہ رشتے پر شک کر کے خود کو سب کی نظروں میں گرا لیا ہے۔ انہیں شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ عزت اور مقام حاصل کرنے کیلئے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے مگر مقام سے بے مقام ہونے اور بے عزت ہونے میں صرف ایک لمحہ لگتا ہے اور وہی ایک لمحہ عمر بھر کیلئے ندامت کے غار میں دھکیلنے کیلئے کافی ہوتا ہے وہ بے چینی و بے قراری کے عالم میں کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ اظفر حسن اور قرۃ العین سے اپنے رویے کی معافی مانگنا چاہتی تھیں مگر خود میں ان کے سامنے جانے کی ہمت نہیں پا رہی تھیں۔

''نغمہ بیگم! اگر تم اظفر اور عینی کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کی انہیں ذلیل کرنے کی ہمت اور جرأت کر سکتی ہو تو اپنے اس رویے کی بدصورتی پر ان سے معافی مانگنے کی ہمت اور جرأت کیوں نہیں کر سکتیں؟ یاد رکھو نغمہ اگر تم نے معافی مانگنے میں دیر کر دی تو تم ہمیشہ کیلئے اپنے شوہر کا پیار کھو دو گی اپنا

وقار گنوا بیٹھو گی۔''

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا'' نغمہ اپنے ضمیر کی آواز پر تڑپ کر بولیں۔

''مجھ سے اظفر کی بے رخی اور لاتعلقی کبھی برداشت نہیں ہو گی میں مر جاؤں گی مگر ان کی بے رخی نہیں سہہ پاؤں گی۔''

''تو پھر دیر کیوں کر رہی ہو اٹھو اور ان سے معافی مانگو۔ غلطی تسلیم کر لینے سے تمہاری انا پر کوئی حرف نہیں آئے گا بلکہ تمہارا وقار بحال ہو گا۔''

نغمہ کے دماغ نے رائے دی تو وہ ہمت کر کے پہلے قرۃ العین کے کمرے کی طرف چلی آئیں۔ رات کے دو بج رہے تھے وہ جانتی تھیں کہ عینی جاگ رہی ہوگی۔ ایسا روح شکن الزام انہوں نے اس کے پاکیزہ کردار پر دھرا تھا کہ اسے نیند آ ہی نہیں سکتی تھی وہ تو کانٹوں کے بستر پر رات بسر کر رہی ہوگی اور ان کا اندازہ درست نکلا جب انہوں نے آہستگی سے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو قرۃ العین کو جائے نماز پر ہاتھ پھیلائے اشکبار آنکھوں سے دعا مانگتے بیٹھے دیکھ کر وہ ٹھہر گئیں۔ قرۃ العین درد بھرے لہجے میں بلک بلک کر روتے ہوئے اپنے رب سے مخاطب تھی۔

''اے اللہ! یا سمیع و بصیر تو، تو سب کچھ جانتا ہے سب کچھ دیکھ رہا ہے تجھ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ تو جانتا ہے نا کہ میں نے صرف اپنے شوہر کو چاہا ہے۔ صرف احمر حسن کو اپنی محبتوں اور وفاؤں کا محور بنایا ہے میں نے تو کبھی احمر کے سوا کسی کو اس نظر سے نہیں دیکھا تو جانتا ہے مالک کہ میں اپنے شوہر سے کس قدر پیار کرتی ہوں اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ اظفر حسن میرے بھائی اور باپ جیسے ہیں ان کیلئے میرے دل میں جو عزت و احترام ہے، جو محبت ہے وہ ایک بھائی اور باپ کی سی ہے۔ ہمارے رشتے اور تعلق کی پاکیزگی سے تو، تو بے خبر نہیں ہے نا۔ پھر یہ میرے ساتھ کیوں ہو گیا۔ نغمہ بھابھی نے ایسا گھٹیا الزام ہم پر عائد کر دیا۔ میں تو آج تک اپنے احمر کے انتظار میں جی رہی ہوں اے اللہ! میں تھک گئی ہوں۔ بس میرے مولا! میں بہت کمزور اور ناتواں ہوں مجھے اور نہ آزما میرے شوہر کو میرے احمر کو مجھ سے ملا دے۔ احمر کو واپس آنے کا اذن دے دے مالک! میں اس کی محبت پر یہ الزام نہیں سہہ سکتی اب تو احمر کو میرے پاس آنے کا واپس میرے پاس آنے کا راستہ دکھا دے تاکہ یہ الزام میرے پاکیزہ دامن سے ڈھل سکے۔ تجھے اپنے پیاروں کا واسطہ ہے مالک! مجھ سے میرے پیارے شوہر کو ملا دے۔ یا اللہ، یا کریم، یا مجیب، یا وہاب، یا رؤف میری دعا قبول فرما لے۔''

قرۃ العین دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو نغمہ بھابھی کا دل چیرتا چلا گیا اس

کے آنسو اس کے الفاظ انہیں ندامت اور ذلت کے احساس سے دوچار کر گئے۔ وہ ان کے رویے کی وجہ سے اپنے رب سے فریاد کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ ان کیلئے اس سے بڑی بے بسی کی بات کوئی اور نہیں تھی۔ وہ قرۃ العین سے کچھ کہنے کی ہمت نہ کرسکیں اور چپکے سے اس کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ آنسو بے اختیار ان کی آنکھوں سے بہتے چلے جارہے تھے۔

''یا اللہ! یہ میں نے کیا ظلم کردیا اتنی معصوم محبتوں میں گندھی لڑکی کو دکھ سے دوچار کردیا۔ آنسوؤں میں نہلا دیا۔ مجھے معاف کردے میرے اللہ!'' نغمہ نے روتے ہوئے خودکلامی کے سے انداز میں کہا اور ہمت کر کے اظفر حسن سے معافی مانگنے کیلئے اسٹڈی روم میں داخل ہوگئیں۔

اظفر حسن آنکھوں پر بازو رکھے بیڈ پر چت لیٹے تھے۔ نغمہ نے بیڈ کے قریب آکر کنارے پر بیٹھ کر روتے ہوئے ان کے پاؤں پر ہاتھ رکھا۔

''اظفر!''

''تم کیوں آئی یہاں؟'' اظفر حسن نے چونک کر آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر انہیں دیکھتے ہوئے اپنے پاؤں اوپر کرتے ہوئے پوچھا۔

''اظفر پلیز، میری بات تو سنیں۔'' وہ تڑپ کر ملتجی لہجے میں بولیں۔

''ابھی کچھ اور سننے کو باقی رہ گیا ہے نغمہ بیگم!'' وہ طنز سے بولتے اٹھ بیٹھے۔

''اظفر پلیز مجھے معاف کردیں۔'' انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

''کس بات کی معافی مانگ رہی ہیں آپ؟''

''مجھ سے بہت بھول ہوگئی، اظفر میں شاکرہ اور جمیلہ آنٹی کی باتوں میں آگئی تھی۔''

''کیوں کیا تم ان کی فطرت سے واقف نہیں تھیں یا تم ہمیں اس قدر گھٹیا سمجھتی تھیں کہ ہم مقدس رشتوں کو پامال کرسکتے ہیں؟''

''نہیں اظفر! میں نے کبھی ایسا نہیں سمجھا تھا بس وہ ایک لمحہ میری عقل سمجھ پر غالب آگیا تھا۔ انہوں نے اس انداز سے بات بنائی تھی کہ میں ان کی باتوں میں آگئی۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' نغمہ نے روتے ہوئے کہا اور آخر میں ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ اظفر حسن بے چینی کے باوجود پتھر بنے بیٹھے رہے۔

''معافی مانگنی ہے تو عینی سے مانگو میں تو تمہارا دیا ہوا یہ زخم سہہ ہی جاؤں گا مگر عینی، اس معصوم کیلئے یہ الزام سہنا کس قدر تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوگا شاید تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔''

''مجھے اندازہ بھی ہے اور احساس بھی ہے میں اس سے بھی معافی مانگ لوں گی۔ آپ تو

مجھے معاف کردیں ناں پلیز اظفر ورنہ میں اپنی جان دے دوں گی۔''

''ایک غلطی کافی نہیں ہے کیا جواب دوسری غلطی کرنے کی حماقت کرو گی اب تم کیا جان دو گی؟ تم تو جان لینے والے اقوال بیان کررہی ہو آج تمہاری اس حرکت کی وجہ سے اگر عینی میکے جا بیٹھی تو کیا جواب دیں گے ماموں ممانی کو اور جس کے نام پر وہ یہاں تنہائی کا زہر پی رہی ہے۔ جس کے انتظار کی سولی پر وہ لٹکی ہوئی ہے۔ اسے کیا جواب دیں گے ہم، احمر نے ہمیں عینی کا خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔ کیا منہ دکھائیں گے ہم اسے کہ ہم نے اس طرح خیال رکھا ہے اس کی محبت کا اس کی روح تک کو گھائل کرڈالا ہے۔ اس کے پیار اور اعتبار کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ احمر تو اس کی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا اور تم نے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب جمع کردیا ہے، کیا ہوگیا تھا تمہیں نغمہ بیگم! تم نے تو مجھے بھی عینی کا سامنا کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔'' اظفر حسن نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''پلیز مجھے معاف کردیں اظفر!'' وہ روتے ہوئے منت سے بولیں۔

''پھر وہی بات، میں تمہیں تب ہی معاف کروں گا جب عینی تمہیں معاف کردے گی۔ جاؤ جا کر عینی سے معافی مانگو۔'' وہ غصے سے بولے۔

''میں گئی تھی اس کے کمرے میں وہ نماز پڑھ رہی تھی۔''

''نماز پڑھ رہی تھی یا اللہ کی عدالت میں اپنا دکھ بیان کر رہی تھی۔'' اظفر حسن نے کہا تو انہوں نے شرمندگی سے نظریں جھکالیں۔

''ظاہر ہے جب اپنوں نے اسے بے اعتبار کردیا ہے تو وہ اللہ سے ہی رجوع کرے گی نا اسی سے اپنی بے گناہی کا سچ بیان کرے گی اسی سے مدد چاہے گی۔ کاش! احمر نہ گیا ہوتا تو یہ سب نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ عینی کی دعائیں قبول کرلیں اور احمر کو واپس آنے کا راستہ دکھا دیں۔'' اظفر حسن نے حسرت و امید اور بے بسی سے دعائیہ لہجے میں کہا۔

''آپ نے مجھے معاف کردیا نا اظفر!''

''ہاں میں نے یوں تو تمہیں معاف کر ہی دیا ہے کیونکہ میرے معاف نہ کرنے سے جو کچھ ہو چکا ہے اس کا ازالہ تو نہیں ہو پائے گا نا، ہاں اگر عینی نے تمہیں معاف نہ کیا تو مجھ سے بھی کوئی امید مت رکھنا۔''

''اظفر!''

''فکر نہ کرو بس معافی مانگنے کی ہمت کرو مجھے یقین ہے کہ عینی تمہیں معاف کردے گی۔

وہ معصوم تمہیں معاف کر دینے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہے نفرت اور انتقام اس کے مزاج کا حصہ ہی نہیں ہے اور پھر جو زخم تم نے اسے لگایا ہے اس کی تکلیف تو وہ اب تک سہہ رہی ہے بعد میں جیسا بھی مرہم رکھ لو یہ تکلیف کم تو ہو جائے گی مگر ختم نہیں ہوگی۔'' اظفر حسن نے نہایت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ شرمندگی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آپ اپنے کمرے میں چل کر سو جائیں۔''

''نیند آ جائے گی تو سو جاؤں گا نا۔ تم جاؤ یہاں سے۔''

''اظفر پلیز۔''

''تم نہیں جاؤ گی تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا سنا تم نے۔''

''آپ کہیں نہیں جائیں گے پلیز اظفر میں، میں چلی جاتی ہوں۔'' وہ ان کی دھمکی سے گھبرا کر تیزی سے بولیں اور روتی ہوئی اسٹڈی روم سے باہر نکل گئیں۔ اظفر حسن نے بے بسی سے تکیے پر مکہ دے مارا۔

☆☆☆

صبح کے آٹھ بج رہے تھے اور قرۃ العین بے سدھ پڑی تھی۔ اسیس کب کا بیدار ہو چکا تھا پہلے تو وہ اس کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا پھر جب وہ نہیں جاگی تو وہ اس کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر اسے مما مما پکارنے لگا۔

''مما اٹھ جائیں ناں۔''

قرۃ العین کے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی تو وہ بستر سے نکل کر کمرے سے باہر آ گیا اور وہیں کھڑا ہو کر عائشہ بیگم اور اظفر حسن کو پکارنے لگا۔

''دادی ماں، تایا، ابو، میلی (میری) مما کو کچھ ہو گیا ہے وہ سوئے جا رہی ہیں، تایا ابو!''

''ارے، یہ تو سنی کی آواز ہے دیکھنا اظفر سنی رو رہا ہے۔''

عائشہ بیگم میز پر ناشتہ لگوا رہی تھیں اظفر حسن اسٹڈی سے باہر نکلے تھے وہ بھی اسیس کی آواز سن چکے تھے عائشہ بیگم کے کہتے ہی انہوں نے زینے پر قدم رکھا اور اوپر دوڑ لگا دی۔

اسیس رو رہا تھا انہوں نے اسے گود میں اٹھا کر پیار کیا اور قرۃ العین کے کمرے میں داخل ہوئے اس کی بے سدھ سی حالت دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو ان کا دل ڈوبنے لگا وہ تو بہت تیز بخار میں جل رہی تھی۔

''او مائی گاڈ! عینی، عینی گڑیا آنکھیں کھولو، دیکھو سنی رو رہا ہے۔'' اظفر حسن نے اس کے سر

پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پریشان لہجے میں کہا مگر اس کے وجود میں ذرا برابر بھی حرکت نہ ہوئی۔ عائشہ بیگم بھی اتنی دیر میں اوپر اس کے کمرے میں پہنچ گئیں آن کی آن میں پورے گھر میں قرۃ العین کی خراب حالت کی خبر پھیل گئی۔ نغمہ بھابھی احساس جرم اور احساس ندامت میں گھر گئیں۔ اظفر حسن نے فوراً ڈاکٹر کو فون کر کے بلایا۔ قرۃ العین کا چیک اپ کیا گیا اسے سکون کا انجکشن لگا دیا گیا۔ ڈاکٹر کے مطابق قرۃ العین کسی گہرے صدمے سے دوچار ہوئی تھی۔ یہ سن کر نغمہ بھابھی کسی کے سامنے نگاہ نہ اٹھا سکیں۔ اظفر حسن نے بہت تاسف بھری نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔ اظفر حسن، اسیس کو لے کر نیچے چلے آئے اور بچوں کے ساتھ اسے ناشتہ کرایا۔ عائشہ بیگم، قرۃ العین کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ آنسو ان کی آنکھوں سے رواں تھے۔ وہ اس کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ احمر کی تصویر دیکھتے ہوئے وہ تڑپ کر رو دیں۔ دن کے بارہ بجنے والے تھے جب قرۃ العین نے آنکھیں کھولیں۔ احمد حسن بھی گھنٹہ پہلے لاہور واپس آ گئے تھے۔ قرۃ العین کی حالت دیکھ کر انہیں بھی بہت تشویش ہوئی۔ وہ ہوش میں آئی تو سب کی جان میں جان آئی۔ عامرہ بیگم، انور رؤف، نبیلہ بھابھی، اشعر بھائی بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ سبھی اس کے سامنے اس کے آس پاس تھے ایک نہیں تھا تو احمر حسن نہیں تھا۔ قرۃ العین نے خالی خالی کھوجتی نظروں سے سب کو دیکھا احمر کو نہ پا کر اس نے بہت کرب سے آنکھیں موندیں۔

''عینی بیٹی!'' عائشہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے پکارا۔

''پھپھو! احمر اب بھی نہیں آیا نا۔'' اس کے لب بہت آہستگی سے ہلے تھے اس لیے اس کی آواز بھی صرف عائشہ بیگم ہی سن سکی تھیں اور تڑپ کر رہ گئی تھیں۔ احمر اس کا شوہر اور پیار تھا تو ان کے جگر کا ٹکڑا بھی تھا وہ بھی تو اس کیلئے دن رات تڑپتی رہتی تھیں دعائیں مانگا کرتی تھیں۔

''تم تندرست ہو جاؤ بیٹا احمر ضرور واپس آ جائے گا۔'' عائشہ بیگم نے آہستہ سے جواب دیا مگر سب نے سنا تھا۔ عامرہ بیگم بیٹی کی اس حالت کو تنہائی کا سبب سمجھ رہی تھیں۔ ان کی بے جا ضد نے ہی احمر کو یہاں سے جانے پر مجبور کیا۔

''کاش! میں نے احمر اور عینی کو جدا کرنے کی بات نہ کی ہوتی تو احمر گھر چھوڑ کر نہ جاتا اور عینی کا یہ حال نہ ہوتا اگر اسیس بھی نہ ہوتا تو عینی کس آس پر اتنا عرصہ گزارتی۔ یااللہ! مجھے معاف کر دے اور میری بیٹی کو اس کے شریک زندگی سے ملا دے اسے اس کی کھوئی ہوئی خوشیاں واپس دلا دے میرے مالک!'' عامرہ بیگم نے دل میں دعا مانگی۔

نغمہ بھابھی، قرۃ العین سے معافی مانگنا چاہتی تھیں مگر انہیں سب کی موجودگی میں اس سے

بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا عامرہ بیگم نے قرۃ العین کو اپنے ساتھ گھر چلنے کو کہا تو احمر کے جانے کے بعد پہلی بار اس نے میکے جانے سے انکار نہیں کیا تھا اور خاموشی سے اسیس کو لے کر ان کے ساتھ گھر آ گئی تھی۔ تین دن میں اس کا بخار تو اتر گیا مگر کمزوری بہت زیادہ ہوگئی تھی اس کے میکے میں سبھی اس بات سے بے خبر تھے وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ کام کے دباؤ اور احمر کی جدائی کے غم نے اسے بیمار کر ڈالا ہے۔ احمد حسن کو عائشہ بیگم نے مجبوراً ساری بات بتا دی تھی۔ انہیں بہت صدمہ پہنچا تھا نغمہ کے رویے پر وہ سبھی روز قرۃ العین سے دن میں کئی بار ملنے آتے۔ وہ تو جیسے چپ سی ہوگئی تھی۔ نغمہ بھابھی کے الفاظ اسے رہ رہ کر یاد آتے اور اس کی روح کو سلگاتے رہتے۔ اس کا سر درد سے پھٹنے لگتا۔ نیند اڑ جاتی اور بے بسی سے وہ اپنی حالت پر اشک بہانے لگتی۔ اسیس بھی اس کی حالت دیکھ دیکھ کر پریشان سا رہنے لگا تھا۔

☆☆☆

''عینی! میں اندر آ جاؤں۔'' نغمہ بھابھی نے اس کے کمرے میں قدم رکھنے سے پہلے دروازے پر رک کر پوچھا آج سب گھر والے اپنے اپنے معمولات میں مصروف تھے اسی لیے وہ موقع دیکھ کر اس کے کمرے کی طرف آئی تھیں۔

''آیئے بھابھی!'' وہ انہیں دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولی۔

''کیسی ہو عینی!'' وہ اس کے سامنے بیڈ کے کنارے پر آ بیٹھی۔

''پتا نہیں بھابھی کہ کیسی ہے عینی! ویسی جیسی سب کو لگتی ہے یا ویسی جیسی آپ کو لگتی ہے۔'' اس نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا تو وہ شرمندہ ہوگئیں اور اس کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

''عینی! میں بہت دنوں سے تم سے معافی مانگنا چاہ رہی تھی مگر موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ عینی پلیز مجھے معاف کر دو۔ تم پر اور اظفر پر شک کر کے تو میں خود اپنی نظروں میں گر گئی ہوں۔ میرے لیے تو یہ سزا ہی بہت ہے تم پلیز مجھے معاف کر دو۔ میں نے بہت بڑی سنگین غلطی کی ہے۔ تمہارا بہت دل دکھایا ہے مجھے معاف کر دو عینی!''

''مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے بھابھی۔ میں جس کے نام سے منسوب ہو کر اس گھر میں رہتی تھی جب اس نے میری پرواہ نہیں کی تو میں کسی اور سے کیا گلہ کروں۔ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں ہر انسان سے ایسی غلطی ضرور سرزد ہوتی ہے جس کے مداوے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور بالآخر وقت اس غلطی پر فراموش کی دھول اور گرد بچھاتا چلا جاتا ہے۔ اس کے درد کو کم کرتا چلا جاتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں میں اب ٹھیک ہوں آپ سے مجھے کوئی شکوہ ہی نہیں ہے تو معافی کیسی؟

میں آپ کیلئے اذیت کا باعث بنی اس کا مجھے افسوس ہے۔ بھابھی اگر میں نے احمر کی بات کا پاس نہ رکھنا ہوتا تو میں ہمیشہ کیلئے وہ گھر چھوڑ آتی۔ اس گھر پر احمر کی بیوی ہونے کی حیثیت سے میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا آپ کا ہے اس لیے بھی اتنے سال تک وہاں سے آنے کا نہ سوچ سکی۔ آپ کو اگر مجھ سے کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو میں وہاں دوبارہ نہیں جاؤں گی۔'' قرۃ العین نے نہایت سنجیدہ اور دھیمے لہجے میں تفصیل سے جواب دیا۔

''نہیں عینی پلیز ایسی باتیں مت کرو بہت شرمندہ ہوں اپنے کیے پر مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔ وہ گھر تمہارا ہے عینی تم واپس اپنے گھر چلو ہم نئے سرے سے پہلے کی طرح محبت اور اتفاق سے رہیں گے۔ احمر مجھے بھی بہت عزیز ہے اور تم تو احمر کی جان ہو ہم سب کی جان ہو ہم تمہارے آنسو دیکھ کر خوش نہیں رہ سکتے عینی! مجھے تمہارے کردار کی پختگی اور پاکیزگی پر اعتبار ہے بس میں شاکرہ اور جمیلہ آنٹی کے بہکاوے میں آ گئی تھی مگر اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں اب ایسا نہیں ہوگا اور جو کوئی ہمارے بیچ غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرے گا میں اسے منہ توڑ جواب دوں گی بس ایک بار مجھے دل سے معاف کر دو میری بہن۔'' نغمہ بھابھی نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے بھابھی میں کل واپس آ جاؤں گی ویسے بھی مجھے اپنے بیٹے کیلئے جینا ہے اس کیلئے خود کو ہر طرح کے حالات میں سنبھالے رکھنا ہے اسے میں کسی محرومی کا شکار نہیں ہونے دوں گی انشاء اللہ۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا تو انہوں نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

''انشاء اللہ تھینک یو عینی تھینک یو ویری مچ۔''

اور اگلے دن وہ ''حسن لاج'' واپس آ گئی، سب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اسے اپنی محبت اور شفقت کے ساتھ کا یقین دلایا اور وہ ایک بار پھر احمر کی خاطر اس کے بیٹے کے اس خاندان کی خاطر سب کچھ بھلا کر پہلے جیسی 'عینی' بن گئی۔ نغمہ بھابھی بھی اظفر حسن سے معافی مانگنے کے بعد ان کے مثبت رویے پر پرسکون ہوگئی تھیں۔ سبھی پرسکون تھے۔ بظاہر قرۃ العین بھی پرسکون تھی مگر اس کے من میں جو بے چینی، بے سکونی اور بے قراری سر پٹختی پھر رہی تھی اس سے کوئی بھی ناواقف تھا اسے زمانے بھر کی محبتیں اور مسرتیں مل جاتیں تب بھی احمر کی کمی پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی احمر سے محبت گزرتے وقت نے اور بھی گہری کر دی تھی۔ وقت گزرتا جا رہا تھا اس نے اسیس کو نرسری میں داخل کرا دیا تھا اور صبح اسے سکول چھوڑ کر آفس جاتی اور دوپہر ساڑھے بارہ بجے اسیس کو سکول سے پک کر کے گھر آ جاتی اور باقی کا سارا وقت وہ اسیس کے ساتھ ہی گزارتی اور گھر کے کاموں میں نغمہ بھابھی اور عائشہ بیگم کا ہاتھ بٹاتی۔ دوسرے کاموں کیلئے تو گھر میں ملازمین موجود تھے مگر کچن میں

کھانا پکانے کا کام گھر کی عورتیں ہی کرتی تھیں اور کام کی نگرانی کرتی تھیں۔

☆☆☆

آج احمر اور قرۃ العین کی شادی کی پانچویں سالگرہ تھی۔ وہ شام سے خوبصورت تصاویر کا البم کھولے بیٹھی تھی۔ شام کو سب نے اسے مبارکباد دی تھی۔ کیک کٹوایا تھا تحائف دیئے تھے۔ مگر رات اس کے کمرے میں سہاگ رات کی فسوں خیز یادوں کی بارات بن کر اتر آئی تھی۔

''احمر! آج ہماری شادی کو پورے پانچ برس ہو گئے ہیں اور تم نے ایک بھی سالگرہ میرے ساتھ کیک کاٹتے کینڈل بجھاتے اور گفٹ دیتے ہوئے نہیں منائی۔ تم اتنے سنگدل تو نہیں تھے احمر پھر کیسے مجھ سے دور ہو اب تک، دل اور روح میں آنکھوں میں تو رہتے ہو بستے ہو دھڑکتے ہو لیکن بظاہر کہیں نہیں ہوتے۔ میں تمہیں چھو کر محسوس کرنا چاہتی ہوں تصور خیال اور دل کی آنکھ سے ہٹ کر بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔ حقیقت میں تمہیں اپنے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں پلیز اب تو لوٹ آؤ۔ تم جیسے بھی ہو جس بھی حال میں ہو لوٹ آؤ احمر پلیز میں تو دعائیں مانگتے مانگتے بھی نڈھال ہوتی جا رہی ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی نامہربان لمحے نے مجھے چپکے سے جلا کر نوائے شب کی ہتھیلی پہ رکھ دیا ہے۔ میں تو پل پل تمہارے ہجر میں سلگتی ہوں۔ رتیں لباس بدلتی ہوں جس کے کہنے پر اس سے تمہارے وصل کی ملن کی، دیدار اور پیار کی رت کی دعائیں مانگتی ہوں۔ احمر ابھی تو میں اسیس کو تمہارے متعلق مطمئن کر دیتی ہوں لیکن جوں جوں وہ بڑا ہوگا اس کے تجسس میں اضافہ ہوگا۔ سوالات میں اضافہ ہوگا جانتے ہو ہمارا بیٹا بہت ذہین ہے اور وہ ہر چیز کے متعلق بہت سوال پوچھتا ہے جب وہ مجھ سے تمہارے متعلق بڑے بڑے سوال کرنے لگے گا تب میں اسے کیا جواب دوں گی؟ احمر پلیز مجھے ان سوالوں میں الجھنے مت دینا۔ ایسا وقت آنے سے پہلے واپس آجانا۔ تمہیں احساس ہے کہ میں تمہیں کس قدر مس کرتی ہوں۔ کتنی کمی محسوس کرتی ہوں تمہاری۔ دل ہر وقت پریشان سا رہتا ہے تم نے کوئی فون کیا نہ خط لکھا میں تمہارے لیے کتنی فکرمند رہتی ہوں تم کیا جانو؟''

وہ اس کی تصویر کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں اس سے مخاطب تھی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی لہجہ بھیگ رہا تھا۔ اس نے احمر کی تصویر اپنے دل سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے احمر اس کے آس پاس موجود ہو اس کی خوشبو اسے اپنے اطراف بکھرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ احمر کی دلکش اور شیریں آواز مدھم مدھم اس کی سماعتوں میں اترنے لگی۔

میرے جانے پرائے جاناں!
پریشاں تم نہیں ہونا

کبھی چھپ کر نہیں رونا
جدائی زہر ہوتی ہے
مجھے معلوم ہے لیکن
فراق و ہجر کا موسم
یقیناً بیت جائے گا
یقیناً وصل کے لمحے
دوبارہ لوٹ آئیں گے
وہی شامیں، وہ راتیں
وہ قصے، وہی باتیں۔
وہ پھر داستان ہوگی
محبت مہرباں ہوگی
محبت مہرباں ہوگی

وہ خواب سے اس لمحے کو سنتی محسوس کرتی نیند کی وادی میں پہنچ گئی

نغمہ بھابھی اس کا پہلے سے زیادہ خیال رکھتیں۔ اس کے ساتھ دوستانہ رویہ پہلے سے زیادہ استوار کر لیا تھا شاید وہ اس پر لگائے گئے اپنے اس الزام کا داغ دھونا چاہتی تھیں اور اب تو سب کے ساتھ ساتھ وہ بھی احمر کی واپسی کی دعائیں زیادہ شدت سے مانگنے لگی تھیں۔ عامرہ بیگم اور عائشہ بیگم کا دل تو ہر پل قرۃ العین اور احمر کے ملاپ کی دعائیں مانگتا رہتا۔ عائشہ بیگم اور احمد حسن بھی اب تو بیٹے کی صورت دیکھنے کو ترس رہے تھے۔ دعا کیلئے ہاتھ بلند ہوتے آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگتے ہوئے چہرہ بھگونے لگتے۔ ہزار کوشش کے باوجود مکمل خوشی اور سکون کسی کو بھی میسر نہ آتا۔ سب ''احمر حسن'' کی جدائی کے دکھ میں سلگتے رہتے۔ قرۃ العین جس ثابت قدمی، صبر اور استقامت سے جس حوصلے اور بہادری سے احمر کی جدائی کا زہر پی رہی تھی۔ اس نے اسے سب کی نظروں میں پہلے سے زیادہ قابل تعظیم اور عظیم بنا دیا تھا۔ سب کے دل اس کی محبت سے معمور تھے اور وہ دل سے اس کی خوشیوں کیلئے دعاگو تھے۔

☆☆☆

کبھی کبھی مسافت پر جب تنہا لوگ جاتے ہیں
سفر کی صعوبتیں سہہ کر

وہ اک دن ٹوٹ جاتے ہیں
پلٹ کر اپنے گلشن کو
بڑی حسرت سے دیکھتے ہیں
کسی محبوب چہرے کو
لپک کر چھونے کی خواہش
شدت سے مچلتی ہے

بانہوں کا وسیع حلقہ اپنی ویرانی پہ روتا ہے
بہت ہی درد ہوتا ہے
کسی بچھڑے مسافر کی
ادائیں یاد آتی ہیں
اور ہر پل ستاتی ہیں
روح کا پنچھی جدائی کا سفر کرنے سے
پھر اک دن ہار جاتا ہے
اور واپس پلٹنے کا ارادہ باندھ لیتا ہے
اور گلشن کے کسی کونے میں بیٹھی
اک غمگین لڑکی کو
ملن رت کا سندیسا ہوا کے ہاتھ بھیجتا ہے
مگر غمگین لڑکی تو بس روتی ہی رہتی ہے
اسے اب کون بتلائے؟
کہ
ملن کی آہٹیں اس کے دروازے پہ دستک دے رہی ہیں

باہر بارش کی بوندوں نے سرگم چھیڑ رکھی تھی۔ قرۃ العین کچھ دیر کھڑکی کے پاس کھڑی باہر کا منظر دیکھتی رہی پھر آنکھیں موند لیں۔ احمر کی باتوں کی یادوں کی بازگشت اس کی سماعتوں میں گونجنے لگی۔

''تمہاری سلور جوبلی پر میں تمہیں ایک شاندار سرپرائز دوں گا۔ پچیسویں سالگرہ کا

سرپرائز گفٹ۔''

''جو تم کہو گی جو تم چاہو گی لیکن ہوگا سرپرائز گفٹ اور بہت قیمتی گفٹ ہوگا اور رات کے بارہ بجے ہی دوں گا انشاء اللہ۔''

''میرا قیمتی گفٹ تو تم ہو احمر بس تم میرے پاس رہنا میری سلور جوبلی یادگار بن جائے گی۔''

جواب میں قرۃ العین نے اسے کہا تھا۔ اس نے یادوں سے گھبرا کر بے کل ہو کر آنکھیں کھول دیں اور وال کلاک کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا وال کلاک کی سوئیاں رات کے بارہ بجا رہی تھیں۔ اس کی پچیسویں سالگرہ کا آغاز ہو رہا تھا اور احمر اسے بڑی شدت سے یاد آ رہا تھا۔

''احمر! رات کے بارہ تو بج گئے ہیں اب تم مجھے وہ سرپرائز گفٹ دو جو تم نے مجھے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ میرا گفٹ تو تم ہو بس تم آج لوٹ آؤ احمر'' وہ بے اختیار بھیگتی آواز میں بولی اسی وقت لائٹ چلی گئی۔ باہر بارش میں تیزی آ گئی تھی۔ بادل گرج رہے تھے۔ وقفے وقفے سے بجلی چمک رہی تھی۔ ایک دم سے تیز اور سرد ہوا اس کے وجود میں سرائیت کرتی چلی گئی۔ اس نے کپکپاتے ہوئے کھڑکی بند کر دی اور چٹخنی لگا کر پردہ آگے کھینچ دیا۔ بیٹری چارج لیمپ جلانے کیلئے آگے بڑھی تو اسے کمرے میں مختلف چیزوں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ وہ گھبرا کر تیزی سے بیڈ کی طرف آئی اور اسیس کو ہاتھ لگا کر محسوس کیا اسے موجود پا کر مطمئن ہو گئی اور سائیڈ ٹیبل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بیٹری چارج لیمپ ڈھونڈنے لگی۔ لیمپ پر ہاتھ پڑا تو اس نے اٹھا لیا اس سے پہلے کہ وہ لیمپ کا بٹن دبا کر اسے آن کرتی کمرے میں موم بتی جل اٹھی اور روشنی سی بکھر گئی۔ اس نے چونک کر دیکھا سینٹرل ٹیبل پر درمیان میں پانچ موم بتیاں جل رہی تھیں۔ وہ حیرت زدہ ہونے کے ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی ہو گئی۔ لیمپ کا بٹن پش کر دیا کمرہ مزید روشن ہو گیا کمرے میں کوئی نہیں تھا دروازہ بھی اندر سے لاک تھا تو پھر یہ موم بتیاں کس نے جلائی تھیں کہاں سے آئی تھیں؟ یہ سوال تھے کہ جنہوں نے اس کے ہاتھ پاؤں خوف سے بھی ٹھنڈے کر دیئے۔ سردی سے تو وہ پہلے ہی ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ وہ لیمپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ڈرتی ڈرتی سینٹرل ٹیبل کے قریب چلی آئی۔

میز پر درمیان میں پانچ پاؤنڈ کا کیک رکھا تھا۔ جس پر ''ہیپی برتھ ڈے عینی'' تحریر تھا جسے پڑھ کر اس کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ ایک سرخ تازہ مہکتے گلابوں کا بکے بھی میز پر موجود تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے عینی، ہیپی برتھ ڈے مائی

لائف۔'' احمر کی محبت سے بھرپور دلکش آواز اس کی سماعتوں میں اترتی چلی گئی۔ چند سیکنڈ تو وہ بت بنی کھڑی رہی۔ پھر آواز کی سماعت مڑ کر دیکھا تو جیسے آسمان اپنی پوری شدت سے گر جاتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بجلیاں سی تڑپی تھیں۔ اس کا محبوب شوہر احمر حسن اس کے سامنے کھڑا اپنی مخصوص ادا سے مسکرا رہا تھا۔

وہ یقین اور بے یقینی کی سی کیفیت میں مبتلا اسے دیکھے جارہی تھی۔

''عینی ادھر آؤ میرے پاس۔'' احمر نے اپنی بانہیں پھیلا کر پیار سے کہا۔

''میں تو تمہارے پاس ہی تھی تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔'' وہ کرب سے بولی۔

''اب تو آگیا ہوں نا میری جان! آؤ میرے پاس۔'' وہ اسی محبت سے بولا۔

''نہیں تم میرا مذاق اڑاتے ہو۔ میں پاس آتی ہوں تو تم غائب ہو جاتے ہو، میں کب تک تمہارے تصور و خیال کے پیچھے خواب کے اندر پناہ ڈھونڈتی رہوں گی۔'' وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

''عینی! یہ خواب نہیں ہے نہ تمہارا تصور ہے نہ خیال ہے یہ تمہارا احمر ہے حقیقت میں تمہارے سامنے موجود ہے تمہارا احمر آؤ مجھے چھو کر یقین کر لو۔'' وہ اسی محبت بھرے لہجے میں بے قراری اور تڑپ لیے بولا۔

''یقین، مجھے بتاؤ مجھے احمر حسن اس یقین نے مجھے کتنے دکھ سے دوچار کیا ہے تم کیا جانو۔'' وہ میز کے سامنے صوفے پر بیٹھ کر تھکے تھکے لہجے میں بولی وہ اس کی آمد کو اب تک خواب سمجھ رہی تھی۔

''میں سب کچھ جانتا ہوں، اچھا شکوے گلے بعد میں کر لینا اپنی سلور جوبلی کا کیک تو کاٹو تمہارا سرپرائز گفٹ تمہیں نہیں ملا کیا؟''

''پتا نہیں۔'' وہ کیک کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''احمر حسن میرا گفٹ تو تم ہو، میرا تحفہ، میرا انعام تم ہو احمر مجھے تمہارے سوا کچھ نہیں چاہیے۔''

''مجھے بھی تو تمہارے سوا کچھ نہیں چاہیے۔'' احمر نے تڑپ کر آگے بڑھ کر کہا۔ اس نے ایک نظر اس پر ڈالی اور اپنی ذہنی حالت پر بے بسی سے مسکراتے ہوئے میز پر پلیٹ میں رکھی چھری اٹھائی اور کیک کاٹنے لگی تو احمر نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہیپی برتھ ڈے مائی لائف آئی لو یو ویری مچ سویٹ ہارٹ۔'' احمر نے اس کی حالت سے لطف اٹھاتے ہوئے کہا اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے۔ قرۃ العین بے یقینی کے صحرا سے نکل کر یقین کے گلستان میں آکھڑی ہوئی۔ احمر حسن کی مخصوص خوشبو اس کے لمس کی جوشیلی جنبش وحدت اس کی روح کی سوکھی کھیتی کو سیراب و شاداب کرتی چلی گئی۔

''احمر!'' اس کے لب حیرت اور مسرت سے وا ہوئے۔

''احمر کی جان میں آگیا ہوں تمہارے پاس سچ مچ آگیا ہوں۔'' وہ محبت سے بولا۔

''تم، تم سچ مچ آگئے ہو احمر۔''

''ہاں تو ہے نا تمہاری پچیسویں سالگرہ کا سرپرائز گفٹ۔''

''احمر! تم آگئے ہو نا احمر تم، او میرے خدا مجھے یقین کیوں نہیں آرہا۔'' وہ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کھڑی ہو کر خوشی سے روتے ہوئے بولی وہ اسے شانوں سے پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''یقین کرلو میرا روشنی۔''

''روشنی! احمر! تم دیکھ سکتے ہو۔ تمہاری آنکھوں کی روشنی واپس آگئی ہے نا احمر!'' وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے قرار و بے تابی سے پوچھ رہی تھی۔

''الحمدللہ میری بینائی لوٹ آئی ہے عینی میں دیکھ سکتا ہوں میں! اپنی محبت کو دیکھ سکتا ہوں۔ میری بینائی یہاں سے جانے کے تقریباً دس ماہ بعد لوٹ آئی تھی اور اللہ کے فضل و کرم سے دوبارہ میری آنکھوں میں کوئی تکلیف کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ میں تمہیں دیکھ سکتا ہوں عینی۔'' احمر نے اسے محبت سے کہا

وہ اس کی آنکھوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے رو دی۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے ہماری دعائیں قبول کر لیں۔'' وہ تشکر سے بھرے لہجے میں بولی اور پھر احمر کے سینے سے لپٹ کر بے اختیار بلک بلک کر رونے لگی۔ احمر نے اسے پوری شدت سے بے تابی سے اپنی بانہوں میں مقید کر لیا تھا اور وہ بھی ملن رت کے اس لمحے مسرت کے آنسو بہا رہا تھا باہر بادل برس رہے تھے اور اندر دو دل۔

''تم ٹھیک ہو گئے تھے تو پھر واپس کیوں نہیں آئے؟ اتنے سال کیوں تڑپایا مجھے کیوں آزمایا مجھے بولو؟'' وہ اس کے سینے پر مکے برساتی ہوئی روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''دراصل میں نے وہاں ایک کمپنی سے تقریباً چار سال کا کنٹریکٹ سائن کر لیا تھا اسی لیے نہیں آیا اور میں وہاں رہ کر تجربہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کامیابی کیلئے ایسے مواقع سے فائدہ اٹھانا

چاہیے نا۔"

"اور مجھے بھلا دیا تم نے، تم جھوٹے بے ایمان آدمی مجھے ایسے چھوڑ گئے جیسے میں تمہاری کچھ لگتی ہی نہیں تھی۔ نہ فون کیا نہ خط لکھا تم تو کہتے تھے کہ تم میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتے۔ پھر کیسے رہ لیے اتنے سال بولو؟" وہ مسلسل اسے آنسوؤں اور سوالوں کی زد میں رکھتے ہوئے بولی۔

"تمہاری خوشبو، تمہاری محبت، تمہاری دعائیں تو میں ہر دم اپنے جسم و جان میں محسوس کرتا تھا تو میرے پاس تھیں۔ دور نہیں رہیں تم مجھ سے، اور عینی جان! جن حالات میں، میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھے اتنی جلدی واپس نہیں جانا چاہیے۔ میرا علاج ہوا بینائی لوٹ آئی تو دل نے تمہیں دیکھنے کی تمنا کی مگر میں نے دل پر جبر کیے رکھا صرف اس لیے کہ پھر سے ہمارے بیچ زمانے کی بے حسی حائل نہ ہونے پائے ممانی بیگم کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے سب دل سے تمہارے اور میرے ایک ہونے کی دعائیں مانگیں۔ میرے لوٹ آنے کی دعائیں مانگیں۔ ورنہ تم سے میں بھلا تم سے دور رہ سکتا تھا نہیں عینی۔ یہ عارضی جدائی میں نے تمہارے اور اپنے ابدی ساتھ کیلئے قبول کی تھی جو درد جدائی تم نے سہا ہے وہ میں نے بھی تو جھیلا ہے روشنی۔" احمر نے پرنم لہجے میں کہا تو وہ بلک کر بولی۔

"تم نے اپنی مرضی سے یہ راستہ چنا تھا۔ اب چلتے چلتے جب تمہارے پاؤں شل ہو گئے ہیں تو تم لوٹ آئے ہو تو مجھ سے یہ گلہ یہ وضاحت کیوں؟ دے سکتے ہو پانچ برس کا حساب؟"

"وقت کا تو نہیں ہاں مگر محبت کا حساب دے سکتا ہوں۔ میں کتنا ترسا ہوں تمہاری قربت اور محبت کو، میں نے تو تمہارے آنچل کا لمس تک محسوس کیا کرتا تھا۔" وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جھوٹے، بے ایمان جاؤ میں تم سے نہیں بولتی۔" وہ اس کے سینے اور بازو پر مکے مارتے ہوئی بولی۔

"چلا جاؤں۔" وہ مسکرایا۔

"جا کے دکھاؤ میں اب جانے دوں گی نا تمہیں ظالم انسان۔"

وہ اس کے گریبان کو مٹھیوں میں پکڑ کر روتے ہوئے بولی تو وہ محبت سے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر مسکرا دیا اور اس کے ہاتھوں کو چوم کر اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

"تم تو بہت عظیم اور بہادر ہو نا میری جان ہو نا تم، تو پلیز مجھے معاف کر دو۔ بخدا میں تمہیں دکھی کرنے اور رلانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ سب حالات کے دباؤ میں آ کر مجبور ہو کر

کیا تھا میں نے اب تو میں آ گیا ہوں ناں تمہارے ایک ایک آنسو کا حق اپنے پیار سے ادا کروں گا۔ تمہاری جدائی کے ایک ایک لمحے کو اپنی محبت اور قربت سے آباد کروں گا۔ تمہارے ان یاقوتی لبوں پر حقیقی مسرت سے بھری مسکان سجا دوں گا انشاءاللہ۔"

"بولنا تو بہت خوب آ گیا ہے تمہیں۔" وہ پرنم اور بھیگے لہجے میں بولی۔

"شکریہ اور اب رونا بند کرو بہت رو لیے ہم دونوں تمہاری سلور جوبلی برتھ ڈے ہے آج میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے یہ بتاؤ کہ اس سرپرائز گفٹ کے علاوہ تم مجھ سے کیا تحفہ لو گی؟"

وہ ہنس کر اس کے چہرے کو اس کے آنچل سے صاف کرتے ہوئے پیار سے پوچھ رہا تھا۔

"تم نہیں جانتے کہ مجھے تم سے کیا تحفہ چاہیے۔؟"

"پیار کے علاوہ کیا لو گی؟" وہ سمجھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم سے ایک وعدہ لوں گی۔"

"کیسا وعدہ؟"

"احمر! تم مجھ سے وعدہ کرو کہ اب کبھی حالات خواہ کیسے بھی ہوں تم دوبارہ کبھی مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔ مجھے اپنی محبت سے، اپنے پیار سے اپنے اعتماد اعتبار سے یقین سے کبھی محروم نہیں کرو گے مجھ سے وعدہ کرو احمر۔" اس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کی محبت میں سرشار اور مسرور ہو کر بے خود ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر چوم کر بولا۔

"وعدہ۔"

"پورا کرو گے یہ وعدہ۔"

"انشاءاللہ، انشاءاللہ، انشاءاللہ۔"

احمر نے تین بار بھیگتے لہجے میں دل سے کہا اور اس کی پیشانی چوم کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس ملن رت کے آنچل نے اسے ایک بار پھر آنسوؤں میں بھگو دیا۔

اسی وقت لائٹ آ گئی کمرہ پوری طرح روشن ہو گیا۔ دونوں نے اس مکمل روشنی میں ایک دوسرے کے چہروں کو بہت محبت اور بے قراری سے دیکھا ایک دوجے کے آنسو صاف کیے۔

"پاپا! پاپا آ گئے، مما یہ میرے پاپا ہیں ناں۔"

اسیس کی آنکھ کھل گئی تھی اس کی نظر یکایک سامنے احمر کے چہرے پر پڑی تو وہ خوشی سے اٹھ کر چیخ اٹھا۔ وہ دونوں بری طرح چونک کر اس کی طرف مڑے۔ احمر کی آنکھوں میں حیرت اور

استفسار تھا۔

''ہاں سنی بیٹا آپ کے پاپا آگئے ہیں۔'' وہ ایس کی طرف دیکھتے ہوئے خوشی سے بھیگتے لہجے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''بہت بے صبرے ہو تم میرے ڈاکٹر کے پاس سے آنے تک تو رک جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ساتھ رہنے کا اتنا خوبصورت انتظام کر دیا تھا۔ میں تو تمہیں یہ خوشخبری سنانے کیلئے آ رہی تھی اور تم مجھے چھوڑ کر جا رہے تھے یہ ایس ہے۔ ''سنی'' ہمارا پیارا ہمارا بیٹا تمہارے پیار کی یہ نشانی میری کوکھ میں نہ رہ جاتی تو، میں تو سچ مچ مر ہی جاتی احمر حسن! میرے زندہ رہنے کا جواز بن کر یہ معصوم بچہ میری گود میں آ گیا تھا۔ کتنی ضرورت تھی مجھے ان دنوں تمہاری مگر تم مجھے رلاتے ہی رہے۔'' وہ بتاتے ہوئے اس پر انکشاف کر رہی تھی۔

''عینی آئی ایم رئیلی سوری۔'' وہ اس کے شانوں کو تھام کر دکھ اور ندامت سے بولا

''تم سے تو میں بعد میں پوچھوں گی کہ کہاں گئے تھے کس کے پاس اور کس کے ساتھ گئے تھے؟''

''او کے او کے میں سب کچھ تفصیل سے سب کو بتا دوں گا۔''

''اچھا اب کیا بیٹے کو پیار نہیں کرو گے؟''

''کیوں نہیں سنی میرا بیٹا۔'' احمر خوشی اور محبت سے بازو وا کیے بیڈ پر کھڑے سنی کی طرف بڑھا۔

''پاپا۔'' ایس فوراً بھاگ کر اس سے لپٹ گیا۔

''سنی میرا بیٹا کیسے ہو پاپا کی جان کیسے، پہچان لیا آپ نے اپنے پاپا کو ہاں؟'' احمر اسے دیوانہ وار چومتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''آپ کی تصویروں سے پاپا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''تصویروں سے۔''

''جی پاپا! مما روز مجھے آپ کی تشویریں (تصویریں) دکھاتی تھیں اور روتی بھی تھیں، پاپا آپ نے میری مما کو بوہت (بہت) رلایا ہے۔ آپ کیوں دور گئے تھے میری مما کو چھوڑ کے۔ آپ پھر تو نہیں جائیں گے ناں پاپا۔'' وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا اور احمر کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ جہاں اس کے وجود نے اسے ایک نئی تازگی اور زندگی بخشی تھی وہاں وہ اس سے دوری اور ان دونوں ماں بیٹے کی آنسوؤں میں ڈوبی تنہائی کے احساس سے دکھی اور نادم بھی ہو گیا تھا۔

''نہیں پاپا کی جان! اب میں کہیں نہیں جاؤں گا آپ کے اور آپ کی مما کے پاس رہوں گا۔ مجھے اگر پتا ہوتا کہ میں پاپا بننے والا ہوں تو میں آپ کی مما کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاتا۔ میں ایسی حالت میں اپنی عینی کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا۔ بس میری بے خبری نے مجھے آپ دونوں سے اتنا عرصہ دور کیے رکھا۔''

''اچھا اب رونا بند کرو اندر باہر بارش ہی بارش ہو رہی ہے۔'' قرۃ العین نے اس کے قریب آ کر کہا تو اس نے آنسو صاف کر لیے۔

''عینی! میرا تم سے یہ بھی وعدہ ہے جب دوبارہ تم مما اور میں پاپا بننے والا ہوں گا نا تب میں تمہارا سچ مچ خود سے بہت خیال رکھوں گا۔''

احمر نے اس کے چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

''اوہو، بڑے آئے خیال رکھنے والے۔'' وہ حیا سے سرخ ہوتے ہوئے رخ پھیرتے ہوئے بولی تو وہ اس کی اس ادا سے ہنس پڑا۔

''دیکھ لینا اور میری جان! تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے میرے بیٹے کو میری موجودگی کا احساس دلائے رکھا اسے میری پہچان کرائی میں تو تمہیں سرپرائز دینے آیا تھا مگر تم نے مجھے اس سے بڑا سرپرائز دے کر مجھے واقعی بہت حیران اور خوش کر دیا ہے۔ تم بہت سوئیٹ ہو عینی آئی رئیلی لو یو۔''

احمر نے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر اپنے ساتھ لگا کر کہا۔ وہ خوشی سے بھیگتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دی۔

''پاپا! آپ پڑھنے گئے تھے نا اور میرے لیے کھلونے لینے گئے تھے۔''

''کھلونے۔'' وہ خجالت سے دونوں کو دیکھنے لگا۔

''تم فکر نہ کرو تمہاری طرف سے میں نے یہ انتظام کر رکھا ہے۔'' قرۃ العین نے کہا۔

''عینی! تم سچ مچ بہت عظیم ہو بہت کیئرنگ اور سمجھدار ہو تمہاری ان محبتوں اور نوازشوں کا قرض تو میں ساری زندگی ادا نہیں کر سکتا۔'' احمر خوشی سے تشکر سے بھیگتے لہجے میں بولا۔

''اچھا اب زیادہ مکھن مت لگاؤ۔'' وہ اس کے گرد بازو حمائل کر کے شرارت سے کہتے ہوئے سچ مچ اسے اپنے دل سے لگا لیا۔ قرۃ العین کے دل و روح میں ڈھیروں سکون اور اطمینان پھیلتا چلا گیا۔

''پاپا! آپ مما کو بھی زیادہ سارا پیار کریں۔ مما آپ کی تشویروں (تصویروں) کو روز پیار کرتی تھیں۔'' ایس نے اس کے دوسرے بازو کے حلقے میں خوشی سے چہکتے ہوئے بتایا تو اسے قرۃ

العین پر اور زیادہ پیار آنے لگا۔

''ہوں، کیوں بھئی میرے بیٹے کی مما میری تصویروں کو آپ روز پیار کرتی تھیں۔'' وہ شرارت سے اس سے پوچھنے لگا۔

''جی نہیں۔'' وہ شرما گئی۔

''جناب! بچے کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔''

''تو۔''

''تو یہ کہ میری جان! اب تو میں بہ نفس نفیس تمہارے سامنے موجود ہوں اب تم مجھے پیار کر سکتی ہو۔'' وہ شوخ و شریر لہجے میں بولا۔

''خوامخواہ۔'' وہ سرخ ہو گئی۔

''تم شرماتی رہو گی میں مزید صبر نہیں کر سکتا سمجھیں۔'' احمر نے اس کے چہرے پر اپنی محبتوں کے اتنے پھول نچھاور کیے کہ وہ دہک کر سرخ گلاب کی مانند ہو گئی۔ بوکھلا کر اس کے حصار سے نکلی۔

''احمر! پاگل ہوئے ہو بچے کے سامنے ایسے کرتے ہیں کوئی۔''

''بھئی ہم نے تو اپنے بچے کی اور اپنے دل کی بات مانی ہے، ہے نا سنی بیٹا میں نے آپ کی مما کو پیار کر کے اچھا کیا نا۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''جی پاپا! مما کو آپ نے رلایا بھی زیادہ ہے۔ اس لیے پیار بھی زیادہ زیادہ کریں۔'' اسیس نے مسکراتے ہوئے خوشی سے کہا۔

''اور میری جان! میرا بیٹا آپ فکر ہی نہ کریں میں آپ کی مما کو روز زیادہ زیادہ پیار کروں گا ادھر آیئے سنی کی مما۔'' احمر نے ہنس کر کہا اور قرۃ العین کی طرف ہاتھ بڑھایا پیچھے ہٹتے ہوئے گھبرا کر بولی۔

''تم چینج کر لو میں تمہارے لیے کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔''

''آں ہاں، کھانا میں کھا کر آیا ہوں بس تم اپنی سالگرہ کا کیک اپنے ہاتھوں سے کھلا دو۔'' وہ اس کے آنچل کا کونہ پکڑ کر اس کے فرار کے راستے بند کرتے ہوئے بولا۔

''پہلے تم چینج تو کر لو۔''

''یہ چینج کافی نہیں ہے جو ہماری زندگی میں آیا ہے یہ پیارا سا چینج اور پیارا سا پیار۔'' احمر نے اسیس اور قرۃ العین کو اپنی بانہوں میں سمو کر دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا اور باری باری دونوں کی

پیشانی چوم لی۔ دونوں خوشی سے مسکرا دیئے۔

''باقی گھر والوں سے ملے آپ۔''

''پہلے میں اپنی گھر والی سے تو مل لوں، گھر والوں سے تو اب صبح ہی ملوں گا۔ آج کی شب کے یہ سارے لمحے تم دونوں کے ساتھ گزاروں گا آؤ کیک کھلاؤ ہم دونوں کو۔'' اس نے اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا اور وہ اسیس کو اپنے بازو میں اٹھاتے ہوئے قرۃ العین کو اپنے ساتھ لگائے صوفے پر آ بیٹھا۔

قرۃ العین نے کیک کاٹ کر اسیس کو کھلایا پھر احمر کو کھلایا ان دونوں نے باری باری اپنے ہاتھ سے اسے کیک کھلایا۔ وہ خوشی سے تشکر سے دل ہی دل میں رب کے حضور سجدہ ریز ہو رہی تھی جس نے اس کی محبت، اس کا پیار اسے ملا دیا تھا۔ اس کے محبوب شوہر کو اس کی زندگی میں پھر سے محبتیں اور مسرتیں بکھیرنے کیلئے بھیج دیا تھا۔

وہ محبت سے احمر کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ حسین اور دلنشین ہو گیا تھا۔ رنگت مزید نکھر گئی تھی، صحت بھی پہلے سے اچھی لگ رہی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' احمر نے اس کے رخساروں کو چومتی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''تم پہلے سے زیادہ پیارے ہو گئے ہو۔''

''اس لیے کہ تم مجھے پہلے سے زیادہ پیار سے دیکھ رہی ہو۔ دور ہو کر تو پیارے اور بھی پیارے ہو جاتے ہیں اور تم تو اتنی پیاری ہو کہ ساری دنیا میں تم سے زیادہ پیاری مجھے کوئی نہیں نظر آئی۔''

''سچ۔'' وہ خوشی سے بولی۔

''قسم سے۔'' احمر نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ چند لمحے تو اسے محبت و مسرت سے دیکھتی رہی پھر بے اختیار ہو کر اس کے سینے سے لگ کر اس نے آنکھیں موندلیں۔ احمر نے بھی اسے اپنی محبتوں کی حرارت سے اپنی چاہتوں کی شدت سے دیوانگی کی حدت سے سیراب و سرشار کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

☆☆☆

اس شب کی سحر بہت خوبصورت، خوشگوار اور پر بہار تھی۔ ناشتے کی میز پر قرۃ العین نے خاص اہتمام کیا تھا جب سب ناشتے کیلئے اکٹھے ہوئے تو وہ احمر کا ہاتھ پکڑ کر ان کے سامنے لے

آئی۔

''احمر!'' سب حیرت سے چلا اٹھے، اور دوسرے ہی لمحے سب اس سے ملنے کیلئے دوڑ پڑے۔ احمد حسن، عائشہ بیگم اور اظفر حسن تو اسے بار بار گلے سے لگا کر چوم رہے تھے۔ خوشی سے رو بھی رہے تھے۔ سنی سب کو بتا رہا تھا کہ ''میرے پاپا آ گئے ہیں'' بچے بڑے سب اس سے دیر تک گلے لگ کر ملے۔ اس کی بینائی واپس آ جانے کی خبر نے انہیں دوہری خوشی عطا کی تھی۔ عائشہ بیگم تو دیر تک اسے اپنے سینے سے لگائے چومتی رہیں، روتی رہیں اور پھر احمد حسن کے ساتھ شکرانے کے نفل ادا کرنے چل دی۔

''انور لاج'' میں بھی یہ خبر بہت حیرت اور مسرت سے سنی گئی۔ عامرہ بیگم، انور رؤف، نبیلہ بھابھی، اشعر بھائی اور ان کے بچے سبھی ''حسن لاج'' میں آ گئے تھے۔ عامرہ بیگم نے تو احمر سے اپنے رویے کی معافی بھی مانگ لی اور اس نے دل سے انہیں معاف کر دیا۔

پھر احمر نے انہیں ساری روداد سنا دی کہ وہ یہاں سے طارق کے ساتھ پروگرام بنا کر کس طرح اس کے امریکہ میں مقیم کزن کے پاس پہنچا تھا۔ وہ ٹرین کے ذریعے یہاں سے طارق کے کزن کے ساتھ پہلے کراچی گیا اس کے دو دن بعد امریکہ طارق کے ساتھ روانہ ہوا وہاں طارق کے کزن کے گھر میں اس کے ساتھ رہا۔ اس نے اس کے تمام ٹیسٹ کرائے۔ آپریشن ہوا اور پھر عرصہ بعد اس کی بینائی لوٹ آئی اور اس نے طارق کے ساتھ ہی وہاں ایک کمپنی میں ملازمت کر لی اور یہ بھی کہ وہ ان سب کیلئے کتنا تڑپتا تھا۔ واپس آنے کو مچلتا تھا۔ کمپنی سے معاہدہ کر کے اسے پورا کرنے پر مجبور تھا۔ طارق نے کس طرح اس کے ساتھ دوستی کا حق ادا کیا اور یہ کہ اسے سال میں ایک آدھ بار ان سب کی خیریت معلوم ہو جاتی تھی۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ ایک پیارے سے بیٹے کا باپ بن چکا ہے ورنہ وہ فون تو ضرور کر لیتا۔

''احمر! تم تقریباً پانچ سال امریکہ گزار کر آئے ہو اپنے ساتھ کوئی ''گوری میم'' نہیں لے کر آئے۔'' نغمہ بھابھی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ارے بھابھی جان امریکہ کی ''گوری میم'' میں کیا رکھا ہے میں تو ایک ''پاکستانی گوری میم'' یہاں چھوڑ گیا تھا مجھے تو اس کے سحر نے ہی قید کیے رکھا تھا میں کسی امریکن میم کو کیا دیکھتا، پرکھتا۔'' احمر نے مسکراتے ہوئے اپنے قریب بیٹھی قرۃ العین کا ہاتھ تھام کر شوخ لہجے میں کہا تو سب ہنس پڑے۔

''عینی نے بھی تمہارے بغیر بہت کشت کاٹا ہے۔'' اظفر حسن نے کہا تو وہ قرۃ العین کو محبت

اور فخر سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں جانتا ہوں بھائی! اچھا عینی کی کہانی تو میں عینی کی زبانی سنوں گا اب آپ جلدی سے عینی کی ''سلور جوبلی برتھ ڈے'' منانے کا اہتمام کریں۔ میں نے تو اسے رات ہی وش کر دیا تھا اور کیک بھی کھا لیا تھا اب ذرا سب کے ساتھ یہ خوشی سیلیبریٹ ہو جائے تو مزا آ جائے گا کیوں امی ٹھیک ہے نا۔'' اس نے عائشہ بیگم کی طرف دیکھا۔

''ہاں بیٹا! کیوں نہیں آج دوہری خوشیاں ملی ہیں ہمیں اور عینی کی سالگرہ ایسے میں سونے پر سہاگہ ہوگی۔ سارا اہتمام ہو جائے گا تم بالکل فکر نہ کرو۔'' عائشہ بیگم نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو امی جان۔'' وہ تشکر سے مسکرا دیا۔

شام کو وہ سب ''حسن لاج'' میں خوشیوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے ڈائننگ ہال میں موجود تھے۔ جسے خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ خوشبوؤں، قہقہوں، مسکراہٹوں اور ہاتھوں کی سرگم ''حسن لاج'' کے در و دیوار کو بھی روشن کر رہی تھی۔ احمر سفید شلوار کرتا زیب تن کیے خوشبو سے مہکتا بہت حسین لگ رہا تھا۔ اسیس کو اس نے اپنی گود میں اٹھا رکھا تھا اور بار بار اس کا چہرہ چوم رہا تھا۔ اظفر حسن کیمرے میں ان سب کو فوکس کر رہے تھے۔ ہر چہرہ خوشی سے کھل رہا تھا۔

قرۃ العین نے ہلکے گلابی رنگ کی سفید بلاؤز والی پیور چائنا سلک کی ساڑھی زیب تن کی تھی اس پر ڈائمنڈ کا سیٹ پہنا تھا۔ میچنگ چوڑیاں اور احمر کے لائے ہوئے گجرے پہنے بالوں کے دلکش اسٹائل اور لباس کی مناسبت سے کیے گئے میک اپ میں وہ حور شمائل دکھائی دے رہی تھی۔ عائشہ بیگم نے اس کی اور احمر کی نظر اتاری۔ اسیس کے سر کا صدقہ اتارا اور ان کی خوشیوں کی دعا مانگی۔

قرۃ العین نے چونکہ ساڑھی پہلی مرتبہ زیب تن کی تھی اس لیے اس پر جچ بھی بہت رہی تھی اور اسے چلنے میں بھی احتیاط برتنا پڑ رہی تھی۔ احمر نے جو اس کے رنگ و روپ کو دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔

''ہر روپ قیامت ہے تیرا، ہر رنگ میں آفت لگتی ہو اے جان جہاں! تم چاہت ہو، راحت ہو۔'' اور مجسم الفت لگتی ہو احمر نے موقع ملتے ہی اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور اس کے روپ کو پیار سے دیکھتے ہوئے یہ شعر پڑھا تو وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے نظریں جھکا گئی۔ کتنی مدت بعد اس کے لمس کو محسوس کر رہی تھی۔ اس کی پیار بھری آواز سن رہی تھی۔ اس کے قرب کی مہک

میں کھل رہی تھی۔ ایک عرصے بعد وہ دل سے خوش ہو کر مسکرا رہی تھی۔

''سنو! آج کی رات شادی کی رات سے زیادہ حسین اور دلنشین بنا دوں گا۔'' وہ اس کے چہرے کو محبت پاش اور وارفتہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''صرف آج کی رات۔'' قرۃ العین نے اس ادا سے اسے دیکھتے ہوئے کہا کہ وہ دل و جان سے اس پر نثار ہو گیا۔

''او میری جان! میری روح! آج سے ہر شب پیار کی شب ہو گی ہر صبح عشق میں نکھری نکھری ہو گی۔ گئی رتوں کا کوئی کرب، کوئی دکھ میں تمہارے قریب نہیں آنے دوں گا پتا ہے ہم دونوں پھر سے ''ہنی مون'' منانے جائیں گے بلکہ اس بار سارے اکٹھے جائیں گے امی ابو بھائی، بھابھی، ماموں ممانی، اشعر بھائی، نبیلہ بھابھی اور بچے سب اب ہم سب صرف پیار ہی پیار کشید کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔''

وہ اس کی پیشانی پر محبت کی مہر ثبت کر کے پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''انشاء اللہ۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی۔

''اوئے یہ رومینس بعد میں کر لینا پہلے نیچے آ کر کیک تو کاٹ لو۔'' اظفر حسن نے دروازے پر دستک دے کر کمرے میں جھانکتے ہوئے کہا۔ تو وہ دونوں شرما کر ہنس پڑے اور اظفر حسن نے دل سے ان کے ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہنے کی دعا کی اور نیچے چلے آئے۔

احمر بھی قرۃ العین کا ہاتھ تھامے ڈائننگ ہال میں آ گیا جہاں دونوں گھروں کے مکین قرۃ العین کیلئے جمع تھے۔ اظفر حسن نے ان دونوں کی زینے سے اترتے ہوئے ایک تصویر کھینچ لی تھی۔

قرۃ العین نے احمر کے ساتھ مل کر اپنی سالگرہ کا کیک کاٹا۔ تالیوں اور مبارکباد کے گیت میں ہنستے مسکراتے ان کی تصویریں کھینچی گئیں۔ احمر نے قرۃ العین کے کان میں جانے کیا کہا کہ وہ اسے دیکھ کر شرما گئی۔ لبوں پر شرمگیں مسکان نے بسیرا کر لیا۔

''احمر! یہ تم نے عینی کے کان میں کیا کہا ہے؟'' نبیلہ بھابھی نے اس کی چوری پکڑ لی تھی مسکراتے ہوئے پوچھا تو قرۃ العین اور بھی شرما گئی۔

''وہی جو ایک محبت کرنے والا شوہر اپنی پیاری اور باوفا بیوی سے کہہ سکتا ہے۔'' وہ قرۃ العین کو چاہت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا کہہ سکتے ہے؟'' نغمہ بھابھی نے بھی ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔

''یہی جو میں۔ نے کہا ہے عینی سے کہ عینی آئی لو یو ویری مچ۔''

''احمر!'' اس کے یوں سب کے سامنے اقرار کرنے پر قرۃ العین بری طرح سٹپٹا گئی اور اس نے اس کے بازو پر مکہ رسید کر دیا سب کو ہنسی آ گئی احمر سمیت۔

''سب کے سامنے کہہ دیا تم نے تو۔'' اشعر بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سب جانتے ہی ہیں یہ سچ یہ تو ہمارا اوپن سیکرٹ ہے، ہے نا عینی!'' وہ ہنس کر شوخی سے بولا سب کی ہنسی اور قرۃ العین کی شرمیلی حالت نے محفل کو اور بھی حسین بنا دیا تھا اور احمر کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ عینی کو اپنی بانہوں میں لے کر کسی خلوت کدے میں پہنچ جائے اور اس پر اپنی پانچ برس کی محبت نچھاور کر دے اپنی بے قراریوں اور بے تابیوں کی داستان سنائے اور اس سے اس کی بات سنے۔ اس کا رنگ روپ احمر کو دیوانہ بنا رہا تھا اور عینی کو اس کی سب کے سامنے شوخ باتیں حواس باختہ کر رہی تھیں۔

''بس احمر!'' قرۃ العین نے اسے پیار بھری خفگی سے دیکھتے ہوئے اس انداز سے کہا کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ باقی سب کی ہنسی بھی اس کی شوخ ہنسی میں شامل ہو گئی۔

''کتنے پیارے لگ رہے ہو تم ہنستے ہوئے۔'' قرۃ العین نے اس سے کہا۔

''تمہارے پیار کا جادو ہے میری جان!''

وہ اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولا۔ اسیس اس کے دوسرے بازو میں تھا۔ اشعر بھائی کے پاس کیمرہ تھا جو انہوں نے ملازم کو تصویر کھینچنے کیلئے دے دیا۔

''چلیں بھئی سب کا گروپ فوٹو ہو جائے۔''

احمر نے کہا تو سب اس کے اور قرۃ العین کے گرد کھڑے ہو گئے۔

''ریڈی۔'' اور ان کی تصویر کیمرے کی آنکھ میں ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو گئی۔

احمر اور قرۃ العین کی زندگی میں پھر سے محبتوں، قربتوں اور مسرتوں کے در وا ہو گئے تھے۔ ''حسن لاج'' کی بہاریں پھر سے لوٹ آئی تھیں۔ ''انور لاج'' میں پھر سے چین کی بانسری بجنے لگی تھی۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔

